سلسلۂ دارالمصنفین

(۹۹)

کشمیر سلاطین کے عہد میں

جس میں مغل فرماں رواؤں سے پہلے جن مسلمان حکمرانوں کی حکومت کشمیر میں رہی، اس کی بہت ہی مستند اور مفصل سیاسی اور تمدنی تاریخ قلم بند کی گئی ہے

مرتبہ

جناب محب الحسن صاحب

(پروفیسر شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

مترجمہ

جناب علی حماد عباسی صاحب ایم، اے

(استاد شعبۂ انگریزی شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ)

۱۹۶۷ء در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع گردید ۱۳۸۶ھ

۷۸۶

فہرست مضامین

کشمیر
سلاطین کے عہد میں

دیباچہ

استاذی المحترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے دارالمصنفین کے لیے ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کی تاریخ کی ترتیب و تدوین کا جو نقشہ بنایا تھا، اس میں مسلمانوں حکمرانوں کی مرکزی حکومتوں کے علاوہ دکن، گجرات، مالوہ، خاندیش، کشمیر، ملتان، جونپور، بنگال، حیدرآباد، مرشد آباد، اودھ، روہیلکھنڈ، میسور اور کارناٹک وغیرہ میں جو صوبائی حکومتیں رہیں، ان کی تاریخ بھی قلمبند کرنے کا یہ پروگرام رکھا تھا، اس سلسلہ میں گجرات کی تمدنی تاریخ پہلی شائع کیجا چکی ہے اور اب یہ تاریخ کشمیر سلاطین کے عہد میں پیش کی جا رہی ہے،

خیال تھا کہ دارالمصنفین اپنے یہاں کشمیر کی تاریخ پر مستقل کام شروع کرے، راقم سے کہا گیا کہ میں کشمیر جا کر مستند ماخذوں کی چھان بین کروں دارالمصنفین کے کاموں اور دوسرے مشاغل کی وجہ سے وہاں جانے کا موقع نہ ملا، لیکن جب میری نظر پروفیسر محب الحسن کی انگریزی تاریخ "کشمیر انڈر سلطانز" پر پڑی، تو مجھکو یہ بہت پسند آئی، کیونکہ یہ پوری محنت، کاوش اور دیدہ وری سے لکھی گئی ہے، اور جتنے ماخذوں کو وہ حاصل کر سکے ہیں، کسی اور کے لیے حاصل کرنا آسان نہیں، پھر اس کتاب میں پروفیسر محب الحسن کا انداز بیان اور نقطۂ نظر بھی تقریباً وہی ہے، جو دارالمصنفین نے اپنی تاریخ ہند کی تدوین کے سلسلہ میں رکھا ہے، اس لیے دارالمصنفین میں یہ طے پایا کہ اسی کتاب کا ترجمہ اردو میں کر کے شایع کر دیا جائے، ہم جناب محب الحسن کے ممنون ہیں کہ انھوں نے بڑی فراخدلی سے اس کے اردو ترجمہ کی طباعت و اشاعت کی اجازت دیدی، اس کتاب کی اشاعت سے پہلے وہ انگریزی میں ہسٹری آف ٹیپو سلطان

لکھ کر بھی اپنی تاریخ نویسی میں شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، وہ پہلے کلکتہ یونیورسٹی میں
میں اسلامی تاریخ اور کلچر کے استاد تھے، پھر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ میں ریڈر رہے
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں، انکی زیر نظر کتاب ایران سوسائٹی کلکتہ سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی تھی
ہم پروفیسر علی حماد عباسی کے بھی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اردو میں اس کا ترجمہ پوری محنت سے کیا،
کیا، اس کا ترجمہ کرتے وقت وہ شبلی نیشنل کالج میں انگریزی کے استاد تھے، آج کل ان سی سی میں
ایک فوجی عہدیدار ہیں، انھوں نے جب اس کے بڑے حصہ کا ترجمہ کر لیا، تو اس کا مسودہ پروفیسر محب الحسن
کے پاس بھیجدیا گیا کہ وہ اس پر نظر ثانی کریں، راقم نے بھی ترجمے کے مسودے کو دیکھا ہے، حتی الوسع
ترجمے درست اور صحیح ہیں، پھر بھی کہیں کہیں انگریزی کے اصطلاحی الفاظ کے صحیح ترجمے تو نہیں ہوسکے
ہیں، لیکن ان کا مفہوم ادا کر دیا گیا ہے، پوری کوشش کے باوجود ممکن ہے کہ کشمیر سے متعلق بعض اسمائے معرفہ
کے املا میں غلطیاں رہ گئی ہوں، انگریزی اور فرانسیسی اسمار کے املا کی غلطیوں میں کاتب کے قلم
کو بھی بڑا دخل ہے، ان خامیوں کے لیے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں، کتابیات کی فہرست اسی لیے
آخر میں نہیں دیجا سکی ہے کہ انگریزی حروف کے ٹائپ کا انتظام نہیں ہوسکا، کاتب انگریزی اور فرانسیسی
نام صحیح لکھنے سے قاصر تھا،

کتاب میں کتابت وطباعت کی جو غلطیاں ہیں وہ ناظرین اغلاط نامہ کی مدد سے تصحیح کرلیں،

ہم کو خوشی ہے کہ استاذی المحترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے تاریخ ہند کا جو نقشہ بنایا تھا، اس سلسلہ
کی یہ تاریخ ۲۱ ویں جلد ہے جو اسوقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، امید ہے کہ یہ شوق سے پڑھی جائیگی، یہ دار المصنفین
کی طلائی جوبلی کے موقع پر عالیجناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بالقابہ نے حکومت ہند کی طرف سے جو پچاس ہزار کی گرانٹ
عطا کی تھی، یہ کتاب بھی اسی رقم سے شائع کی جارہی ہے۔

سید صباح الدین عبد الرحمن

دار المصنفین اعظم گڈھ

۴ مارچ ۱۹۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب[۱]

ماخذ

اس سے قبل کہ تاریخ کشمیر سے متعلق سلاطین کے عہد کے محفوظ ماخذوں کا جائزہ لیا جائے، اُن معاصر ماخذوں کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے، جو اب ناپید ہیں، ان ہی ماخذوں سے بعد کے اہل قلم نے استفادہ کیا ہے، خاندان شاہ میر کے ابتدائی دور میں تو کوئی تاریخ نہیں لکھی گئی، البتہ سلطان زین العابدین کے دور حکومت میں جو فنی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے بہت ممتاز ہے، سنسکرت اور فارسی مین تاریخین لکھی گئیں، چنانچہ اسی عہد میں ناتھ سوم پنڈت نے سلطان زین العابدین کے سوانح حیات اور کارناموں پر کشمیری زبان مین ایک کتاب لکھی اور "زجین حرت"، کے نام سے اس کو موسوم کیا، اسی موضوع[۱] پر بودھ بھٹ نے کشمیری زبان میں ایک ڈرامہ بھی لکھا، جو سلطان کے درباری شعرا ر ملا احمد[۲] اور ملا نادری نے فارسی زبان میں کشمیر کی تاریخین لکھیں، لیکن بدقسمتی سے ان تمام تاریخی کتابوں میں سے کسی کتاب کا بھی کوئی نسخہ کہیں دستیاب نہین ہوتا ہے، اسی طرح سلطان فتح شاہ کے دوبارہ تخت نشین ہونے

۱۔ جین راج ترنگنی از شری ور مترجمہ جے سی دت جلد اوّل، باب پنجم، نمبر ۳۷ میونخ ورق ۷۲ ب

۲۔ ان تصنیفات کا ذکر کشمیر کی تمام فارسی تاریخوں میں ملتا ہے، پیر حسن شاہ نے "تاریخ حسن"، جلد اوّل ورق ۱۵۲ الف میں بھی "تاریخ قاضی حامد"، اور "منتخب التواریخ" از حسن بیگ جیسی تاریخوں کا ذکر کیا ہے،

کے بعد قاضی ابراہیم کی اور خاندان چک کے دور حکومت میں ملا حسن قاری کی تصنیف کردہ تاریخین کا اب کوئی نام ونشان بھی باقی نہین ہے، پھر بھی ملا احمد اور نادری کی تصنیفات سے حیدر ملک، حسن بن علی، ملی محمد اعظم اور دوسرے مورخون نے کافی استفادہ کیا ہے،

تاریخ کشمیر سے متعلق محفوظ ماخذون کو پانچ حصون میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،

(۱) سنسکرت زبان کے معاصر ماخذ، ان میں جون راج، شری ور، پراجیہ بھٹ اور رشک کی تصنیف کی ہوئی تاریخیں شامل ہیں، اس سلسلہ میں ایک کتاب لوک پرکاش معصنفہ کشیمندر بھی قابل ذکر ہے،

(۲) فارسی زبان کے معاصر ماخذ، یہ کئی حصون میں تقسیم کیے جاسکتے ہین،

(الف) کشمیر کی تاریخیں، (ب) ہندوستان کی عام تاریخیں (ج) مغلون کی تاریخین (د) وسط ایشیا کی تاریخیں (ہ) سلاطین دہلی کے عہد کی تاریخین (و) صوفیاے کرام کے سوانح حیات

(۳) بعد کی فارسی تصانیف،

(۴) کشمیری ادب اور لوک کہانین،

(۵) فرنگیوں کے بیانات،

(۶) آثار قدیمہ کے شواہد،

سنسکرت کے معاصر مستند ماخذ

اپنی تصنیف "راج ترنگنی" میں کلہن نے تاریخ کشمیر کے ابتدائی دور سے لے کر

گہ قاری کی تاریخ اب ناپید ہے، کرافورڈ نے *Bibliotheca Lindesiana* میں غلطی سے قلمی نسخہ نمبر ۸ ا کو قاری کی تصنیف سمجھ لیا ہے، درحقیقت یہ اعظم کی واقعات کشمیر ہے، اور اس میں ورق ۳ پر قاری کا نام سند کے طور پر پیش کیا گیا ہے، دوسری طرف اسٹوری نے اس کو غلطی سے حسن بن علی کی تاریخ سمجھ لیا ہے،

۱۱۵۰ء کے حالات قلم بند کیے ہیں، اس کے دو سو سال بعد جون راج نے سلطان زین العابدین کے عہد تک تاریخ کشمیر لکھی، اور کلہن کی طرح اپنی تصنیف کو بھی "راج ترنگنی" کے نام سے موسوم کیا، جون راج سنسکرت کا عالم تھا، اور سلطان کے دربار سے منسلک تھا، لیکن مذکورہ بالا کتاب اس نے شری بھٹ محکمہ عدل کے نگران[1] کے حکم سے لکھی تھی، اسٹائن[2] کے قول کے مطابق جون راج اچھی استعداد رکھتا تھا، لیکن اس میں کوئی جدت پسندی نہ تھی،

جون راج کی تصنیف "راج ترنگنی" میں تاریخ کشمیر کے ۱۱۵۰ء سے ۱۴۵۹ء تک کے حالات درج ہیں، یہ تاریخ کشمیر کا سب سے اہم اور قدیم ماخذ ہے، اس میں ۱۱۵۰ء سے لے کر شاہ میر کی تخت نشینی تک کے معاشرتی اور سیاسی حالات درج ہیں، جو اگرچہ مختصر ہیں، لیکن مفید ہیں، اس سے ہم کو ان اسباب کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جو سلاطین کی حکومت کے قیام کے باعث ہوئے، اس میں آیندہ دور کے سلاطین کا سرسری جائزہ بھی ہے، لیکن اس میں بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً رنچن کے مشرف باسلام ہونے اور کشمیر میں سید علی ہمدانی کی آمد کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، لیکن ۱۳۵۹ء سے ۱۴۵۹ء تک کے واقعات کافی وضاحت سے ملتے ہیں، کیونکہ اس درمیان میں مصنف ایک بڑی مدت تک زندہ رہا، وہ سلطان زین العابدین کے دربار سے منسلک تھا، اس لیے وہ اپنے مربی و آقا کے اوصاف بیان کرتے وقت مبالغہ سے کام لیتا ہے، اور اس کی برائیوں سے چشم پوشی کر جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سلطان زین العابدین کے والد سکندر کے حالات کے بیان میں بھی جانبداری سے کام لیتا ہے، اور اس کے عہد کی تمام خرابیوں کو اس کے وزیر سوہ بھٹ کے سر ڈال دیتا ہے، اور اس کی معمولی خامیوں کو بھی بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، اس نے شہروں اور مقامات کے

۱؎ جون راج جلد دوم ص ۳۴۳ ۲؎ اسٹائن جلد دوم ص ۳۴۳

ضمن میں جو کچھ لکھا ہے، وہ مجموعی حیثیت سے معتبر ہے، اس نے سلطان کی تخت نشینی اور وفات کی تاریخ صحت کے ساتھ لکھی ہے، حالانکہ اس نے اہم تاریخی واقعات کے سنہ اور تاریخ کو بہت کم لکھا ہے اور یہ تاریخ کشمیر لکھنے والوں کا عام نقص ہے،

جون راج کا انتقال ۱۴۵۹ء میں ہوا، اس کے بعد اس کے شاگرد شری ور نے اپنے استاد کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھایا، اور ایک کتاب "جین راج ترنگنی" تصنیف کی، شری ور بھی جون راج کی طرح سلطان زین العابدین کا درباری تھا، اور سلطان کے انتقال کے بعد حسن شاہ اور محمد شاہ کی ملازمت میں رہا، "جین راج ترنگنی" کے علاوہ شری ور نے فارسی کی، یوسف زلیخا کو "کتھا کوتک" کے نام سے سنسکرت میں منتقل کیا، عالم شاعر، مورخ ہونے کے علاوہ وہ فن موسیقی کا بھی ماہر تھا، اور حسن شاہ کے عہد حکومت میں موسیقی کے شعبہ کی نگرانی اسی کے سپرد تھی،

شری ور کی "راج ترنگنی" سے سلطان زین العابدین کے بقیہ دور حکومت یعنی ۱۴۵۹ء سے ۱۴۷۰ء تک اور اس کے جانشینوں کے عہد حکومت سے لے کر فتح شاہ کی تخت نشینی یعنی ۱۴۸۶ء تک کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں، شری ور کی تصنیف جون راج کی تصنیف سے کمتر درجہ کی ہے، اور اسٹائن نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے، کہ وہ کلہن کی اندھی پیروی کرتا ہے جس نے اپنے پیش رو کے خیالات کو نئی شکل میں پیش کر دینے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں کیا ہے، اس کی تصنیف کے اکثر حصے طبع زاد ہونے کے بجائے "راج ترنگنی" کا انتخاب معلوم ہوتے ہیں[۳]، شری ور خود اقرار کرتا ہے "میں نے اس تاریخ کو کچھ تو سلطان زین العابدین کے بے شمار احسانات سے سبکدوش ہونے کے لیے اور کچھ اس کی غیر معمولی صلاحیتوں سے

---

۱ صوفی کاشمہ جلد ۱ ص ۱۶۷ ۲ شری ور ص ۲۳۱ ۳ اسٹائن جلد ۲ ص ۳۷۳،

متاثر ہو کر لکھا ہے، اسی لیے جون راج کی طرح وہ بھی سلطان کی اچھائیوں کو بڑھا چڑھا کر اور برائیوں کو کم کر کے پیش کرتا ہے، لیکن ان تمام ماخذوں کے باوجود اس کی یہ تصنیف بہت ہی گراں قدر ہے، کیونکہ اس عہد کا یہ واحد مکمل تاریخی ماخذ ہے، اور اسی باعث بعد کے مورخین نے اس سے پورے طور پر استفادہ کیا،

شری ور کے انتقال کے بعد پراجیہ بھٹ نے "راجاولی پتاکا" لکھی، اس میں ۱۴۸۶ء سے ۱۵۱۲ء تک کی تاریخ ہے، یہ شری ور کی تصنیف سے بہت کم درجہ کی ہے، اس نے جو کچھ شہروں اور مقامات کے متعلق لکھا ہے، اس میں بھی بہت خامیاں ہیں اور اس کے لکھے ہوئے سنین بھی نامکمل ہیں، چھبیس (۲۶) سال کی تاریخ صرف چونسٹھ (۶۴) اشلوکوں میں بہت ہی بے ترتیبی کے ساتھ بیان کی گئی ہے، بہت سے اہم واقعات جو محمد شاہ اور فتح شاہ کے درمیان جانشینی کی جنگ میں پیش آئے اس میں بالکل ہی نہیں ہیں،

اس سلسلہ کی آخری تاریخ پراجیہ بھٹ کے شاگرد شک پنڈت کی لکھی ہوئی ہے، جس کا نام اس نے کلہن کی تقلید میں "راج ترنگنی" رکھا، اس میں ۱۵۱۷ء سے ۱۵۹۶ء تک کے حالات درج ہیں، لیکن اس کی یہ تصنیف یون راج اور شری ور کی تصانیف کی طرح مفید نہیں ہے، بہت سے شہروں اور مقامات کے متعلق اس کی معلومات غلط ہیں، اس نے واقعات کے سنین بھی بہت کم لکھے ہیں، اور کبھی کبھی تو واقعات کی ترتیب بھی غلط ہو گئی ہے، کشمیر پر مرزا حیدر کے دوسرے حملے اور فتح کا ذکر اس نے برائے نام کیا ہے، اور سعیدی رینا اور دولت چک کے درمیان اقتدار کی جو جنگ ہوئی تھی، اس کا بھی ذکر اس میں نہیں ہے، علاوہ ازیں خاندان چک کی تاریخ اور مغلوں کے فتح کشمیر کے ذکر میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے،

"لوک پرکاش" شیمندر (المتوفی ۱۰۶۶ء) کے علاوہ کئی اشخاص نے مل کر لکھی تھی، شیمندر نے تو اس کا صرف ایک حصہ لکھا تھا[1]، اس کتاب کی دوسری جلد میں شاہ جہان کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے کچھ حصے بہت بعد مین یعنی سترہویں[2] صدی میں لکھے گئے تھے، بوہلر نے اس کو "کوش[3]" بتلایا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ ایک قسم کی یادداشت ہے، جس میں مختلف قسم کی باتین یکجا کردی گئی ہیں[4]، اس تصنیف پر "کوش" اور یادداشت دونون کا اطلاق ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں کشمیر کی زندگی[5] اور انتظامی امور پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب کی زبان کھچڑی ہے، اس کی سنسکرت میں فارسی اور کشمیری کی آمیزش ہے"۔

لوک پرکاش چار حصون پر مشتمل[6] ہے، پہلے حصہ مین چار خاص ذاتون اور ان کی ساتھ ذیلی ذاتون کے نام اور حکومت کے عہدیدارون اور وزرار[7] کے خطابات بھی لکھے ہیں، دوسرا حصہ ہنڈیون، دستاویزون، تجارتی معاہدون، سرکاری احکام وغیرہ پر مشتمل ہے، یہ حصہ سب سے زیادہ ضخیم اور اہم[8] ہے، اس کا شیمندر سے بہرحال کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس کا کچھ حصہ سلاطین کے عہد مین[9] اور کچھ حصہ سترہوین صدی میں لکھا گیا تھا، پہلے اور دوسرے حصہ کی طرح تیسرا حصہ[10] کسی خاص موضوع سے متعلق نہین ہے، بلکہ اس میں مختلف چیزون کا بیان ہے، اس میں مختلف قسم کی مچھلیون، پرندون، چوہون، نمک، طلائی زیورات اور سکون کے ہم معنی الفاظ کی فہرست دی گئی ہے، اس میں مہابھارت کی چند نظمون کے علاوہ بیسواؤن اور راہبون[11] پر ہجو بھی موجود ہے، چوتھا حصہ کالستھول کے ہجو سے شروع ہوتا ہے، جو مصنف اور اطبا تھے، اسی طرح ان پروہتون کی بھی ہجو ہے،

۱؎ انڈش اسٹوڈین جلد ۱ ص ۲۹۸، ۳۰۰ ۲؎ ایضاً ص ۳۳۷، ۳۴۱ ۳؎ ایضاً ص ۲۹۴ ۴؎ ایضاً ص ۲۹۲، ۲۹۳ اسٹائن جلد دوم ص ۳۶۷، ۵؎ انڈش اسٹوڈین ۶؎ ایضاً ص ۳۴۲، ۷؎ ایضاً ص ۳۴۸

جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، اس میں کشمیر کے اضلاع کی فہرست بھی موجود ہے،

اس طرح "لوک پرکاش" کشمیر کی سماجی زندگی اور انتظامی امور کا مطالعہ کرنے کے لیے مفید مواد فراہم کرتی ہے، اس کا واحد نقص صرف یہ ہے کہ اس کا صحیح پتہ چلانا مشکل ہے کہ اس کے مختلف ابواب کب لکھے گیے، پروفیسر اے ویبر نے انڈش اسٹوڈین (INDISCHE STUDIEN جلد ۸ ص ۲۸۹ اور ۴۱۳) میں اس کتاب کے مختلف اقتباسات شائع کیے ہیں، اور اور اسی سے میں نے استفادہ کیا ہے،

معاصر فارسی مستند ماخذ

کشمیر کی تاریخیں،

سید علی کی "تاریخ کشمیر" کو چھوڑ کر جو کہ یوسف شاہ کے دور حکومت میں لکھی گئی تھی، کشمیر سے متعلق تمام فارسی تاریخیں مغلوں کی فتح کشمیر کے بعد مرتب کی گئی تھیں، اس کے باوجود وہ سب بہت اہم ہیں، اور ان کو اصل ماخذ کی طرح سمجھنا چاہیے، کیونکہ ان کے مصنفین نے اپنے بچپن اور جوانی کا زمانہ خاندان شاہ میر کے متاخر حکمرانوں اور خاندان چک کے عہد حکومت میں گذارا تھا، اور انھوں نے یا تو ذاتی مشاہدات کی بنا پر لکھا تھا، یا یہ کہ انھوں نے ان قدیم مستند ماخذوں سے استفادہ کیا تھا جو اب مفقود ہیں،

سید علی کی "تاریخ کشمیر" میں یوسف شاہ کے دور تک کی کشمیر کی تاریخ ہے، سید علی بیہقی سید تھا اس کی ماں سلطان نازک شاہ کی بہن تھی، اس طرح خاندان شاہ میر سے

ل انڈش اسٹودین ص ۳۶۹، ۲ صوفی جلد اول ص ۸۰ میں لکھا ہے کہ یہ تصنیف محمد شاہ کے عہد حکومت میں لکھی گئی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ محمد شاہ کے جانشینوں اور تمام چک حکمرانوں کا نام یوسف شاہ تک ملتا ہے، اس نسخہ پر کہیں بھی تاریخ تصنیف نہیں لکھی ہے لیکن سید مبارک اور لوہر شاہ کے ناموں کی عدم موجودگی بتاتی ہے کہ یوسف شاہ کے پہلے دور حکومت یعنی اوائل ۱۵۷۹ء میں مکمل کی گئی تھی،

اس کا سلسلہ ملتا تھا، اس کے باپ کا نام سید محمد تھا، جو کشمیر کی لڑائیوں میں مرزا حیدر کے ساتھ رہا تھا، شاید سید علی بھی مرزا حیدر کی ملازمت میں تھا، اور اس کے ساتھ آخری جنگ میں حصہ لیتے ہوئے کام آیا تھا،

سید علی کی تاریخ کے قلمی نسخے اب بہت نایاب ہیں، لیکن میں نے اس نسخہ سے استفادہ کیا ہے، جس کو ابھی حال ہی میں سری نگر کے "شعبۂ تحقیقات و اشاعت،، نے حاصل کیا ہے، افسوس ہے کہ اس نسخہ کے شروع کا حصہ ناقص ہے، اس لیے یہ بتانا مشکل ہے، کہ اس کتاب میں کشمیر کی تاریخ کس عہد سے شروع ہوئی ہے، زیر نظر نسخہ کی ابتدا کشمیر میں سید تاج الدین کی آمد سے ہوتی ہے، جن کو سید علی ہمدانی نے شہاب الدین کے دور حکومت میں صرف یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ کشمیر میں ان کی آمد کے لیے حالات سازگار ہیں یا نہیں، اس کے بعد اس کتاب میں سید تاج الدین کے بیٹے سید حسن کے ان ناقابل یقین کارنامون کا بھی بیان ملتا ہے، جو اس نے شہاب الدین کی ملازمت میں آکر سر انجام دیے تھے، اس کے بارے میں کہا گیا ہے، کہ اس نے نہ صرف دہلی، آگرہ اور لاہور کو فتح کیا، بلکہ فارس، بدخشاں اور کابل اور ہندوستان سے باہر کے کئی علاقون کو زیر نگیں کیا، پھر اس میں سید علی ہمدانی اور ان کے بیٹے سید محمد کی کوششوں کا بھی ذکر ہے، جو انھون نے وادی کشمیر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں کین، اور ساتھ ہی قطب الدین اور سکندر سے ان کے تعلقات کا بھی بیان ہے، سکندر کا جو رویہ اپنے غیر مسلم رعایا کے ساتھ تھا، اس پر بھی اس میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن اس کے عہد حکومت کے سیاسی واقعات کا ذکر نہیں ہے، زین العابدین اور حسن شاہ کے عہد کی تاریخ کی کچھ تفصیل بھی اس میں ملتی ہے، حیدر شاہ کے دور حکومت اور محمد شاہ اور فتح شاہ کی خانہ جنگی کو صرف چند جملون میں لکھ کر ٹال دیا گیا ہے، اس کا سب سے گراں قدر حصہ وہ ہے جس میں کشمیر میں مرزا حیدر کی سرگرمیوں کا حال لکھا گیا ہے، یہ تمام حالات مصنف نے ذاتی مشاہدات سے لکھے ہیں،

خاندان چک کے دورِ حکومت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور اس دور کے ایک متنازع فیہ واقعہ یعنی یوسف عین دار کے قتل کو مختصراً بیان کر دیا گیا ہے، یقیناً ایک تہائی حصہ میں سلاطین کے عہد کے صوفیوں اور ریشیوں کے حالات درج ہیں، جو اس عہد کی مذہبی تاریخ کی حیثیت سے کافی اہم ہیں، سیاسی تاریخ کے لحاظ سے یہ کتاب بہت اہم ہے، کیونکہ کشمیر کی ابتدائی تاریخ پر یہی ایک کتاب ہے، اس کا ماخذ قاضی ابراہیم کی "تاریخ کشمیر" اور دوسری کتابیں ہیں جو اب نایید ہیں، لیکن اس کی اہمیت اس لحاظ سے زیادہ ہے، کہ اس میں مرزا حیدر کی کشمیر میں حکومت سے لے کر اس کی وفات تک کا آنکھوں دیکھا حال ملتا ہے، لیکن سنین اور اہم مقامات کے معلومات کے لحاظ سے یہ کتاب زیادہ اہم نہیں ہے،

تاریخ کشمیر زمانہ قدیم سے لے کر شمس الدین ثانی کے عہد تک کی تاریخ ہے، اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں، یہ سنسکرت اور قدیم فارسی تاریخوں پر مبنی ہے، اور فارسی زبان میں کشمیر کی تاریخ کے قدیم ماخذوں میں سے ہے، یہ ۱۵۹۱ء میں لکھی گئی تھی، اومر (AUMER) کے کیٹلاگ میں اس کی تدوین کی تاریخ ۱۶۲۹ء لکھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس میں محمد شاہ اور فتح شاہ کے عہد حکومت اور کشمیر پر مرزا حیدر کے پہلے حملے کے سنین کے علاوہ کوئی اور سنہ درج نہیں ہے، اس میں سید علی ہمدانی کی وادی کشمیر میں آمد کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ ملک کی معاشرتی اور مذہبی تاریخ کا بہت اہم واقعہ تھا، اس کے علاوہ حیدر شاہ کی وفات کے بعد کے جو واقعات اس میں درج ہیں، وہ بہت گنجلک اور غیر معتبر ہیں، تاہم یہ ماخذ کے لحاظ سے بہت کار آمد ہے، کیونکہ اس میں ان واقعات کا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے، جو بہارستان شاہی اور حیدر ملک کی تاریخ اور دوسری فارسی تاریخوں میں حذف کر دیئے گئے ہیں، میں نے اسی قلمی نسخے سے استفادہ کیا ہے جو MUENCHEN میں

K. Hof UND STAATBIBLIOTHEK کی ملکیت میں ہیں۔ اس کا کوئی دوسرا قلمی نسخہ میرے علم میں محفوظ نہیں ہے،

"بہارستان شاہی،، کے مصنف کا نام معلوم نہیں، یہ دراصل رنچن کی تخت نشینی سے ۱۶۱۴ء تک کی تاریخ ہے، اس میں اسلامی عہد سے پہلے کے واقعات صرف چند صفحات پر لکھ کر ختم دیئے گئے ہیں، اس کے مصنف کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ شیعہ تھا، اور غالباً بیہقی سادات کا ملازم تھا کیونکہ اس نے ان لوگوں کے حالات دوسرے مورخین کے نسبت زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں، اور ان لوگوں کی خدا ترسی شجاعت اور سخاوت کا ذکر خوشامدانہ انداز میں کیا ہے، اس کے ماخذ یون رلج اور تری ورگی تاریخون کے ساتھ ساتھ ملا احمد، ملا نادری، قاضی ابراہیم اور حسن قاری کی فارسی تاریخیں بھی ہیں، اس نے خاندان شاہ میر اور خاندان چک کے حکمرانوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ یا تو اس کے ذاتی مشاہدات ہیں یا بڑے بوڑھوں کی زبانی سنی ہوئی باتیں ہیں،

بہارستان شاہی کا اسلوب بیان مرصع ہے، اس میں الفاظ کی بھرمار ہے، اس میں ہجری سنہ کے ساتھ لوگ سنہ بھی درج ہیں، اس میں خاندان شاہ میر سے لے کر حسن شاہ کے عہد کی مختصر تاریخ ہے، لوہر میں قطب الدین کے خلاف بغاوت ملکہ سورہ کی قائم مقامی اور زین العابدین کے عہد میں خانہ جنگی جیسے کئی اہم واقعات حذف کر دیئے گئے ہیں، سلطان حیدر شاہ کے حالات کو چند سطروں ہی میں بیان کر دینے پر اکتفا کر لیا گیا ہے، اور حسن شاہ کے دور حکومت کے سیاسی واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے، محمد شاہ اور اس کے بعد کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، کشمیر میں مغلوں کی فتح کی تاریخ بڑی وضاحت سے لکھی گئی ہے، یہ مغلوں کے عہد کی لکھی ہوئی تاریخوں کا ایک مفید ضمیمہ ہے، اور آخر الذکر تاریخوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے

اس کا تجزیہ کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، اس کے علاوہ یہی ایک کتاب ہے جس میں یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کی جلاوطنی اور ان کی موت کے حالات کا تفصیلی بیان ملتا ہے، اس لیے اتنے نقائص کے باوجود یہ ایک بہت ہی اہم تاریخی ماخذ ہے،

تاریخ کشمیر مصنفہ حسن بن علی کشمیری، یہ کشمیر کی مختصر تاریخ ہے جس میں ابتدائی دور سے لے کر ۱۶۱۶ء تک کے واقعات درج ہیں، یہ جلال الدین ملک محمد ناجی[1] کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، جو اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کو محفوظ کر دینے کا بہت ہی خواہاں تھا، حسن بن علی اور بہارستان کے مصنف کے ماخذ ایک ہی ہیں، دونوں ایک ہی کمزوری کے شکار ہیں، اس کے علاوہ حسن بن علی نے بعد کے خاندان شاہ میر اور خاندان چک کی تاریخ کو بالکل حذف کر دیا ہے، اور یعقوب شاہ نے اکبر کی جو اطاعت قبول کر لی تھی، اس واقعہ کو سرسری طور پر بیان کر دیا ہے، پھر بھی حسن بن علی نے کشمیر کے سلاطین کے عہد کے حالات کو حسن شاہ کے آخری دور حکومت تک کافی تفصیل سے قلم بند کیا ہے، یہ اس عہد کا قیمتی ماخذ ہے،

کشمیر کی سب سے زیادہ مشہور فارسی تاریخ حیدر ملک کی تصنیف ہے، حیدر ملک کے باپ کا نام حسن ملک تھا، چادورا کا باشندہ تھا، اور وہیں اس کے آباء و اجداد رہتے تھے، حیدر ملک سہدیو کے سپہ سالار رام چندر کی نسل سے تھا، اور اس کے خاندان نے سلاطین کے عہد میں بہت سے نمایاں کام انجام دیئے تھے، وہ حسین شاہ کے لڑکے یوسف خان چک کی ملازمت میں ۴۲ سال تک رہا تھا جب مغلوں نے کشمیر فتح کیا اور یوسف خان ہندوستان میں جلاوطن کیا گیا تو وہاں بھی اس کے ساتھ رہا تھا، پھر جب اکبر نے یوسف خان کو سرکش

---

[1] ... بظاہر یہ حیدر ملک کا دادا ہے، حیدر ملک کی تاریخ میں کمال الدین کی حیثیت سے متعارف ہوا ہے لیکن اس کی تصنیف (ورق ۳ الف) میں وہ جلال الدین کے نام سے موسوم ہے، شاید یہ غلطی کاتب سے سہواً ہو گئی ہے،

سرداروں کی سرکوبی پر مامور کیا تو وہ یوسف خان کے دوش بدوش لڑا تھا، جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد یوسف خان کو بنگال میں جاگیر عطا کی، اور اس کو قطب الدین کے ہمراہ شیر افگن کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا، شیر افگن کے مارے جانے کے بعد حیدر ملک ہی نے شیر افگن کی بیوی مہرالنساء کو اپنے مکان میں پناہ دی تھی، جو آگے چل کر نور جہان کے نام سے مشہور ہوئی، یوسف خان کے انتقال کے بعد حیدر ملک نے جہانگیر کی ملازمت کر لی، جہانگیر نے حیدر ملک کو چغتائی اور رئیس الملک کے خطابات سے نوازا،

حیدر ملک نے ۱۶۱۸ء میں تاریخ کشمیر لکھنی شروع کی تھی، اور ۱۰۳۰ھ مطابق ۱۶۲۰-۲۱ء میں تکمیل کر لی تھی، بہارستان شاہی حسن بن علی کی تاریخ اور اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے ایک ہی ماخذ سے مواد لیا ہے، لیکن حیدر ملک نے ان قدیم روایات کا بھی اضافہ کیا ہے، جو اس کے خاندان میں سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آئی تھیں، اس نے خود ایک نوجوان کی حیثیت سے خاندان چک کے دور حکومت کے بہت سے واقعات کا عینی مشاہدہ کیا تھا، حالانکہ اپنی تاریخ میں وہ کہیں بھی ان واقعات میں شریک ہونے کا ذکر نہیں کرتا، اس کا اسلوب بیان سادہ اور واضح ہے، شہروں اور مقامات کے متعلق اس کے معلومات صحیح ہیں، اگرچہ اس کے لکھے ہوئے سنین قابل وثوق نہیں ہیں جس طرح بہارستان شاہی کے مصنف نے بیہقی سادات کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، اسی طرح حیدر ملک نے بھی اپنے پردادا ملک محمد ناجی کی دانائی اور شجاعت کی مدح سرائی کی ہے، وہ شیعہ تھا، لیکن اس میں تعصب مطلق نہ تھا، اور یعقوب شاہ نے سنیوں کے ساتھ جو غیر رواداری کا برتاؤ کیا اس پر کھل کر تنقید کرتا ہے، خاندان چک کے دور حکومت کے واقعات بالخصوص مغلوں کے حملہ کو روکنے کی جدوجہد کو اس نے تفصیل سے لکھا ہے، جو تاریخی نقطۂ نظر سے

بہت ہی قیمتی ہیں، افسوس کہ حیدر ملک، یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کے ایامِ اسیری اور آخری لمحات کے متعلق وہ کچھ نہ لکھ سکا،

حیدر ملک کی تاریخ کے تین قلمی نسخوں سے میں نے استفادہ کیا ہے، ان میں سے انڈیا آفس والے قلمی نسخہ میں خاندان شاہ میر اور خاندان چک کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے، سری نگر کے شعبۂ تحقیقات اور اشاعت کا نسخہ محض خلاصہ ہے اور پیرس کے Bibliotheque Nationale کا نسخہ اس خلاصہ کا خلاصہ ہے، اور اس کے اکثر سنین اور واقعات کی تفصیل دوسرے نسخوں سے مختلف ہے،

(ب) ہندوستان کی عام تاریخیں،

"طبقاتِ اکبری،، مصنفہ نظام الدین[1]، اس میں کشمیر کی قدیم تاریخ سے اکبر کی فتح کشمیر تک کے حالات پر بھی ایک حصہ (طبقہ) ہے، نظام الدین کے دو ماخذ ہیں" تاریخ رشیدی،، مصنفہ مرزا حیدر، اور" تاریخ کشمیر" لیکن "تاریخ کشمیر،، کے مصنف کے نام سے وہ آگاہ نہیں ہیں اس کے علاوہ چونکہ اس نے سلطنت مغلیہ کے صوبوں کی عام تاریخ میں کشمیر کا ذکر ضمناً کیا ہے، اس لیے وہ بہت زیادہ مفصل نہیں ہیں، اس کے سنین میں بھی نقص ہے، اور اس کتاب میں اس نے جن جن اشخاص اور مقامات کے نام لکھے ہیں، ان کا پتہ چلانا بھی ممکن نہیں،

---

[1] بینی پرشاد اپنے ترجمۂ طبقات اکبری، جلد سوم ص ۴۰۰ پر رقم طراز ہیں، کہ تاریخ کشمیر جس سے نظام الدین نے استفادہ کیا تھا، وہ اصل میں راج ترنگنی،، کا فارسی ترجمہ ہے لیکن یہ کہنا پورے طور پر صحیح نہیں ہے، نظام الدین نے فارسی تاریخوں سے بھی استفادہ کیا ہو گا، کیونکہ اس کے سنین اور دیگر تفصیلات سنسکرت کی تاریخوں سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں، اس کے علاوہ خاندان شاہ میر اور خاندان چک کے عہد کے آخری دور کے حالات جاننے کیلئے کسی فارسی تاریخ کا مطالعہ از بس ضروری تھا کیونکہ شک کے راج ترنگنی ۱۵۹۹ء میں لکھی گئی تھی، اور طبقات اکبری کا مصنف اس سے استفادہ نہ کر سکا ہو گا، طبقات اکبری اور تاریخ کشمیر کے مورخ کے نسخہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ نظام الدین نے بعد کی تاریخوں سے کافی استفادہ کیا ہے،

تاریخ فرشتہ مصنفہ قاسم ہندوشاہ استرابادی المعروف بہ فرشتہ، اس کتاب میں بھی کشمیر پر ایک باب ہے لیکن اس کے مصنف نے طبقات اکبری سے زیادہ استفادہ کیا ہے، اور وہ کوئی نئے معلومات فراہم نہیں کرتا، کشمیر کی زراعت، مذہب اور عمارتوں کے حالات "تاریخ رشیدی" سے لیے گئے ہیں،

منتخب التواریخ مصنفہ عبدالقادر بدایونی، اس میں کشمیر کا کوئی علحدہ ذکر نہیں، لیکن اکبر کے دور حکومت کے حالات کے سلسلہ میں اس کے متعلق کچھ حوالے آگئے ہیں، اس میں اکبر سے خاندان چک کے حکمرانوں کے تعلقات کے متعلق مفید معلومات ملتے ہیں، اس میں کہیں کہیں کشمیر کے صوفیائے کرام اور ارباب علم کا بھی ذکر ہے،

مآثر رحیمی مصنفہ خواجہ عبدالباقی نہاوندی، عبدالرحیم خانخانان کی سوانح حیات ہے، جو ۱۶۱۶ء میں مکمل ہوئی تھی، اس میں بھی ایک حصہ کشمیر کی تاریخ پر ہے، یہ طبقات اکبری سے ماخوذ ہے، اور کوئی مزید معلومات فراہم نہیں کرتی،

مجالس السلاطین مصنفہ محمد شریف النجفی ۱۶۲۸ء میں مکمل ہوئی، یہ ہندوستان کی مختصر تاریخ ہے، اس کتاب کے ایک حصہ میں رنچن کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیل درج ہے، میں نے Br mus Add 30,779 کے اس نسخہ سے استفادہ کیا ہے، جو کشمیر سے متعلق اقتباسات کا انگریزی ترجمہ ہے،

ہفت اقلیم مصنفہ امین احمد رازی، یہ ایک جغرافیائی انسائکلوپیڈیا ہے جس کی تکمیل ۱۵۹۳ء میں ہوئی اس میں مرزا حیدر کی فتح کشمیر کا حال درج ہے، اور بعض کشمیری شعراء، صوفیہ اور سلاطین کے مختصر حالات ہیں، اس میں وادی کشمیر کی شال کی صنعت کا بھی ذکر ملتا ہے،

(ج) مغلوں کی تاریخیں،

اکبر نامہ مصنفہ ابو الفضل، اس میں مرزا حیدر کی حکومت کشمیر کا مختصر لیکن مفید تذکرہ ہے، اکبر نامہ میں کشمیر پر ابو المعالی اور قرا بہادر کے حملوں اور خاندان چک کے ساتھ مغلوں کے تعلقات اور اکبر کا وادی کشمیر کی آخری فتح کا تفصیلی ذکر ہے، اس کے سنین شہروں اور مقامات کے معلومات صحیح ہیں، اور چند فرد گذاشتوں سے قطع نظر اس کے عام بیانات بھی صحیح ہیں، ابو الفضل کی دوسری تصنیف "آئین اکبری" بھی ایک اہم سند ہے، کیونکہ اس سے وادی کشمیر کے مقامی جغرافیہ اور اس کے باشندوں کے حالات زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے،

شہنشاہ جہانگیر کی تصنیف "تزک جہانگیری" میں کشمیر کی تاریخ اور اس کے باشندوں کے عادات و خصائل اور رسم و رواج کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں،

(د) وسط ایشیا کی تاریخیں،

ظفر نامہ مصنفہ شرف الدین علی یزدی، تیمور اور خلیل سلطان کی تاریخ ہے، جو ۱۴۲۴ء ۲۵ میں مکمل ہوئی تھی، تیمور جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا، تو اس وقت سکندر اور تیمور کے جو تعلقات تھے، اس پر خاصی روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں کشمیر کے جغرافیہ اور اس کے باشندوں کا مختصر حال بھی ہے، اسی طرح "ملفوظات تیموری"، میں بھی جس کو خود تیمور کی تصنیف کہا جاتا ہے، سلطان سکندر کے ساتھ اس کے تعلقات اور وادی کشمیر کے مقامی جغرافیہ کا ذکر ملتا ہے،

تاریخ رشیدی مصنفہ مرزا حیدر دوغلت بابر کے خالہ زاد بھائی کی لکھی ہوئی مغلستان اور کاشغر کے منگول حکمرانوں کی تاریخ ہے، یہ کتاب ۱۵۴۶ء میں مکمل ہوئی، مرزا حیدر نے دو مرتبہ کشمیر پر حملہ کیا تھا، ایک بار کاشغر سے ۱۵۲۳ء کے اوائل میں کیا

اور دوسری بار لاہور سے نومبر ۱۵۴۰ء میں کیا، دوسرے حملہ میں فتح یاب ہو کر اس نے وادی کشمیر پر دس سال حکومت کی، اس نے اپنے پہلے حملہ کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے، لیکن اس کے دوسرے حملہ اور اس کے دور حکومت میں کشمیر کے انتظامی امور کا تذکرہ بہت ہی مختصر ہے،

بہر حال مرزا حیدر نے اس کتاب میں کشمیر کی عمارتوں، کھیتی باڑی کے طریقوں، مذہب، فنون، صنعت و حرفت کی بڑی ہی دلکش تصویر پیش کی ہے، بد قسمتی سے اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور کشمیری سرداروں کی بغاوت میں مارا گیا، ورنہ کشمیر کی ایک گرانمایہ تاریخ لکھی ہوئی،

(ہ) سلاطین دہلی کی تاریخیں،

اگرچہ کشمیر اور ہندوستان میں ثقافتی، تجارتی اور سیاسی تعلقات ازمنۂ وسطیٰ ہی سے تھے، لیکن دلی سلطنت کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ خال خال ملتا ہے، "تاریخ مبارکشاہی" مصنفہ یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی میں صرف علی شاہ کاشمیری اور جسرت کھوکر کے درمیان تصادم کا ذکر کیا گیا ہے، "تاریخ داؤدی" اور "تاریخ خان جہانی" میں مرزا حیدر اور کشمیری سرداروں کے ساتھ اعظم ہمایون کے اُس وقت کے تعلقات کا ذکر ملتا ہے، جبکہ اس نے اسلام شاہ کے خلاف بغاوت کی تھی لیکن ان دونوں کتابوں میں یہ بیان غلط ہے، کہ اعظم ہمایون کشمیری فوج سے لڑتا ہوا مارا گیا جب کہ مرزا حیدر بقید حیات تھا، پھر ان کتابوں سے شیر شاہ اور کشمیری سرداروں کے تعلقات کا کوئی ذکر نہیں ملتا،

(و) صوفیائے کرام کے سوانح حیات

خلاصۃ المناقب[1]، سید علی ہمدانی کی سوانح حیات ہے، جو ان کے ایک مرید نورالدین جعفر بدخشی

[1] اس کے علاوہ دوسری تصانیف بھی ہیں جن سے سید علی ہمدانی کی زندگی پر روشنی پڑتی ہے، ان میں سے بعض کا اس باب میں ذکر آگیا ہے، بقیہ دوسری کتابوں کا ذکر [illegible] میں درج ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھو "نعمام سر" ص ۳۳، اور جورنل ایشیاٹک ج [illegible] ص ۲۶۰ وغیرہ

کی تصنیف ہے، لیکن اس میں کشمیر میں سید صاحب کی سرگرمیوں کا کوئی بھی ذکر نہیں ہے، اس کتاب کا جو قلمی نسخہ میرے پیش نظر ہے، وہ ابتداء میں برلن لائبریری میں تھا، لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ ٹوبنگن Tubingen یونیورسٹی کی لائبریری میں منتقل ہو گیا ہے، جس کے لائبریرین نے ازراہ عنایت اس کی عکسی تصویر بھیجدی۔ جعفر بدخشی کی دوسری تصنیف مناقب الجواہر سید علی ہمدانی کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، اس کا سنہ تصنیف ۱۳۷۰ء ہے۔

تحفۃ الاحباب سترہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی تھی، یہ میر شمس الدین کی سوانح حیات ہے، جو کشمیر میں نوربخشیہ مسلک کے بانی ہیں، مصنف کا نام نہیں معلوم ہے، لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس کے والد شمس الدین کے خاص مریدوں میں تھے، اور مصنف خود بھی زبردست قسم کا نوربخشی تھا، وادی کشمیر میں میر شمس الدین کی آمد کے وقت اس کی عمر بہت کم تھی، لیکن ان سے اس کو کافی تقرب حاصل ہو گیا تھا، اس کتاب میں مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے، کہ کس طرح میر شمس الدین وادی کشمیر میں آئے، اور اپنے مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں کون کون سی دشواریاں ان کے سد راہ ہوئیں، اور پھر کس طرح کشمیر اور بلتستان میں ان کو کامیابی نصیب ہوئی، میر شمس الدین کو اسلام کا بڑا علمبردار بنا کر پیش کرنے کے شوق میں مصنف اس کی بت شکنی کے فرضی قصے سنانے سے بھی نہیں چوکا ہے، تاہم اس کی تصنیف گراں قدر ہے، کیونکہ اس میں کشمیر میں اسلام کے فروغ، وہاں کی سیاسی تاریخ اور وہاں کے باشندوں کی معاشرتی زندگی اور عقائد کا تھوڑا بہت ذکر ملتا ہے، اس کتاب کے جس قلمی نسخے سے میں نے استفادہ کیا ہے، وہ کشمیر کے شیعہ مجتہد آغا سید محمد یوسف کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے، آغا سید محمد یوسف میر شمس الدین کی نسل سے ہیں، ۱۹۵۲ء کے موسم گرما میں جب میں کشمیر میں مقیم تھا، انھوں نے اس تصنیف کو میرے حوالہ کر دیا تھا، آغا صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کا ایک اور قلمی نسخہ

ان کے ایک عزیز کے پاس ہے، جو اسکارڈو میں رہتے ہیں،

حلیۃ العارفین شیخ حمزہ مخدوم کی سوانح حیات ہے، جو ان کے ایک مرید خواجہ اسحٰق قاری کی تصنیف ہے، اگرچہ یہ تصنیف زیادہ تر شیخ کی کرامات سے متعلق ہے، لیکن وادی کشمیر کے معاشرتی حالات کا تھوڑا بہت خاکہ اس میں بھی مل جاتا ہے، شیخ حمزہ کی ایک اور سوانح حیات تذکرۃ العارفین ہے، جس کو ملا علی رینا نے ۱۰۰۵ھ میں لکھا تھا، یہ تصنیف اس دور کی معاشرتی اور مذہبی زندگی کے مطالعہ میں کافی مدد دیتی ہے،

مجالس المومنین مصنفہ سید نور اللہ شوستری ممتاز شیعہ اکابرین کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے، اس میں سید علی ہمدانی اور محمد نور بخش کے مختصر حالات زندگی درج ہیں اور یہ بھی درج ہے کہ کس طرح کشمیر اور بلتستان میں محمد نور بخش کی تعلیمات مقبول ہوئیں،

(۳) بعد کی فارسی تصانیف

(الف) کشمیر کی تاریخیں،

تاریخ کشمیر مصنفہ نراین کول عاجز، کشمیری برہمن تھا، اس میں ابتدائی دور سے لے کر کتاب کی تاریخ تصنیف یعنی ۱۷۱۰ء تک کی تاریخ ہے، یہ حیدر ملک کی تاریخ کی تلخیص ہے، اس لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے،

نوادر الاخبار مصنفہ ابا رفیع الدین احمد، کشمیر کی تاریخ ہے، یہ ۱۷۲۳ء میں شاہجہان آباد میں لکھی گئی تھی، مصنف کے آبا واجداد بلخ سے آئے تھے، لیکن خود بید ایشی کشمیری تھا، اس نے ہندوؤں کے دور حکومت کے بیان میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے، لیکن سلاطین کے عہد پر اس نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، بہارستان شاہی اور حیدر ملک کی تاریخ (تا

سے وہ بڑی حد تک مطابقت رکھتی ہے، لیکن ساتھ ہی کشمیر میں مرزا حیدر کے دور کی ترقیوں کے متعلق اس نے کافی نئی باتیں لکھی ہیں، اس کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ سلاطین کے برتاؤ کے متعلق اس نے بہت سی نئی باتیں کہی ہیں، جن میں بعض باتیں صداقت کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں، اس کے سنین غلط ہیں، اس نے یوسف شاہ چک اور حسین شاہ کے لڑکے یوسف خان کو گڈمڈ کر دیا ہے، اور جو کچھ اس نے یوسف شاہ اور یعقوب شاہ (جس کو وہ ہمیشہ یعقوب خان کہتا ہے) کے متعلق لکھا ہے، وہ بھی معتبر نہیں ہے، اس کتاب کی اہمیت صرف اس لیے ہے کہ اس میں وادی کشمیر کے شیعوں کی مذہبی روایات بھی درج ہیں، حالانکہ خانہ جنگیوں کے اسباب میں مذہبی اثرات کا ذکر کرتے وقت مصنف نے ان کی اہمیت ضرورت سے زیادہ دی ہے،

واقعات کشمیر، مصنفہ محمد اعظم، یہ ۱۷۴۷ء میں لکھی گئی، اور پہلے کی تصنیفوں کا خلاصہ ہے، سیاسی تاریخ کے علاوہ اس میں ان صوفیائے کرام اور علمائے عظام کا ذکر ہے، جو کشمیر میں سلاطین کے عہد میں ہوئے،

گوہر عالم مصنفہ بدیع الدین ابو القاسم، ابتدائی دور سے ۱۷۸۶ء تک کی تاریخ ہے، اس کے مصنف نے نور نامہ اور حسن قاری اور محمد اعظم کی تصانیف سے استفادہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس نے کسی نئے واقعہ کا اضافہ نہیں کیا ہے، اس کا اسلوب بیان مشکل اور پُر تکلف ہے، اور کبھی کبھی بغیر سند کے واقعات بیان کر دیتے ہیں،

حشمت کشمیر، مصنفہ عبدالقادر خان، ۱۸۵۰ء میں بنارس میں لکھی گئی، اس کے ماخذ کا تمام تر دار و مدار گوہر عالم پر ہے، اس میں تبت، بدخشاں اور دوسرے ملکوں کے مختصر حالات درج ہیں، حشمت کشمیر کے علاوہ بہت سی دوسری تصانیف بھی ہیں جو انیسوین

صدی میں لکھی گئی تھیں لیکن ان میں صرف پیر حسن شاہ (م ۱۸۹۸ء) کی تصنیف تاریخ حسن کو چھوڑ کر کوئی بھی اہم نہیں ہے، کیونکہ سب کی سب حیدر ملک کی تاریخ کے خلاصے ہیں، تاریخ حسن چار حصوں میں ہے، پہلے حصہ میں کشمیر کا جغرافیہ، مسلمانوں کی بنوائی ہوئی قدیم عمارتیں، اس کے باشندوں کی ذات پات اور مذہبی فرقوں کا ذکر ہے، دوسرے حصہ میں کشمیر کے ابتدائی دور سے لے کر مصنف کے زمانہ تک کی تاریخ ہے، ہندوؤں کے عہد کی تاریخ کلہن کی تصنیف "راج ترنگنی" پر مبنی ہے، اور سلاطین کے عہد کی تاریخ زیادہ تر بہارستان شاہی سے ماخوذ ہے، اگرچہ اس نے حیدر ملک، نظام الدین، ابو الفضل اور دوسرے مصنفوں سے بھی استفادہ کیا ہے، تیسرا حصہ صوفیائے کرام کے سوانح حیات پر مشتمل ہے، جو کہ تذکروں اور مقامی روایات پر مبنی ہے، آخری حصہ میں سلاطین اور مغل شہنشاہوں کے دور میں فارسی شاعری کو جو فروغ ہوا، اس کا ذکر ہے، کتاب کے چاروں حصے بہت مفید ہیں، اور ان کا اسلوب بیان صاف، سادہ اور سلیس ہے،

(ب) مغلوں کے آخری عہد اور مختلف صوبوں کی تاریخیں،

مغلوں کے آخری عہد کی تاریخوں میں صمصام الدولہ کی تصنیف مآثر الامراء کے سوا ایک بھی اہم نہیں ہے، مآثر الامراء میں مرزا حیدر اور ابو المعالی کے کشمیر پر حملے اور آخر میں اکبر کی فتح کی مختصر تاریخ ہے، صوبوں کی تاریخوں کے سلسلہ میں صرف تین کتابوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک احوال کشتواڑ ہے، جس کا سنہ تصنیف ۱۲۸۲-۸۳ھ ہے

Storey, Bibliographical Survey of Persian Literature Vol. I Section ii Fasc 3, PP 684-7 پر ایسی بہت سی تصانیف کا نام درج ہے لیکن یہ سب کی سب حیدر ملک کی تاریخ کے خلاصے ہیں،

دوسری تاریخ راجگان جموں یا راج درشنی ہے، جو ۱۸۱۷ء میں لکھی گئی، اور تیسری کتاب تاریخ رجوری ہے، جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی، ان کتابوں میں وادی کشمیر کا جابجا ذکر ملتا ہے، لیکن ان پر افسانوی رنگ غالب ہونے کی وجہ سے ان کی تاریخی اہمیت زیادہ نہیں ہے، یہ عجیب بات ہے کہ جموں، کشتواڑ اور رجوری عرصۂ دراز تک سلاطین کشمیر کے زیر نگیں رہے، لیکن ان کتابوں میں سوائے سلاطین کے استیلاء کے کوئی ذکر نہیں ہے،

(ج) صوفیائے کرام کی سوانح حیات،

تذکرۂ مشائخ کشمیر مصنفہ بابا نصیب میں نور الدین رشی اور ان کے مریدوں کے وہ کارنامے درج ہیں، جو انھوں نے وادی کشمیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرانجام دیئے تھے، اور ساتھ ہی برہمن پروہتوں اور مسلمان صوفیہ کے درمیان مذہبی مناظروں کی بھی تفصیل درج ہے، ایک دوسری تصنیف "مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر" میں مختصر طور پر رنچن کے زمانہ سے لے کر موسیٰ رینا کے زمانہ تک وادی کشمیر میں اسلام کے فروغ کی تفصیل ہے، ساتھ ہی اس کتاب میں اس دور کے سیاسی واقعات پر مفید روشنی پڑتی ہے، ۱۷۴۸ء ابن عبدالوہاب کی لکھی ہوئی تصنیف فتوحات کبرویہ رنچن کے زمانہ سے اکبر کے عہد تک کشمیر میں اسلام کے فروغ کی تاریخ کو قلم بند کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس میں سلاطین کشمیر کی مختصر تاریخ کے ساتھ سید علی ہمدانی اور ان کے صاحبزادے محمد ہمدانی اور وادی کشمیر کے دوسرے مشائخ کے مختصر حالات زندگی بھی ملتے ہیں، اور دوسرے تذکرے جن میں ضمنی طور پر کچھ تاریخی اور معاشرتی حالات ملتے ہیں، وہ یہ ہیں، اسرار الابرار مصنفہ داؤد مشکواتی (تاریخ تصنیف ۱۶۵۳ء) خوارق السالکین المعروف بہ تاریخ ہادی (تاریخ تصنیف ۹۸-۱۶۶۷ء) نور الدین رشی کی سوانح حیات نور نامہ مصنفہ بابا نصیب الدین غازی

(تاریخ تصنیف ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۳ء) اور تاریخ کبیر۔ مصنفہ معین الدین مسکین جس کی تاریخ اشاعت ۱۹۰۴ء ہے،

(۴) کشمیری ادب اور لوک کتھائیں

کشمیر ازمنۂ وسطیٰ میں کشمیری شعروشاعری کے خزانوں سے معمور تھا، لیکن افسوس ہے کہ امتدادِ زمانہ سے بچ کر اس کا بہت تھوڑا حصہ ہم تک پہونچ سکا، للہ دید کے گیتوں کو بارنٹ (Barnett) اور گریرسن (Grierson) نے یکجا کر کے ترجمہ کیا ہے، نورالدین رشی کا کچھ عارفانہ کلام اور حبہ خاتون کے گیتوں کو جے ایل کول نے مرتب کیا ہے، ان سے ازمنۂ وسطیٰ کی کشمیر کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی پر کچھ روشنی پڑتی ہے، وادی کشمیر کی لوک کتھائیں اور ادبی روایتوں کو لارنس نولس (Lawrence Knowles) گریرسن اور بہت سے دوسرے فرنگی سیاحوں نے یکجا کیا ہے، جن سے کشمیر کے باشندوں کے طور طریقوں اور رسم و رواج کی جھلک ملتی ہے،

(۵) فرنگیوں کے بیانات

خاندان شاہ میر اور خاندان چک کے دور حکومت میں کوئی فرنگی کشمیر میں سیاحت کی غرض سے نہیں آیا، کشمیر کی سرزمین پر قدم رکھنے والے پہلے فادر جیروم زیویر اور بنڈکٹ دی گوز (Benedict de Goes) تھے، جو شہنشاہ اکبر کی معیت میں یہاں ۱۵۹۷ء میں آئے تھے، انھوں نے مفید لیکن سرسری تاثرات چھوڑے ہیں، فرانسسکو پلسرٹ (Francisco Pelsart) کا لکھا ہوا کشمیر کا حال بہت مختصر ہے، لیکن برنیر نے

جو اور تجزیب کے ساتھ وادی کشمیر کی سیاحت کو آیا تھا، بڑی تفصیل سے عوام کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے متعلق لکھا ہے۔ فادر ڈیسیڈیری (Father Desideri) کی فراہم کی ہوئی تفصیلات بہت زیادہ کارآمد ہیں، کیونکہ اس نے کشمیر کی تجارت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور فادر فرایر کا بیان بھی اہم ہے، کیونکہ اس سے عوام کی معاشرتی زندگی پر روشنی پڑتی ہے، فرنگی سیاحوں کے بیانات جنھوں نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں کشمیر کی سیاحت کی تھی، بہت گرانقدر ہیں، کیونکہ وہ سب ملک کی قدیم روایات سے متعلق ہیں، اور بعض ان پرانے مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں، جو اب یا تو ناپید ہیں یا ان کے نام بدل گئے ہیں،

(۶) آثار قدیمہ کے شواہد

اس عہد کی تاریخ میں آثار قدیمہ سے زیادہ شواہد نہیں ملتے، دریافت شدہ سکوں سے صرف سلاطین کے نام اور لقب کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان کی تاریخی حیثیت غیر اہم ہے، دوسری طرف آثار قدیمہ کے باقیات بھی معدودے چند ہیں جن میں زیادہ تر سلاطین کے تعمیر کردہ محلات، مساجد، خانقاہیں، خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں میں برباد گئیں، سلاطین کے مزار اور مقبرے اور موتی مسجد کو چھوڑ کر جن کی حالت بڑی خستہ ہے، بقیہ جتنی عمارتیں ہیں، وہ یا تو دوبارہ تعمیر کرائی گئی ہیں، یا بعد میں ان کی پوری مرمت کردی گئی ہے، کچھ کتبے بھی دریافت کیے گئے ہیں، لیکن ان سے معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا،

دوسرا باب (۲)

کشمیر کا جغرافیہ

کشمیر کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ پر اس کے جغرافیہ کا بہت گہرا اثر پڑا ہے، صدیوں سے وادی کشمیر کے دریاؤں، چشموں، زمین اور آب و ہوا نے یہاں کے باشندوں کی سیرت اور زندگی کو ڈھالنے میں بڑا اہم پارٹ ادا کیا ہے لیکن ملک کی تاریخ پر زیادہ براہ راست اثر ان عظیم پہاڑوں کا ہے، جو ایک فصیل کی طرح اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔[۱] ان پہاڑوں سے وادی کشمیر کے دریا اور چشمے نکلتے ہیں، یہی پہاڑ بارش اور زرخیزی یہاں تک کہ سیلاب اور قحط سالی کے ذمہ دار ہیں، یہی پہاڑ عرصۂ دراز تک بیرونی حملوں سے بچاتے رہے، اور ان ہی نے کشمیر کو ایک نمایاں انفرادیت کی تاریخی حیثیت بخشی ہے۔[۲]

رقبہ اور حدود کشمیر مغربی ہمالیہ میں سطح سمندر سے تقریباً ۶ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس کی بناوٹ ایک بڑی، ناہموار اور بیضاوی شکل کی ہے، اس کے بیچ میں اسی طرح کی ناہموار وادی ہے، جو چاروں طرف سے پہاڑوں کے سلسلہ سے گھری ہوئی ہے، ملک کا ہموار علاقہ تقریباً ۸۴ میل لمبا ہے، جو جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف چلا گیا ہے،

۱؎ اسٹائن، راج ترنگی مصنفہ کلہن ج ۲ ص ۳۹۰ ۲؎ ایضاً دیباچہ ج ۱ ص ۳۰،

البتہ اس کی چوڑائی ۲۰ سے ۲۵ میل تک ہے، اس کا رقبہ ۱۰ ہزار مربع میل کے قریب ہے، یہ پورا علاقہ اونچے پہاڑوں کے سلسلہ سے گھرا ہوا ہے، اور اگر ان پہاڑوں کی چوٹیوں سے ناپا جائے، تو ناہموار بیضاوی شکل کی لمبائی ۱۱۶ میل ہوگی، اور چوڑائی ۴۵ سے ۲۵ میل تک ہوگی، اسی طرح پہاڑی علاقہ کے کل رقبہ کا تخمینہ تقریباً ۳۹۰۰ مربع میل کیا گیا ہے،

کشمیر میں تین خاص پہاڑی سلسلے ہیں، ان میں سب سے اہم پیر پنجال کا سلسلہ ہے، جو ۵۰ سے ۲۰ میل تک چوڑا ہے، اور وادی کشمیر کی جنوبی اور جنوب مغربی حد ہے، یہ سلسلہ ملک کے اُس جنوب ترین علاقہ سے شروع ہوتا ہے، جہاں پر درہ بانہال ۹۲۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اتنا نشیب کہیں اور نہیں ہے، یہ سلسلہ مشرق سے مغرب کی طرف ۵۰ میل تک چلا گیا ہے، پھر شمال، شمال مغرب کی طرف مڑ جاتا ہے، پھر اسی سمت میں ۵۰ میل کے بعد اس کی سب سے اونچی چوٹی ٹاٹ کوٹی (۱۵۵۲۴۰ فٹ) ہے، جہاں سے پہاڑ جہلم کی طرف ڈھلو ہو جاتے ہیں،

ہمالیہ پہاڑ کا درمیانی سلسلہ وادی کشمیر کی شمال مشرقی حد ہے، اور یہی پہاڑ دریائے جہلم اور دریائے سندھ کو ایک دوسرے سے الگ رکھتے ہیں، مشرقی حد کا کام اس سلسلہ کا ایک طرف کو نکلا ہوا حصہ کام دیتا ہے، جو درہ زوجی لا کے مشرق جنوب مغرب میں تقریباً دس میل کے فاصلہ پر شروع ہو کر جنوب کی طرف چلا جاتا ہے، اس سلسلہ کی چوٹیاں بارہ ہزار سے چودہ ہزار فٹ تک اونچی ہیں، یہ دریائے جہلم اور دریائے چناب کا فاصل آب ہے، اور کشمیر کو وادی مارود روان سے علحدہ کرتا ہے، اس کے بعد پہاڑ کا یہ سلسلہ شمال مغرب کی طرف مڑ جاتا ہے، اور درہ بانہال کے پاس پیر پنجال سے مل جاتا ہے،

وادی کاشمیر کے شمال اور شمال مغرب میں پہاڑوں کا ایک بڑا سلسلہ، درہ زوجی لا کے

پاس جہاں سے مشرقی حد شروع ہوتی ہے ایک چھوٹا پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے، جو تقریباً ۱۰۰ میل مغرب کی طرف چلا گیا ہے، اس کی بلندی ۱۲ سو فٹ سے ۱۳ سو فیٹ تک ہے اور چوڑائی ۱۲ میل سے ۲۴ میل تک ہے، یہ پہاڑ شمال سرحد کا کام دیتا ہے، اور جنوب کی طرف سے جہلم کو اس کے اہم معاون دریا کشن گنگا سے الگ کرتا ہے، ۷۵ ڈگری ۵ منٹ مشرق سے یہ پہاڑ جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے، اور آگے جاکر کاج ناگ چوٹی سے مل جاتا ہے، جو بارہ مولہ سے شمال مغرب میں ہے، یہی وادی کشمیر کی شمال مغربی حد بھی ہے، اس پہاڑی سلسلہ میں صرف ایک ہی تنگ راستہ ہے، یہ راستہ بارہ مولہ کی تنگ گھاٹی ہے، جس سے ہوکر جہلم پنجاب کے میدانوں میں پہنچا ہے، اور پھر سمندر میں مل جاتا ہے،

وادی کشمیر کے طبعی حدود بڑی حد تک اس کی سرحد کا کام دیتے ہیں، لیکن ملک کی وسعت کے متعلق زیادہ معلومات کے لیے اس کے چاروں طرف کے علاقوں کے متعلق کچھ جان لینا مفید ہوگا،

اس کے جنوب مشرق میں وادی کشتواڑ ہے، جو بالائی چناب کے علاقہ میں واقع ہے، یہاں کے حکمرانوں اور کشمیر کے سلاطین میں شادی بیاہ ہوتے تھے، اور وہ سلاطین کے محکوم بھی تھے، دریائے چناب کے زیرین علاقہ میں ضلع بھدرواہ ہے، پیر پنجال کے جنوب میں چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستیں تھیں، جن میں باغی کھس لوگ آباد تھے، یہ ریاستیں کشمیر کی باج گذار تھیں، جنوب مغرب میں رجوری کی اہم پہاڑی ریاست تھی، جو توہی اور

ملہ یہ جہلم پر آباد ایک شہر ہے جس کا عرض البلد ۱۳ ر ۴۲ ۱۴ اور طول البلد ۲۳ ر ۲۴ ہے، سری نگر کے مغرب میں ۲۴ میل پر واقع ہے،

اس کے معاون دریاؤں کی وادی پر مشتمل تھی، رجوری کے شمال مغرب میں پونچھ کی مملکت تھی، اور اس کے شمال مغرب میں جہلم کی وادی تھی، پرانے زمانے میں یہ کشمیر کا دور افتادہ ضلع سمجھا جاتا تھا، اور اس کی حد بلیاس تک تھی، اس سے اور مغرب میں پکھلی[1] کا ضلع تھا، وادی کشمیر کے شمال مغرب میں کرناؤ کا علاقہ تھا، یہاں کھشس لوگ آباد تھے، اور ان کے سردار کشمیر کے طاقت ور حکمرانوں کے زیر اقتدار تھے، شمال میں کشن گنگا کی وادی ہے جس میں درد قبیلے[2] کے لوگ آباد تھے، مشرق میں تبتستان اور لداخ ہے، جس میں تبتی نسل کے لوگ آباد ہیں، جنوب میں بانہال کے جل کر وادی کے مشرق میں پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ایک لمبی اور تنگ وادی ہے، جو مارودوان کہلاتی ہے،

مقامی جغرافیائی حالات وادی کشمیر کے دو حصے ہیں، ایک جہلم اور اس کے خاص معاون دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے بنا ہوا میدان ہے، اور دوسرا حصہ سطح مرتفع اور کریوہ پر مشتمل ہے،

دریائے جہلم سے وادی کشمیر کی جھیلوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے اندرونی نشیب کا پانی نکلتا ہے جو وادی کے جنوب مشرقی حصہ کو سیراب کرنے والی بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں مثلاً ساندرن، برنگ، آریٹھ اور لیدر کے ملنے سے بنتا ہے، یہ سب ندیاں اننت ناگ کے پاس والے میدان میں ملتی ہیں، کھنہ بل[3] سے دریائے جہلم کشتی چلانے کے قابل ہو جاتا ہے،

---

[1] یہ ضلع ان پہاڑی علاقہ پر مشتمل تھا، جو مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے جس میں دریائے کشن گنگا کی زیریں وادی اور کشن گنگا میں ملنے والے چشموں کی وادی شامل تھی (تفصیل کے لئے دیکھو استائن ج ۲ ص ۳۹۳)

[2] درد قبیلے کے لوگ علاقہ چترال، یاسین، گلگت، چیلاس، ہنجی، اور کشن گنگا کی وادی میں آباد ہیں (تفصیل کیلئے دیکھو استائن جلد اول دیباچہ ص ۹۱ جموں اور کشمیر مصنفہ ڈریو ص ۲۲۰، ۴۲۷ وغیرہ) [3] یہ وادی کا شمیر کا دوسرا بڑا شہر ہے، اس کا عرض البلد ۳۳٫۴۴ اور طول البلد ۱۲٫۷۵ ہے، اس کا نام اسلام آباد ہے،

اور بارہ مولہ تک جس کا فاصلہ ۱۰۲ میل ہے، کشتی چلائی جاسکتی ہے، اس طرح جہلم کشمیر کا سب سے اہم راستہ ہے، کھنہ بل سے بڑا میدان شروع ہوتا ہے، دریا کے دونوں طرف بارہ مولہ تک چلا جاتا ہے، جہلم کے چکر دار راستہ میں بہت سی ندیاں آکر ملتی ہیں، لیکن سری نگر پہنچنے سے پہلے یہ شہر کے مشرق میں ایک بڑی جھیل ڈل سے مل جاتا ہے، جھیل کا زائد پانی ایک نہر سے ہوکر جہلم میں آتا ہے، یہ نہر آب چھونٹھ کل کہلاتی ہے، لیکن زمانہ قدیم میں اس کا نام مہا سرت[۱] تھا،

ایک بڑی ندی جس کو دودگنگا کہتے ہیں جس میں جنوب مغربی پہاڑوں کا پانی آکر ملتا ہے، جہلم کے بائیں کنارے سے سری نگر کے پاس آکر ملجاتی ہے، سری نگر کے بالکل نیچے دریا کے دونوں کناروں پر دور تک پھیلے ہوئے، دلدل کا سلسلہ ہے، جنوب کی طرف جو دلدل ہے، وہ زیادہ دور تک پھیلا ہوا ہے، اور دریائے سندھ کا ڈیلٹا ہے، یہ وادی کشمیر میں دریائے جہلم کا سب سے بڑا معاون دریا ہے، اور زوجیلا اور امرناتھ کی چوٹی کے پاس سے نکلتا ہے، اس کی لمبائی ۷۰ میل سے زیادہ ہے، اور شمال میں پہاڑوں کے سلسلہ کے پانی کا مخرج یہی ہے، ضلع لارو لادی سندھ میں واقع ہے، اور وادی کشمیر کے جنوبی حصہ کا ایک خاص سب ڈویژن ہے، دریائے سندھ جہلم سے شادی پور گاؤں[۲] کے پاس آکر ملتا ہے، یہ دریائے جہلم شمال مغرب کی سمت بہتا ہوا ولر جھیل سے جاکر مل جاتا ہے، پھر جھیل کے جنوب مغربی کنارے سے باہر نکلتا ہے، یہاں سے بارہ مولہ تک اس میں کئی ندیاں آکر ملتی ہیں جن میں سے خاص لوہر ندی ہے، جو

---

۱ اسٹائن جلد دوم ص ۴۱۷ ۲ یہ عرض البلد ۱۱ ر ۳۴ ۱۳ اور طول البلد ۳ ر ۷۴، ۴۷، پر واقع ہے، یہ اصل میں شہاب الدین پور کا مخفف ہے جو اسکے بانی سلطان شہاب الدین کے نام پر رکھا گیا تھا، (دیکھو میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۶ ب اور اسٹائن ج ۲ ص ۲۲۹، حاشیہ،

وادی لولاب کو سیراب کرتی ہے، اور ڈانگام کے مقام پر دریا کے دھارے سے مل جاتی ہے، جو سوپور[۱] سے چار میل نیچے کی جانب واقع ہے، سری نگر سے اوپر کی طرف یہ دریا اپنے ہموار راستے پر چکر لگاتا ہوا بارہ مولہ تک چلا جاتا ہے، جہاں سے دریا کی گھاٹی شروع ہوتی ہے، یہاں سے کشتی رانی ناممکن ہو جاتی ہے، کھن بل سے وُلر جھیل تک دریا کا اتار تیس میل تک ۱۶۵ فٹ ہے، اور بقیہ ۲۴ میل میں ۵۵ فیٹ ہے، لیکن وُلر جھیل سے بارہ مولہ تک تاہ بہت کم ہے،

عام طور سے دریائے جہلم اپنے اونچے اونچے کناروں کے بیچ آہستہ آہستہ بہتا ہے، لیکن سیلاب کے دنوں میں یہ صرف کناروں سے اوپر نہیں بہنے لگتا، بلکہ اس کا پانی مصنوعی بند کے اوپر جو اس کے دونوں طرف بنائے گے ہیں، چڑھ جاتا ہے، اس سے فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے، مکان برباد ہو جاتے ہیں، اور جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، سری نگر سے نیچے کی طرف سیلاب سے زیادہ نقصان ہوتا ہے کیونکہ یہاں پر نشیب بہت کم ہے، اور سیلاب کا پانی کھیتوں میں لگا رہتا ہے، اور فصلوں کو برباد کر دیتا ہے، لیکن سری نگر سے اوپر زمین میں نشیب کی وجہ سے سیلاب کا پانی جلدی سے نکلتا ہے، اس طرح اکثر فصلیں خراب ہونے سے بچ جاتی ہیں،

کشمیر میں بے شمار خوبصورت جھیلیں اور چشمے ہیں جھیلوں میں سب سے زیادہ اہم ولر اور ڈل ہیں، ولر جھیل ہندوستان میں تازہ پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے، جو ۱۲½ میل لمبی اور پانچ میل چوڑی ہے، اس میں بہت سے چشموں کا پانی آتا ہے، اور جنوب کی جانب

---

[۱] یہ جہلم کے دونوں کناروں پر عرض البلد ۱۷ ، ۳۴ اور طول البلد ۳۱ ، ۷۴ پر واقع ہے، اس کا قدیم نام سوئیا پور تھا، اور راونتی ورمن سوئیا نے اس کی بنیاد ڈالی تھی،

دریائے جہلم بھی اس میں سے ہو کر گذرتا ہے، اس کے کنارے غیر معین ہیں، اور اس میں میلوں تک پھیلا ہوا دلدل شامل ہے، جس میں نرسل اُگتے ہیں، اور سیلاب کے زمانے میں اس کا پانی میلوں تک پھیل جاتا ہے، کشمیر کے ملاح اس بات سے عام حالات مین بھی بہت ڈرتے ہیں، کیونکہ جھیل کی خاموش سطح سے تیز موجین اُٹھنے لگتی ہین، جو یہان کی چپٹی تہ والی کشتیوں کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں، بہر نوع اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جہلم کی لائی ہوئی زرخیز چکنی مٹی پنجاب کی طرف بہنے سے رہ جاتی ہے،

ڈل جھیل جس کی لمبائی ۴ میل اور چوڑائی ۲ میل ہے، سری نگر کے قریب مشرق کی جانب واقع ہے، اس کا پانی صاف شفاف اور ریشم کی طرح نرم ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی پشمینہ کے لیے خاص طور سے موزوں ہے جس سے کپڑے کا رنگ پکا اور چمک دار ہو جاتا ہے[1]، وُلر کی طرح ڈل جھیل میں بھی کافی قدرتی پیداوار ہوتی ہے، کشمیر میں اور بھی کئی جھیلیں ہیں، منس بل اور انچر ڈل لیکن وہ وُلر اور ڈل کی طرح اہم نہیں ہیں،

کشمیر کے پہاڑی دریاؤں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کی طرح یہان کے چشمے بھی آب پاشی کے کام آتے ہیں، ان میں سے ملک ناگ کے پانی میں گندھک ملی ہوئی ہے، اور باغبانی کے لیے اس کا پانی بہت اچھا سمجھا جاتا ہے، کوکرناگ کے چشمے کا پانی پینے کے لیے اولیت کا درجہ رکھتا ہے، اننت ناگ کے شہر کے آس پاس بے شمار چشمے ہیں، جن سے کئی چھوٹی ندیان نکلتی ہیں، سب سے خوبصورت چشمہ اچھ بل کا ہے، جو سوسن اور پہاڑوں سے نکلتا ہے، جموں کے راستے میں دیرناگ دوسرا اہم چشمہ ہے، کشمیر کے لوگ ان چشموں کو مقدس تصور کرتے ہیں، کیونکہ ان کا پانی گرمی میں ٹھنڈا اور

---

[1] ہیرس جر دس "یہ کشمیر ہے" ص ۱۳۸

اور سردی میں گرم رہتا ہے،

پہاڑوں کے درمیانی میدان کے علاوہ کشمیر میں اور بہت سی دوسری وادیاں ہیں، جن کو جہلم کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں، جو ملک کی کل مزروعہ زمین میں اضافہ کا باعث ہیں، پہاڑی نشیب میں جہاں کاشت ممکن نہیں ہے، جنگل ہیں، اور اس سے اوپر اونچی چراگاہیں، قرون وسطیٰ میں ان ہی ذیلی وادیوں میں بڑی اہم جنگیں ہوئی تھیں،

وادی کشمیر کا دوسرا حصہ اونچی زمین پر مشتمل ہے، جس کو کشمیری زبان میں اُڈر کہتے ہیں، اور فارسی اور سنسکرت کے تذکروں میں ان کو بالترتیب[۱] کریوہ اور اُڈار کہا گیا ہے، ماہرین طبقات الارض کے خیال میں یہ کریوہ زرخیز مٹی کے اکٹھا ہو جانے سے بنے ہیں، یہ یا تو الگ سے بن جاتے ہیں، یا پھر ان کا تعلق اُن پہاڑوں کے نشیب سے ہے، جو وادی کشمیر کو گھیرے ہوئے ہیں، یہ وادی کی عام سطح سے ۱۰۰ سے ۳۰۰ فٹ تک اونچے ہوتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر جنوب مغرب کی جانب شوپیان[۲] سے بارہ مولہ تک پھیلے ہیں، سوپور کے آگے وادی کے جنوب مغربی کنارے پر ساری زمین کریوہ ہی پر مشتمل ہے، یہ کریوہ شمال مشرق اور جنوب مشرق میں بھی پائے جاتے ہیں، جو کریوہ پہاڑوں سے ملحق ہیں، ان پر اوپر سے راستہ بنا کر لائے ہوئے پانی سے کاشت کی جاتی ہے، لیکن مٹی خراب ہونے کی وجہ سے زمین زرخیز نہیں ہے، جو کریوہ سے الگ ہیں، وہ بالکل بنجر ہیں، اور ان پر چھوٹے جنگل اُگتے ہیں، اور اگر ان پر کاشت ہوتی بھی ہے، تو بارش کی بے یقینی اور آب پاشی کی دقتوں کی وجہ سے فصل بہت معمولی ہوتی ہے، ان میں سے کچھ کریوہ اپنی اونچائی اور خاص اہمیت کی وجہ سے سخت جنگ وجدال کے مرکز رہ چکے ہیں

---

[۱] اسٹائن ج ۲ ص ۴۲۵ [۲] یہ قصبہ جنوب مغرب میں عرض البلد ۴۴ ر ۳۳ اور طول البلد ۵۳ ر ۷۴ پر سری نگر سے ۲۹ میل پر واقع ہے،

درے، وہ پہاڑی دیواریں جو وادیٔ کشمیر کو گھیرے ہوئے ہیں کئی مقامات پر کٹی ہوئی ہیں جس سے بیرونی دنیا سے رابطہ رکھا جاتا ہے، یہاں پر صرف اُن درّوں کا ذکر ہوگا، جو ماضی میں تجارتی اور فوجی اہمیت کے حامل رہ چکے ہیں، پنجاب کی طرف جانے والے وہ راستے جو پیرپنجال کو پار کرتے ہیں، کشمیر کی تاریخ پر ان کا بہت اثر ہے، زوجی لا سے ہوکر مشرق کی طرف جانے والا راستہ بھی ہمیشہ سے بہت اہم رہا ہے، کیونکہ یہ کشمیر کو لداخ اور پھر تبت، ترکستان اور چین سے ملاتا ہے، البتہ ہمالیہ سے ہوکر شمال اور شمال مغرب کی طرف جانے والے راستے تاریخی لحاظ سے ملک کے لیے کوئی خاص اہم نہیں رہے ہیں،

درۂ بانہال (۹،۲۰۰ فٹ) سلسلہ پیرپنجال کی آخری مشرقی حد پر واقع ہے، کم اونچائی پر ہونے کی وجہ سے یہ ہمیشہ بالائی چناب اور پنجاب کی مشرقی پہاڑی ریاستوں کے لیے، آمد و رفت کا آسان راستہ رہا ہے، یہ درہ پیرپنجال سے ہوکر گذرنے والا ہی ایسا راستہ ہے، جو کبھی برفباری کے سبب سے مکمل طور پر بند نہیں ہوتا، اسی راستہ سے ریاست جموں جیسا کہ آج بھی ہے، کشمیر[1] سے منسلک ہوئی، دسمبر اور اس کے دو مہینے بعد تک اس میں گھوڑے نہیں جاسکتے، جموں اور سری نگر کے درمیان ۱۷۰ میل کا فاصلہ ہے[2]،

درۂ سدئو یا بودل (۱۴،۴۰۰ فٹ) اکھنور اور سیالکوٹ کو ایک خط مستقیم کی شکل میں ملاتا ہے، اونچی پہاڑیوں پر ہونے کی وجہ سے اس پر صرف پیدل چلا جاسکتا ہے لیکن مسافت تھوڑی ہونے کی وجہ سے یہ کشمیریوں میں بہت مقبول راستہ رہا ہے، اس درے کا نام سداؤ، اس گانوں کے نام پر رکھا گیا، جو کشمیر میں داخل ہوتے ہی پڑتا ہے، سری در

---

[1] اسی راستہ سے یعقوب ثرفی اور دوسرے کشمیری یعقوب شاہ کے خلاف دادخواہی کے لیے اکبر کے دربار تک پہونچے (فتوحات کبرویہ ورق ۱۲۱ الف، ب) [2] جموں اور کشمیر ص ۵۲۴، از ڈریو

اس کا نام "سیدھ دیش" بتاتا ہے، جو کلہن کے "سدھ مٹھ"[1] سے لیا گیا ہے، اس راستہ سے نگری نگر[2]
سے جموں ۱۲۹ میل ہے،

درہ سیداؤ سے ذرا مغرب کی طرف ہٹ کر، جہاں سے پہاڑ کا سلسلہ شمال، شمال مغرب کی جانب مڑ جاتا ہے، مغرب کی طرف ایک اور چھوٹا سا پہاڑی سلسلہ ہے، جس کو رتن کہتے ہیں، اس کے اوپر ردپیری اور درہال کے درے (۱۳۰۰۰ فٹ) ہیں، یہ رجوری جانے کے لیے سب سے سیدھا راستہ ہے، اور گرمی کے زمانہ میں ان کو پار کرنے میں کوئی زیادہ زحمت نہیں ہوتی، ماضی میں ان کا استعمال اکثر ہوتا ہوگا،

درہ پیر پنجال[3] (فٹ ۱۱۴۰۰) سے رجوری اور پونچھ کے دریائے توہی کی وادیوں کی طرف ایک سیدھا راستہ ہے، جس سے وسطی اور مغربی پنجاب کو سیدھی سڑکیں جاتی تھیں، ہیراپور[4] رجوری اور اس کے قریب کے مقامات سے کشمیر جانے والوں کے لیے داخلہ کا راستہ اور کشمیر سے رجوری جانے والوں کیلئے یہ بیرونی راستہ تھا، پنجاب سے کشمیر جانے والے بھمبر ہی سے روانہ ہوتے تھے، سلاطین کے زمانہ میں اس راستہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی اس کی جغرافیائی اہمیت کی بنا پر فتح کشمیر کے بعد اکبر نے اسی کو شاہی سڑک بنانے کے لیے منتخب کیا، جو کہ لاہور اور کشمیر کو ملاتی ہے، یہ راستہ سال میں سات مہینے کھلا رہتا تھا،
مغلوں کی تعمیر کردہ قدیم شاہی سڑک جو پیر پنجال کے پار جاتی ہے تنگ وادی

---

[1] اسٹائن ج ۲ ص ۴۰۳، ۴۳۳ و ۳ حاشیہ، [2] ڈریو جموں اور کشمیر، ص ۵۲۴ [3] ٹمری در ص ۱۵ ۱۲ اس کو پنجال دو کہتا ہے، یہ پیر پنجال کے برابر ہے، کیونکہ پیر دلو کا قریب ترین مترادف ہے ار دیکھو آسٹائن ج ۲ ص ۳۹۷-۸ [4] ... دیہ کے جنوب مغرب میں ۴ میل پر واقع ایک گاؤں ہے، جس کا عرض البلد ۱۳'۳۳ در طول البلد ۴۴'۷۴ ہے ٹمری در اس کو شورہ پور کہتا ہے،

میں اتمر نے کے بعد پیر پنجال ندی کے اوپر بائیں جانب چلی گئی ہے، لیکن علی آباد کی سرائے کے قریب ایک پہاڑی سلسلہ جنوب کی طرف سے آتا ہے، اور وادی کی طرف جا کر ایک کھڑی چٹان بن جاتا ہے، یہ پہاڑی سلسلہ ہستی ونج کہلاتا ہے، شاہی سڑک کی تعمیر سے پہلے قدیم راستہ ہستی ونج سے ہو کر گذرتا تھا، اور پیر پنجال ندی کے داہنے کنارے کے ساتھ ساتھ جاتا تھا، پیر پنجال کے راستہ کی تعمیر سے پہلے یہی راستہ لشکری اپنے کوچ کے لیے استعمال کرتے تھے، اکبر کا فوجی سردار قاسم خان کشمیر میں اسی راستہ سے داخل ہوا تھا،

درہ توش میدان کا راستہ اپنی طبعی اوصاف کی بنا پر بہت اہم تھا، یہ وادی پونچھ جانے کے لیے سب سے قریبی راستہ تھا، اس طرح یہ مغربی پنجاب کے اُس منطقہ سے جو جہلم اور سندھ کے درمیان ہے، قریب تر تھا، اسی راستہ سے ہوانگ سانگ پونچھ آیا تھا، اور محمود غزنوی نے بھی اسی راستہ سے کشمیر پر فوج کشی کی تھی جہلم ویلی سڑک بننے سے قبل یہی سب سے عام راستہ تھا لیکن زیادہ بلندی پر ہونے کی وجہ سے یہ پیر پنجال کے راستے کے مقابلہ میں اکثر برفباری کی وجہ سے زیادہ بند رہتا تھا، سردی کے مہینوں میں پونچھ سے کشمیر کا راستہ مغرب میں نچلے دروں سے ہو کر جاتا تھا، جو کہ وادی میں بارہ مولہ تک چلا جاتا تھا،[۱]

وادی جہلم بارہ مولہ سے آگے دو پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے جنوب کی طرف پیر پنجال کے سلسلہ کی ایک شاخ ہے، اور شمال میں وہ پہاڑی سلسلہ ہے، جو کاج ناگ چوٹی (۱۴۴۰۰ فٹ) پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، یہ دونوں پہاڑی سلسلے دریا کے ساتھ ۸۰ میل مغرب کی طرف مظفر آباد تک چلے گئے ہیں، تنگ گھاٹی، ناہموار اور سیدھے ڈھلوان اور آڑے ترچھے پہاڑی سلسلہ کی وجہ سے یہ راستہ دشوار گذار تھا، اس لیے ماضی میں اسکی

---

[۱] استان ج ۲ ص ۳۹۵ [۲] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۴۷ وغیرہ

فوجی اور تجارتی اہمیت پیر پنجال اور توش میدان کے راستوں سے کم رہی ہوگی، افغانیوں کے کشمیر پر قبضہ کر لینے کے بعد سے اس راستہ کی اہمیت واقعۃً بڑھی کیونکہ یہ راستہ ضلع ہزارہ اور صوبہ سرحد کو جاتا تھا، جو اب مغربی پاکستان میں ہے، یہ راستہ جہلم سے کشمیر کی طرف دریا کے داہنے کنارے کے ساتھ چلا گیا ہے، اور کہیں بھی اس کو پار نہیں کرتا، چونکہ یہ راستہ زیادہ بلندی پر نہیں ہے، اس لیے سردی کے ایام میں برف باری سے محفوظ رہتا ہے، اور ملک کی تقسیم تک پنجاب سے کشمیر جانے کے لیے بھی آسان راستہ تھا، یہ ایران اور مغربی ترکستان سے کشمیر کی تجارت میں بھی کام آتا ہوگا، ہوانگ سانگ اور اوکانگ مغرب سے کشمیر میں اسی راستے داخل ہوئے تھے، اور اسی راستہ سے ایران اور ترکستان کے بہت سے علماء اور صوفیہ وادیِ کشمیر میں وارد ہوئے تھے،

اتنا یاد رہے کہ وادیِ جہلم کے بائیں طرف جہاں اب مری بارہ مولہ سڑک ہے، پہلے کوئی سڑک نہیں تھی، وادی میں نیچے کی طرف دو منزل کے بعد اوری کے پاس ایک اچھا راستہ ہے، جو درۂ حاجی پیر (۸۵۰۰ فٹ) سے ہوکر پونچھ کو جاتا ہے، اس کی بلندی کچھ زیادہ نہیں ہے، اس لیے یہ برفباری سے کبھی بند نہیں ہوتا، سردی کے ایام میں اس کا استعمال زیادہ ہوتا تھا، کیونکہ پیر پنجال اور توش میدان اور دوسرے درون سے ہوکر گذرنے والے قریب کے راستے ان دونوں ناقابلِ گذر ہو جاتے ہیں،

درۂ مربل (۱۱۵۷۰ فٹ) کشمیر کو کشتواڑ سے ملاتا ہے، اس درے سے گذرنے کے بعد دریائے ورددان اور دریائے چناب کو رسیوں کے پل کے ذریعہ پار کرنا ہوتا ہے، یہ راستہ سردیوں میں بند رہتا ہے،[1]

---

[1] ڈریو "جموں اور کشمیر" ص ۳-۵۳۲،

درہ زوجی لا (۱۱۳۰۰ فٹ) ہمیشہ سے اہم شارع عام رہا ہے، یہ کشمیر کو لداخ اور اور چین سے ملاتا ہے، لداخ سے بلتستان اور کوہ قراقرم کے اس پار چینی ترکستان کو بھی راستے ہیں، رنچن درہ زوجی لا سے ہی کشمیر میں داخل ہوا تھا، اور اسی راستہ سے مرزا حیدر دوغلت نے پہلی بار کشمیر پر حملہ کیا تھا، اسی راستہ سے کشمیر نے چین اور ترکستان سے تجارتی اور ثقافتی روابط برقرار رکھے،

کشمیر کے شمال مغرب اور شمال میں جو پہاڑی سلسلہ ہے، اس میں کئی درے ہیں، جو وادی کشمیر کو وادی کشن گنگا سے ملاتے ہیں، جو اکثر کشمیر کے حکمرانوں کے زیر نگین رہ چکا تھا، لیکن ان دروں کے اوپر سے جاتے والے راستے ان کی دروں کی طرح جن کا بیان اوپر آچکا ہے، اہم نہیں تھے، بہر حال وہ راستہ ضرور اہم ہے، جو وادی کشمیر سے اوپر کشن گنگا کے اس حصہ کو جاتا ہے جس کو گریز کہتے ہیں، اور استور اور بلتستان جانے والے راستوں سے ملتا ہے، گلگت ٹرانسپورٹ روڈ'' ابھی حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے، اور پہاڑی سلسلہ کو تراگ بل یا درہ راز دنگین سے پار کرتی ہے، جو تقریباً ۱۲۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے، زمانہ قدیم میں جو راستہ عام طور سے استعمال ہوتا تھا، اس سے یہ آٹھ میل مشرق کی طرف ہے، یہ دودکھٹ درہ سے ہو کر گذرتی تھی، پہاڑ دن پر سے ایک آسان راستہ نیچے کی طرف سے گریز کو جاتا ہے گلگت سڑک کی تعمیر سے پہلے قبیلہ درد کے تاجر عام طور پر اسی راستہ سے آتے تھے، گریز سے یہ راستہ درہ کمری (۱۳۰۰۰ فٹ) سے ہو کر استور اور گلگت[1] کو جاتا ہے، برزل سے جو فاصل آب کے اس طرف آخری قیام گاہ ہے، دوسرا لیکن

---

[1] مزید راستوں کی تفصیل کے لیے دیکھو باب دوازدہم تجارت کے سکشن میں، گلگت سے ماوراء النہر کو کئی راستے جاتے ہیں، دیکھو باب دوازدہم،

نکلتی ہیں، ایک سڑک سطح مرتفع دیوسی کو پار کرکے اسکاردو[1] کی طرف جاتی ہے، اور دوسری استور کے شمال کی طرف چلی جاتی ہے، اس سڑک سے درہ دوری کن (١٣٠٠٠ فٹ) ہوکر دریائے سندھ کے طبین تک پہونچ سکتے ہیں، پھر دوسری پہاڑی اونچائی کو جس کو ہاتو پیر کہتے ہیں، پار کرکے گلگٹ پہنچ سکتے ہیں، اسکاردو کی سڑک کو دشوار گذار دروں سے گذرنا ہوتا ہے جس میں سب سے بلند درہ بُرجی ہے، جو ١٥٧٠٠ فٹ کی اونچائی پر ہے،

---

[1] یہ کشمیر اور اسکاردو کے درمیان سب سے زیادہ مستعمل راستہ ہے، ١٥٠ میل لمبا ہے، دوسرا راستہ دراس سے اسکاردو کا ٢۴٢ میل ہے، تشگام تک لیہہ اور اسکاردو کو ایک نئی سڑک جاتی ہے، (ڈریو جموں اور کشمیر ص ٢٧٧، ٥٣١)

تیسرا باب (۳)

سلاطین کشمیر کی حکومت کی تاسیس

آٹھویں صدی میں عربوں نے کشمیر پر متعدد حملے کیے، دو سو سال بعد محمود غزنوی نے کشمیر کو تسخیر کرنے کی غرض سے دو مرتبہ فوج کشی کی، اگرچہ عربوں اور ترکوں کے حملے ناکام رہے، لیکن ان کا مختصر جائزہ لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ ان ہی حملوں سے پہلے پہل کشمیر کو اسلامی سیاست سے واسطہ پڑا،

عربوں کے حملے — ولید کے عہد خلافت میں قتیبہ بن مسلم نے جب کابل و ترکستان کو فتح کیا، تو عرب کشمیر کی سرحد تک پہنچ گئے، لیکن قتیبہ کی وفات کے چھ سال کے اندر اس کے زیادہ تر کارنامون پر پانی پھر گیا[1]، لیکن خلیفہ ہشام (۱۲۳ھ — ۱۲۵ھ) کے بعد میں ماوراء النہر کے پہلے عرب والی نصر بن سیار نے قتیبہ کے بیشتر مفتوحہ علاقوں کو پھر سے تسخیر کیا، اور حدود مملکت کو کاشغر تک پہنچا دیا[2]، عباسیوں کے ابتدائی دور میں ان فتوحات میں مزید اضافہ ہوا، اور ان علاقون کی حکومت مستحکم کی گئی، ۱۳۵ھ میں عربوں نے چینیوں کو شکست دے کر

---

[1] وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات از گب باب سوئم ص ۵۵ - ۲۹ [2]

عربوں کی تاریخ از ہٹی ص ۲۱۰،

انہیں گلگٹ اور دوسرے مقبوضات سے جو مغرب[1] کی طرف آخری حدود میں واقع تھے، دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا، جب کابل پر بنو امیہ کا اقتدار کمزور ہو رہا تھا، تو مامون الرشید نے جو خراسان کا والی تھا، اس کو فتح کر لیا، اور اس کے حکمران نے اسلام[2] قبول کر لیا، اس کے بعد جب مامون الرشید خلیفہ (۸۳۳-۸۱۳ء) ہوا، تو اس نے تبت اور ہمسایہ ملکوں[3] کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا، عربوں کی ان پیش قدمیوں سے کشمیر کے حکمرانوں میں تشویش پیدا ہوئی ہوگی، حالانکہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی، کہ عربوں نے کبھی وادی کشمیر پر جنوب کی جانب سے یعنی کابل یا کاشغر سے حملہ کرنے کی نیت کی تھی، وادی کشمیر کو اصل خطرہ ان عربوں سے تھا، جو علاقہ سندھ میں اپنا قدم جما چکے تھے،

محمد بن قاسم نے ۷۱۱ء اور ۷۱۳ء کے درمیان سندھ اور زیریں پنجاب پر قبضہ کیا، اس کے بعد ملتان سے آگے بڑھ کر اپنا لاؤ لشکر لے کر مملکت کشمیر[4] کی سرحد تک پہونچا، اس کی پیش قدمی سے سراسیمہ ہو کر کشمیر کے راجہ چندرا پیڈا نے فغفور چین کے پاس عربوں[5] کے خلاف امداد کے لیے ایلچی روانہ کیا، لیکن کوئی مدد نہ مل سکی، اتفاق ایسا ہوا کہ محمد بن قاسم کو خلیفہ سلیمان نے دمشق بلا بھیجا، اس طرح عرب حملے کا خطرہ کچھ عرصہ کے لیے ٹل گیا، خلیفہ ہشام (۷۲۴-۷۴۳ء) کے عہد میں سندھ کے عربوں نے اپنے پُرجوش اور اولوالعزم والی جنید کی سرکردگی میں کشمیر پر دوبارہ دھاوا بول دیا، لیکن للتادتیہ (۷۲۴-۷۶۰ء) نے جو اس زمانہ

---

[1] انیشنٹ ختن از اسٹائن [2] فتوح البلدان از بلاذری ص ۳۹۳ میموائر سور لاند (memoire Sur l'Inde) از رینا ص ۱۸۲، ۱۹۷ [3] ایضاً ص ۱۹۷ [4] ایلیٹ جلد اول ص ۲۰۶، ۱۳۱ پچ نامہ ص ۱۹۲ [5] مجمدار دی کلاسیکل ایج ص ۱۷۸-۱۳۸

میں کشمیر کا حکمراں تھا جنید کو شکست دی، اور اس کی مملکت[1] کو تاخت وتاراج کر دیا، لیکن اس کی فتح فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی، اور عربوں کے حملہ کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ جنوب میں عربوں اور شمال میں ترکی قبیلوں اور تبتیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر کشمیر کے حکمران کو فغفور چین سے مدد کی التجا کرنی پڑی اور اپنے آپ کو اس کی محافظت میں دینا پڑا،[2] اگرچہ اس کو کوئی امداد نہیں ملی، تاہم وہ اپنی مساعی سے عربوں کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب ہوا،[3]

جب ہشام بن عمرو التغلبی کو خلیفہ منصور (۵۳ھ-۷۵ھ) نے سندھ کا والی مقرر کیا، تو اس نے بھی کشمیر پر حملہ کیا، اور کوہستان ہمالیہ کے جنوبی دامن تک پہونچ گیا، جو کشمیر کا جزو تھا، لیکن وہ وادی میں داخل نہ ہو سکا، جیسا کہ عرب مورخین[4] کا دعویٰ ہے، یہ کشمیر پر عربوں کا آخری حملہ تھا، اس کے بعد وادی کشمیر پر کسی عرب سردار نے حملہ نہیں کیا، بلکہ بعد میں ایک ترکی سلطان حملہ آور ہوا،

محمود غزنوی کے حملے ۱۰۰۱ء میں محمود غزنوی نے دے ہند کے راجہ جے پال کی فوج کو زبردست شکست دی، راجہ اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا، اور اس نے آگ میں کود کر خودکشی کر لی، اس کے بیٹے اور جانشین انند پال کو بھی محمود نے (۱۰۰۹ء میں) شکست دی، اور وہ کچھ ہی سال کے بعد انتقال کر گیا، آنند پال کے بیٹے ترلوچن پال نے جس کا اقتدار اب نمک کے پہاڑ تک محدود رہ گیا تھا، کشمیر کے حکمران

---

[1] مجمدار دی کلاسیکل ایج ص ۱۴۴ ، ریفٹا و میموائرز سورل انداز رینا د ص ۹۰ [2] مجمدار دی کلاسیکل ایج ص ۱۳۰ ، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۱ ، [4] مسعودی، مروج الذہب (ترجمہ ڈی مینارڈ) جلد ۱ ص ۳۷۳ میں لکھا ہے کہ کشمیر ملک سندھ کا ایک جزو تھا، دیکھو ایلیٹ ج ۱ ص ۴۴۴۴

سنگرام راج (۱۰۰۳ء تا ۱۰۲۸ء) سے محمود کے خلاف مدد مانگی، سنگرام راج نے ایک لشکر عظیم اپنے سپہ سالار تونگ کی کمان میں بھیجدی، محمود ترلوچن پال کی فوج کے خلاف جس کو کشمیر کے حکمران کی پشت پناہی حاصل تھی صف آرا ہوا، یہ جنگ اس وادی میں ہوئی تھی، جو قصبہ جہلم[1] کے پاس شروع ہو کر کشمیر تک چلی جاتی ہے، تونگ نے سلطان کی فوج کے ایک قراولی دستہ کو شکست دے کر حملہ آور کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا، نتیجہ یہ ہوا، کہ جب محمود غنیم سے معرکہ آرائی کے لیے آگے بڑھا، تو ترلوچن پال کی ہدایت کے باوجود تونگ چٹان کے پیچھے نہ چھپا اور مقابلہ کے لیے آگے بڑھا، لیکن محمود نے اس کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، ترلوچن پال نے صورت حال کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی، لیکن اس کو شکست کھانی پڑی (۱۰۱۴ء)[2]

سنگرام راج کے ترلوچن پال کی مدد کرنے پر محمود کو بڑا طیش آیا، اور اس نے کشمیر پر حملہ کرنے اور سنگرام راج کو سزا دینے کا تہیہ کیا، وہ اپنی فوج لے کر جہلم تک پہونچا اور دریائے توہی کی وادی میں پہنچ کر اس نے کشمیر میں درہ توش میدان سے داخل ہونے کی کوشش کی لیکن لوہر کوٹ کے قلعہ کی وجہ سے جو درے[3] کی محافظت کرتا تھا، اس کی پیش قدمی رک گئی، محمود نے ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا، لیکن ناکام رہا، اور سخت برفباری کے سبب جس سے رسل ورسائل کا سلسلہ منقطع ہوگیا، اس کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا،

---

[1] یہ قصبہ دریائے جہلم کے مغربی کنارہ پر ہے جو لاہور سے شمال مغرب میں ہے۔ [2] اصل یہ ہے، ناظم سلطان محمود آف غزنہ " ۳-۹۲-۹۳ [3] اسٹائن لوہر یا لوہ کوٹ یا قلعہ لوہارہ وادی میں تھا، جس کو اب وادی لوہرن کہا جاتا ہے، اور پونچھ کے علاقہ میں ہے، یہ عرض البلد ۴۸-۳۳ اور طول البلد ۲۳-۷۴ میں ہے، لوہارن ندی کے داہنے کنارے پر ایک علیحدہ پہاڑی پر گلی دندا گاؤں کے اوپر یہ قلعہ واقع تھا، (دیکھو مزید تفصیل کے لیے اسٹائن ج ۲ ص ۲۹۳-۳۰۰) کشمیر کی فارسی تاریخوں میں اس کو لوہر کوٹ کہا گیا ہے،

واپسی میں وہ راستہ بھول گیا، اس کی فوج کا کافی حصہ تلف ہوگیا، اور وہ خود بھی مشکل سے اپنی جان بچا سکا، ہندوستان میں اس کی یہ پہلی شکست تھی۔[1]

ستمبر اکتوبر ۱۰۲۱ء میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لیے محمود دوسری بار غزنی سے کشمیر پر حملہ کے خیال سے چلا، اس نے سابق راستہ ہی کو اختیار کیا، لیکن اس مرتبہ بھی لوہر کوٹ کے قلعہ کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکا، اس نے ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا، لیکن اس کو تسخیر نہ کرسکا، اس درمیان میں سخت سردی کا موسم شروع ہوجانے کی وجہ سے اس کو واپس جانا پڑا، ان دونوں ناکامیوں کے بعد محمود نے کشمیر پر حملہ کرنے کا خیال ترک کردیا،

دوسو سال کے بعد جب ہندوستان پر ترکوں نے طوفانی حملے شروع کیے، تو اس سے کشمیر متاثر نہیں ہوا، کیونکہ شہاب الدین غوری اور اس کے بعد آنے والے دہلی کے ترک سلاطین ہندوستان میں اپنی سلطنت کی توسیع اور استحکام میں مصروف رہے، یہانتک کہ تیرہوین صدی کے خاتمہ تک جب وہ ساری ہندوستان کو زیر نگین کرچکے تھے، تو بھی انھوں نے کشمیر پر حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا، اپنی فوجوں کو دکن اور جنوبی ہندوستان میں مشغول رکھا، جس کو فتح کرنا نسبۃً آسان تھا، چودہوین صدی کے دوسرے ربع میں جب وادی کشمیر پر اسلامی حکومت قائم ہوئی، تو اس کا سبب بیرونی حملہ نہ تھا، بلکہ اندرون ملک کے رونما ہونے والے حالات تھے،

ہندو حکومت کا زوال

۱۰۰۳ء میں خاندان لوہر کی حکومت میں اندرونی انحطاط کے آثار پیدا ہوچکے تھے، اس کے بعد کشمیر میں ہندو حکومت زوال پذیر ہوتی ہی گئی، یہاں تک کہ

[1] ناظم "محمود آف غزنہ"، ص ۵-۱۰۴

۱۳۲۰ء میں سہدیو کے دورِ حکومت میں اس کا خاتمہ ہوگیا، اس زمانہ میں جو بادشاہ تخت نشین ہوئے وہ سب کمزور اور نااہل تھے، اور ان مصاحبوں اور بددیانت وزیروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے، عوام سے بیگار لی جاتی تھی، اور ظالمانہ ٹیکس وصول کیے جاتے تھے، اور سرکاری ملازمین ان سے غیر قانونی محصول لیتے تھے، ڈامروں یا جاگیرداروں سرداروں کی طاقت بڑھی تو انھوں نے شاہی احکام کی خلاف ورزی شروع کی، اور ان کی مسلسل بغاوتوں کے سبب ملک میں افراتفری کی حالت پیدا ہوگئی، لوگوں کی زندگی اور ملکیت محفوظ نہ رہی، زراعت کی پیداوار بھی کم ہوتی گئی، اور کبھی کبھی تو تجارت بالکل ختم ہوکر رہ گئی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر بھی دربار اور ملک دونوں قعرِ مذلت میں گر چکے تھے۔[۱]

خاندان لوہر کے پہلے حکمران سنگرام راج (۱۰۰۳-۲۸ء) نے نظام سلطنت کی طرف توجہ کم کردی اور اپنے حریص افسروں اور بدطینت مصاحبوں کو عوام کو لوٹنے کی کھلی اجازت دے رکھی تھی،[۲] اس کی موت پر اس کا بیٹا ہری راج تخت نشین ہوا، لیکن صرف ۲۲ دن حکومت کرکے وہ راہی ملک عدم ہوا، اس کے بعد سنگرام کا چھوٹا لڑکا اننت (۱۰۲۸-۶۳ء) تخت نشین ہوا، اس کی فضول خرچی کی عادتوں نے اس کو قرض لینے پر مجبور کیا، یہاں تک کہ ایک تاجر[۳] کے پاس اس کو تخت و تاج تک رہن کرنا پڑا، خوش قسمتی سے اس کی رانی سوریہ متی نے دخل اندازی کی اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، اس نے اپنی بچائی ہوئی رقم سے قرض ادا کیا، اور قابل وزیروں کی خدمات حاصل کیں جنھوں نے ملک کا صحیح انتظام و انصرام کیا،[۴] لیکن کلس (۱۰۶۳-۸۹ء) کے عہد میں وادیٔ کشمیر میں پھر

لہ ساتویں اور آٹھویں جلد میں کلہن نے وادیٔ کشمیر میں اخلاقی ابتری کی بے شمار مثالیں دی ہیں،
لہ اسٹائن ج ا ج ۷، نمبر ۱۹-۱۰۷، لہ ایضاً نمبر ۱۹۵ لہ ایضاً نمبر ۱۹۷ اور بعدہ

انتری پھیل گئی، اس نے عوام کے معاملات سے آنکھیں پھیر لیں، اور بد کردار اور بد اخلاق درباریوں کے ساتھ رہنے لگا، جو اس کو اپنی مٹھی میں لیے ہوئے تھے[1]، وہ سیاہ کاری کی اس انتہا کو پہنچ گیا تھا، کہ اس نے اپنی لڑکی کی بھی عصمت دری کی[2]،

اس کے بعد ہرش (۱۰۸۹ تا ۱۱۰۱ء) تخت نشین ہوا، جس میں بہت سی نمایاں خصوصیات تھیں، وہ خوبصورت اور قوی الجثہ بھی تھا[3]، اس کو موسیقی سے شغف تھا، اور علوم و فنون کی سرپرستی کرتا تھا، ابتدا میں اس نے حکومت بڑی دانش مندی سے کی، اور رعایا خوش حال رہی[4]، لیکن آگے چل کر بد طینت مشیر کاروں کی صحبت سے اس کا کردار بھی بگڑ گیا، وہ ظالم، عیاش اور خود سر ہو گیا، اس کی ہوس رانی نے اس کو بے جا زناکاری کے راستہ پر ڈال دیا تھا[5]، اس کے بیرونی حملے کہیں بھی کامیاب نہ ہو سکے[6]، وادی کشمیر میں بہت سے چھوٹے دعویداروں اور جاگیرداروں نے اس کو مستقلاً پریشان رکھا، اور اگرچہ اس نے ان کو سختی سے کچل دیا، لیکن وہ برابر سر اٹھاتے رہے[7]، اس نے فوج پر اندھادھند خرچ کیا، اور عیاشی پر بے انتہا روپیہ بہایا، جس کی وجہ سے وہ مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا، اس بحران سے بچنے کے لیے اس نے مندروں[8] کو لوٹنا شروع کیا، اور رعایا پر بے رحمانہ ٹیکس لگائے، ٹیکس لگانے میں اس نے سنڈاس کے میلے کو بھی نہ چھوڑا[9]، اس کی بد انتظامی اور ظلم کا نتیجہ یہ ہوا، کہ امراء اس کے خلاف کھڑے ہو گئے، اور اس کو ذلیل موت نصیب ہوئی،

---

[1] اسٹائن ج ا، نمبر ۲۸۵ و بعدہ [2] ایضاً نمبر ۲۷۸، [3] اسٹائن جلد اول نمبر ۸۰۴-۸ [4] ایضاً نمبر ۵۲-۹۳۲ [5] ایضاً نمبر ۹۷۰ [6] ایضاً نمبر ۱۱۴۷ [7] ایضاً نمبر ۱۵۲ و بعدہا [8] ایضاً نمبر ۱۰۲۷ و بعدہا [9] ایضاً نمبر ۹۵-۱۰۸۹، ۱۰۸۹/۱۱۵ و بعدہ [10] ایضاً نمبر ۱۱۰۷

خاندان لوہر کا دوسرا دور

اوچل (۱۱۰۱-۱۱ء) سخی، قابل، اور اولوالعزم حکمران تھا۔ لیکن وہ ایسے وزیروں اور جاگیرداروں کے ساتھ رہا، جو ڈاکوؤں سے بدتر تھے، پھر اس کا بھائی بھی تخت کا دعوے دار ہوگیا اور ملک کا خزانہ بھی خالی تھا، ایسی حالت میں اس کے لیے ملک میں امن وامان قائم کرنا ممکن نہ تھا، اس کے[1] بعد سسل (سوسل) (۱۱۱۲-۲۸ء) نے ۱۷ سال تک حکومت سنبھالی، لیکن اسی درمیان میں ہرش کے پوتے بھکشاچر کے تخت نشین ہونے کی وجہ سے ایک سال وقفہ بھی ہوا، سسل (سوسل) نے رعایا پر اپنے خزانہ کو بھر لینے کی غرض سے بہت تشدد کیا، اور ان سرداروں کو مغلوب نہ کرسکا، جو اس کے خلاف مستقل علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھے،[2] اسی بغاوت کے سلسلہ میں جے سنگھ (۱۱۲۸-۵۵ء) اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا، اس میں قوتِ ارادی کی کمی تھی، اور اپنے دورِ حکومت میں وہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرسکا جس سے اس کی ذاتی شجاعت ظاہر ہوتی، وہ ڈامروں کو بھی نہ کچل سکا لیکن سیاسی جوڑ توڑ اور عیارانہ سازباز سے وہ ملک میں امن وامان قائم کرنے میں کامیاب رہا، کلہن لکھتا ہے:

"اس (جے سنگھ) نے ملک کو جو ابتر حالات کی بنا پر ایک اجڑا جنگل ہوگیا تھا، دولت آبادی اور مکانات سے بھر دیا،[3]

جے سنگھ کشمیر کا آخری بڑا تاجدار تھا، اس کی موت کے بعد ملک میں پھر سے انفرافری پھیل گئی، سیاسی اور اقتصادی بدحالی جس کا آغاز گیارھویں صدی کی ابتدا میں ہوا تھا، اور جس کو جے سنگھ نے بہتر بنانے کی لاحاصل کوشش کی تھی، اور بھی تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی،

۱؎ اسٹائن ایضاً نمبر ۱۱۰۷، ۲؎ اسٹائن ۱۰۴ و مابعدہ ۳؎ ایضاً نمبر ۲۴۴۷،

سجے سنگھ کے جانشین کمزور اور نکمے تھے، انھوں نے رعایا کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ اپنے مصاحبوں کے ذریعہ ان کو لوٹتے رہے، اس بد انتظامی سے امرا نے فائدہ اٹھایا، ان کی طاقت بڑھی، اور وہ شاہی احکام کی خلاف ورزی کرنے لگے، ۱۱۹۵ء میں جگ دیو تخت پر بیٹھا، اور اس نے وادی میں امن وامان اور خوشحالی قائم کرنی چاہی، لیکن اس کی کوششیں بار آور نہ ہوئیں، کیونکہ بددیانت سرکاری عمال نے اس کو ملک بدر کر دیا، اگرچہ اس کو پھر سے تخت و تاج مل گیا، لیکن جلد ہی اس کو زہر دے دیا گیا، اس نے ۱۲۱۲ء میں انتقال کیا، اس کے بعد اس کا بیٹا راج دیو (۱۲۱۲-۱۳، ۱۲۳۵ء) جانشین ہوا، جو آمادۂ پیکار سرداروں کے قابو میں رہا، اس کا بیٹا سنگرام دیو (۱۲۳۵-۵۲ء) طاقتور حکمراں تھا، لیکن سرداروں کے مجبور کرنے پر اس کو بھی ملک کو خیرآباد کہنا پڑا، اگرچہ اس کو بھی پھر سے تخت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو قتل کر دیا گیا، راج دیو کے بیٹے رام دیو (۱۲۵۲، ۷۳ء) کے دور حکومت میں کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی، اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے اس نے ایک برہمن کے لڑکے لکشمن دیو کو ولی عہد کی حیثیت سے گود لیا، لکشمن دیو (۱۲۷۳، ۸۶ء) جو رام دیو کے بعد تخت نشین ہوا، ایک نکما حکمراں تھا، اس کے پیے ترک اور سرکش امرا مستقل درد سر بنے رہے، اس کا بیٹا سنگھ دیو (۱۲۸۷-۱۳۰۱ء) تخت نشین ہوا، لیکن ملک کا رقبہ بہت کم ہو چکا تھا، اس کے مشیر کار برے تھے، لیکن وہ ان ہی کے زیر اثر تھا، آخر کار اس کو دریا نے قتل کر دیا، جو اس کی انّا کی لڑکی کا شوہر تھا، اور اس لڑکی سے سنگھ دیو کا ناجائز تعلق تھا[2]

سنگھ دیو کے بھائی سہدیو (۱۳۰۱-۲۰ء) نے سارے کشمیر کو اپنے زیر نگین کیا،

---

[1] جون راج ص ۶-۸ [2] ایضاً ص ۱۴-۶،

لیکن بھاری جرمانے اور ٹیکس لگانے کی وجہ سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے، اس نے برہمنوں سے بھی ٹیکس وصول کیا[1]، وہ اچھا حکمراں نہ تھا، بلکہ راکھشس کے بھیس میں وہ ایک حکمران تھا، جو ملک کی حفاظت کے نام پر اس کو ۱۹ سال اور ۵، ۲ د تک لوٹتا رہا[2]، اپنے پیش روؤں کی طرح اس نے بھی دروں کی نگہبانی نہ کی، اس طرح ملک کے دفاع سے غافل رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ وادی کے اندر جاسوس اور نئے لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے گھس آئے[3]، معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے کشمیری باشندے پستی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے، کیونکہ بوڑھے اور جوان یکساں طور پر مکر و فریب، سازش، بد دیانتی اور آپس کے نزاع کا شکار ہو گئے تھے[4]. ان ہی حالات میں کشمیر پر زدلجو کے بیرونی حملے کا طوفان امنڈ پڑا،

زدلجو کا حسب نسب یہ زدلجو[5] کون تھا جس نے کشمیر کو دیکھتے دیکھتے تہ و بالا کر کے رکھ دیا، یون راج اس کو مشہور راجہ کرم سین[6] کا ایک فوجی سردار بتاتا ہے، لیکن خود کرم سین کا پتہ چلانا ممکن نہیں، ابوالفضل جس کی اس عہد کے کشمیر کی تاریخ کی تمام معلومات سنسکرت تاریخوں سے ماخوذ ہیں، زدلجو کو قندھار کے حکمراں کا سپہ سالار بتاتا ہے[7]، نظام الدین اور فرشتہ کو قندھار[8] کے حکمران کا میر بخشی بتاتے ہیں، لیکن یہ سب بیانات من گھڑت ہیں، قندھار اس زمانے میں کسی سردار کے زیر اقتدار نہیں تھا، بلکہ ہرات کے کرت حکمراں غیاث الدین کی ملکیت

---

[1] جون راج ص ۱۷۱، [2] ایضاً ص ۱۹، [3] گوہر عالم ورق ۹۷ ب [4] حیدر ملک ص ۹۳-۹۴ ب

[5] فارسی مورخین نے اس کو زدلجو کہا ہے، جون راج (کلکتہ اڈیشن) نے اس کو زلجیا یا زلجا لکھا ہے، اور جون راج نے (بمبئی اڈیشن نمبر ۱۵۲) میں اس کو دلوچ کہا ہے، نرائن کول اور اعظم نے اس کو اسلامی نام ذوالقدر خان دیا ہے،

[6] یون راج ص ۱۷ [7] آئین اکبری جلد دوم ص ۳۸۱ [8] طبقات اکبری جلد سوم میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۴ الف،

میں تھا، جو فارس[1] کے ایلخانی خاندان کا باج گذار تھا، غیاث الدین بذات خود اتنا طاقت ور نہ تھا، جو کشمیر کی تسخیر کے لیے فوج بھیج سکتا تھا، اس کے علاوہ وہ ملک کی اندرونی بغاوتوں اور سازشوں کو فرو کرنے اور شہزادہ نیودر بخودری[2] کے حملہ کو روکنے میں پریشان رہا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ زولجو قندھار سے آیا تھا، زولجو اصل میں منگول تھا، وہ ترکستان سے آیا تھا[3] جو اس زمانے میں چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل کے حکمرانوں کے زیر نگین تھا، جس کی فوج میں ترک اور منگول[4] دونوں ہی شامل تھے، جہاں تک زولجو کے مذہب کا تعلق ہے، وہ مسلمان نہیں تھا، کیونکہ اس زمانے تک صرف چند چغتائی سردار مشرف باسلام ہوئے تھے، ان میں سے زیادہ تر اپنے آباواجداد کے مشرکانہ اعتقاد کے پیرو تھے[5]،

منگولوں کے حملے تیرہویں صدی میں منگولوں نے اپنے میدانوں سے نکل کر ایشیا اور یورپ کے کافی حصہ کو پامال کر دیا تھا، کشمیر پر بھی انھوں نے متواتر حملے کیے، چنگیز خان کے تیسرے بیٹے اوغتائی نے لاتو[6] کو ہندوستان اور کشمیر کی طرف بھیجا، اور وہ ان دونوں ملکوں کے مختلف حصوں کو لوٹ مار کر واپس ہوا[7]، پھر ۱۲۵۳ء میں طیر کو ہندوستان اور کشمیر پر فوج کشی کے لیے بھیجا[8]، طیر کی وفات کے بعد فوج کی کمان سلی نے سنبھالی، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کشمیر کو فتح کیا، اور کئی ہزار قیدی ہلاکو خان کے پاس بھیجے[9]، ان منگول

---

[1] خوندمیر مصنف حبیب السیر، ج ۳ حصہ ۲ ص ۹۶ سیف بن محمد، تاریخ نامہ ہرات ص ۳۶۹
[2] ہووورتھ ہسٹری جلد سوم ص ۹-۶۸ء تاریخ نامہ ہرات ص ۸۰، ۷ وغیرہ [3] حیدر ملک ۹۵ ب ۹۱ الف
[4] بہارستان شاہی، [5] طبقات ناصری (مترجمہ ریورٹی) ص ۱۱۲۷ ان ۷ [6] ایضاً ۱۱۳۵ ان ۵، ہووورتھ ہسٹری آف منگولس ج ۳ ص ۱۰۴ [7] طبقات ناصری (ترجمہ ریورٹی) ہووورتھ ج ۳ ص ۱۰۵ لیکن ان فتوحات کی تاریخ ہووورتھ نے ۱۲۶۳ء بتائی ہے دیکھیے میڈیول ریسرچیز از بریشنیڈر ص ۱۳۰۸، ۳۰۵ [9] یوان راج ۱۷

حملوں کی تفصیلات کا پتہ نہیں، لیکن ان حملوں کی حیثیت چھاپہ مارنے کی سی ہے، جو کشمیر کی سرحدی پہاڑیوں تک محدود رہے، ۱۳۲۰ء کے موسم بہار میں زولجو کا حملہ بھی وادی کشمیر کو فتح کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں ہوا،

زولجو کا حملہ

زولجو کشمیر میں وادی جہلم کے راستہ سے داخل ہوا، اور چونکہ درون کے دفاع کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، اس لیے اس کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا، حملہ کی خبر سن کر سہدیو نے زولجو کو کثیر مال و زر دے کر لوٹا دینا چاہا، یہ مال و زر اس نے عوام کے ہر طبقہ سے جن میں برہمن بھی شامل تھے، ٹیکس لگا کر جمع کیا تھا[1] لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک طرف تو وہ رعایا میں اپنی ساکھ کو بیٹھا، دوسری طرف اس کی اس حرکت نے زولجو کی حرص و طمع کو اور بڑھا دیا، اس لیے زولجو واپس جانے کے بجائے آگے بڑھتا رہا، پھر سہدیو نے دفاع کی کوشش کی لیکن اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، کیونکہ کشمیر کے عوام نے جو اس کے اور اس کے پیشروؤں کے سخت ٹیکسوں اور ناانصافیوں سے پریشان تھے، اس کی اپیل کا بڑی سرد مہری سے جواب دیا[2] سہدیو نے عوام کو حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کشتوار میں پناہ لی، حملہ آوروں نے عوام پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے، انھوں نے مکانات میں آگ لگا دی، مردوں کا قتل عام کیا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا، یہ ظلم اتنا شدید تھا کہ سالہا سال گذر جانے کے بعد بھی جلے ہوئے مکانات لوگوں کو حملہ آوروں کی سفاکیوں کی المناک داستان یاد دلاتے رہے، ان حملوں سے ضلع لار[3] محفوظ تھا، سہدیو کے سپہ سالار رام چند نے

---

[1] جون راج ص، ۱۔ [2] حسن ۹۲ ب حیدر ملک ۹۶ الف/ب [3] ضلع لار سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے علاقہ پر مشتمل ہے، سنسکرت کی تاریخوں میں اس کا نام لہارہ ہے (جون راج ۱۰) لیکن فارسی تاریخوں میں اس کو لار کہا گیا ہے، قلعہ لار موضع گگن گیر میں واقع تھا، جو عرض البلد ۳۴°۱۸ اور طول البلد ۷۵°۱۵ ہے، دراس کی سڑک پر سونا مرگ سے دس میل مغرب میں واقع ہے، (نوادر الاخبار ورق ۱۴ الف، واقعات کشمیر ورق ۱۱ ب

اپنے آپ کو ایک قلعہ میں بند کر رکھا تھا، اس طرح اس نے اپنے خاندان، اپنے پیرووں اور قصبہ کے آس پاس کے باشندوں کو امن و امان میں رکھا، واقعہ یوں ہے کہ ان حالات میں اسی کی ذات تھی جس کا وادی میں کوئی اثر و اقتدار رہ گیا تھا، زولجو کی روانگی کے بعد وہ اندرکوٹ گیا،[1] اور گدیوں کو مار بھگایا جو کشتواڑ سے وہاں چھاپہ مارنے آئے تھے،[2]

منگولوں کی لوٹ مار کا سلسلہ وادی میں آٹھ مہینے سردی کے آغاز تک جاری رہا،[3] اس عرصہ میں کھیت جوتے بوئے نہیں گئے، کیونکہ وادی کے باشندے یا تو قتل کر دیے گئے تھے، یا بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے تھے، جو کچھ اناج کا ذخیرہ ملک میں تھا، اس کو یا تو منگولوں نے جلا دیا تھا، یا کھا گئے تھے، اور ان کو اناج کی سخت کمی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اسلیے[4] زولجو نے وادی چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، اس کا سبب سردی کا موسم نہیں تھا، اس کے افسروں نے بارہ مولہ اور پکھلی کے راستے سے واپس جانے کا مشورہ دیا جس سے وہ وادی میں داخل ہوا تھا، کیونکہ یہ راستہ مختصر تھا، اور سردیوں میں بھی دشوار گذار نہیں ہوتا، لیکن اس نے مشورہ کو قبول نہیں کیا، اور قیدیوں سے ہندوستان کا راستہ پوچھ کر آگے بڑھتا رہا، یہاں اس کو اپنی فوج کو رسد ملنے کی امید تھی، قیدیوں نے منگولوں سے انتقام لینے کے لیے اس کو غلط اور خطرناک راستہ پر ڈال دیا، جو برنہال سے گذرتا تھا، جب منگولوں کی

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲ الف حسن ۹۲ ب، حیدر ملک ۷۰ ب [2] "ویلی" از لارنس ص ۱۸۹ اندرکوٹ کا گاؤں عرض البلد ۳۴ درجہ ۱۳ اور طول البلد ۷۴ درجہ ۴۲، میں سمبل جھیل کے کنارے سری نگر سے ۱۲ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ [3] بہارستان شاہی ۱۰ الف ۱۱ الف، حیدر ملک ورق ۷۱ ب [4] بہارستان شاہی ۱۱ الف حسن ۹۳ الف ۹۴ الف، حیدر ملک ۷۱ ب جونراج ص ۱۱۷، تاریخوں میں لکھا ہے کہ منگولوں نے یہ فیصلہ سردی کی آمد سے ڈر کر کیا تھا لیکن یہ غلط ہے

فوج دیوسر پرگنہ میں پہاڑ کی بلندی پر پہنچی، تو اس وقت بہت سخت برف باری شروع ہو گئی جس نے زولجو کی ساری فوج کو جس میں قیدی بھی شامل تھے، ہلاک کر دیا،

منگولوں کی واپسی پر وادی کی حالت

منگولوں کی واپسی کے بعد وادی کشمیر کے باشندے پہاڑوں سے اپنے گھروں کو لوٹے جہاں وہ قتل عام اور غلامی سے بچنے کی غرض سے بھاگ گئے تھے، انھوں نے اپنی آنکھوں سے حملہ آوروں کی لائی ہوئی تباہ کاریوں کو دیکھا، ان میں سے کتنے بے گھر اور بے یار و مددگار ہو گئے تھے، ان پریشانیوں کے علاوہ قریب کے پہاڑی قبیلوں نے وادی پر حملہ کر کے ان کو پھر سے ستانا اور بچے کھچے مال کو لوٹنا شروع کر دیا، اور ان کو غلام بنا کر ساتھ لے گئے، اس پر مستزاد یہ کہ ملک کو قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا،[1]

اب چونکہ ملک میں کوئی باضابطہ حکومت نہیں رہ گئی تھی، اس لیے مقامی سرداروں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا، بعض حالات میں باشندوں نے خود ہی ڈاکوؤں اور پہاڑی قبیلوں کے حملوں کے خلاف دفاعی انتظام کیا، انھوں نے خود کسی قلعہ پر قبضہ کر کے ایک بااثر شخص کو اپنا سربراہ بنا لیا،[2] جن لوگوں نے اس انتشار اور افراتفری سے فائدہ اٹھایا ان میں سب سے نمایاں رنچن کا نام ہے،

رنچن: سلطان صدر الدین ۲۳-۱۳۲۰ء

رنچن جس کا پورا نام لہاچن گیالبو رنچن تھا، ایک لداخی سردار لہاچن ڈنگوس گرب کا بیٹا تھا، جو ۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۰ء[3] تک لداخ

۱؎ حسن ۹۴ ب ۹۵ الف، حیدر ملک (Bibliothequenationale) ۳۱ ب ۲۲ الف ۲؎ بہارستان شاہی ۱۳ الف حسن ۹۵ الف حیدر ملک ۸۰ ب ۳؎ فرنیک انٹی کوئٹی آف انڈین تبت جلد ۲ ص ۹۸ اور انڈین انٹی کواری ماہ جولائی ۱۹۰۵ء ص ۸۰،

کا حکمراں رہا، ماضی میں لداخیوں اور بلتیوں میں اکثر جنگ ہوا کرتی تھی لیکن معاہدہ منگولیا (Pax mongolica) کی وجہ سے یہ جنگ کچھ دنوں کے لیے رک گئی تھی، لیکن کبلائی خاں (۹۴-۱۲۶۰) کی وفات کے بعد جس نے سارے ملک میں انتشار پیدا کر دیا تھا، یہ جنگ پھر شروع ہو گئی، اس جنگ میں بلتیوں نے لداخیوں کو ہرا کر اپنے آباواجداد کا انتقام لیا، اسی میں رنچن کا باپ بھی مارا گیا، اپنے باپ کی موت کا انتقام رنچن نے بہت سے بلتی سرداروں کو قتل کر کے لیا۔ لیکن اپنے کو خطرے میں محسوس کر کے ملک چھوڑ کر وہ کشمیر چلا آیا، وہ کشمیر میں براہ درہ زوجی لا داخل ہوا، موضع گگن گیر پہنچ کر اس نے رام چندر کی اجازت سے جو اس کا مالک تھا، وہیں سکونت پذیر ہونے کا فیصلہ کیا۔[۱]

زولجو کے حملہ کے دوران رنچن ضلع لار میں موجود تھا، اور رام چندر نے اس کو امن وامان قائم کرنے اور باشندوں کو ڈاکوؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے ملازم رکھ لیا تھا، اس نے اپنے فرائض بڑی تندہی اور لیاقت سے انجام دیے، جس کی وجہ سے اس کا حلقۂ اثر بڑھتا گیا، اور عوام کا اعتماد حاصل ہو گیا،[۲] لیکن جب تک زولجو کشمیر میں رہا، رنچن کی ایک نہ چلی، منگول سردار کی واپسی کے بعد ہی وادی کشمیر میں بہت سے دوسرے اشخاص کی طرح رنچن نے بھی خود مختاری کا دعویٰ کیا، اور کشمیر کے تخت پر بیٹھنے کا خواب

---

[۱] انڈین کواری ۱۹۰۹ء ص ۶۰۔ فارسی کے مورخوں نے بلتیوں اور لداخیوں کی جنگ کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، انھوں نے صرف اتنا لکھا ہے، کہ رنچن کے باپ اور رشتہ داروں کو مخالف گروہ نے مار ڈالا، اس لیے وہ کشمیر چلا آیا ۔ جون راج کے "گال مانیہ،، "وکتبیۂ،، بالترتیب بلتی اور لداخی ہیں، (ص ۱۶۲) دیکھو مورخ کا قلمی نسخہ ۴۰ ب لداخ کی لوگ کتھاؤں میں ایک گیت ہے جس میں شہزادہ رنچن کے لداخ سے جانے کے حالات ہیں (انڈین اینٹی کواری ۱۹۰۵ء ص ۱۸۷) یہ گیت انڈین

دیکھنے لگا،[۲] اگرچہ زولجو کے حملے کے دوران اور اس کے بعد رنچن ضلع لار میں کافی مقبول ہوگیا تھا، لیکن رام چندر سے کھل کر اس میں لڑنے کی طاقت نہ تھی، لہذا وہ ایک چال چلا، اس نے اپنے لداخی ساتھیوں کو اونی کپڑوں[۳] کے تاجروں کے بھیس میں قصبہ لار میں بھیجا،[۴] وہ کچھ دن کاروبار میں مشغول رہے، اور ان کے متعلق کسی کو بھی شک وشبہ نہیں ہوا، ایک دن وہ کاروبار کے بہانہ سے قلعہ کے اندر داخل ہوئے، انھوں نے اپنے اسلحہ چھپا رکھے تھے رام چندر کے آدمیوں پر اچانک دھاوا بول دیا، اسی اثنا میں پہلے طے شدہ وقت پر رنچن نے بھی قلعہ پر حملہ کردیا، رام چندر کی فوجیں ہار گئیں، اور وہ خود بھی مارا گیا، اس کا بیٹا راون چندر پورے خاندان کے ساتھ گرفتار ہوا،[۵] اب کسی کو رنچن سے کھل کر مخالفت کرنے کی تاب نہ تھی، اس لیے وہ ۱۳۲۰ء کے آخر میں سریر آرائے سلطنت ہوا،[۶]

رنچن کو اپنے لداخی ساتھیوں کی مدد سے اقتدار حاصل ہوگیا تھا، لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ کشمیر میں اجنبی ہونے کی وجہ سے صرف عوام کی خیرخواہی حاصل کرکے اسکی حکومت مستحکم ہوسکتی ہے، اس لیے سب سے پہلے اس نے راون چندر سے دوستی کی، قید سے رہا کرکے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۲) انٹی کواری (۱۹۰۹ء) ص ۵۹ پر درج ہے، [۲] حسن ۷۰ ب، بہارستان شاہی ۱۰ الف حیدر ملک ۹۲ ب، یون راج کا بیان کہ رنچن نے زولجو کے ساتھ حملہ کیا تھا، غلط ہے، مورخ کے قلمی نسخہ میں یہ بات غلط درج ہے کہ زولجو کی طرح رنچن نے قیدی بنائے اور لوٹ مار کی،

[۳] حسن ۸۲ ب حسن نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ رام چندر کی طرف سے لگان وصول کر کے رنچن اس میں اپنا حصہ لے لیتا تھا، [۴] بہارستان شاہی ورق ۱۲ ب،

[۵] جون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۲۰۰-۱۹۲ گوہر عالم ورق ۹۹ الف میں لکھا ہے کہ رنچن کو اس کے بھائی نے جو لداخ کا حکمران تھا، مدد دی لیکن یہ غلط ہے، [۶] بہارستان شاہی ۱۲ الف، ب حسن ۸۵ ب حیدر ملک ۹۹ الف،

اس کو رینا کا خطاب دیا، اس کو اپنا سپہ سالار بنایا، اور پرگنہ لار، اور صوبہ لداخ اس کو بطور جاگیر عطا کیا، [1] پھر اس نے راون چندر کی بہن کوٹا رانی سے شادی کی، اس طرح رنچن نے راون چندر کی وفاداری حاصل کی، اور اس کے باپ کے قتل کو بھلادینے میں کامیاب ہوا،

رنچن کو عنان حکومت سنبھالتے ہی دو خطروں کا سامنا کرنا پڑا، ایک خطرہ تو سہدیو کی آمد تھا جو کشتواڑ سے واپس آکر اپنی حکومت کی واپسی کا دعوی کر رہا تھا جس کو وہ شرمناک طریقہ سے چھوڑ کر چلا گیا تھا، لیکن سہدیو کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی، اور اس کو فوراً کشتواڑ واپس جانا پڑا، [2] کشمیر کے عوام ابھی تک اس کی غداری کو نہ بھولے تھے، چنانچہ کسی نے بھی اس کا خیر مقدم نہ کیا، اور نہ کسی نے اس کے چلے جانے پر اظہار تاسف کیا،

دوسرا خطرہ قبیلہ لون سے تھا جو ذولجو کے حملہ کے دوران اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکا تھا، اور اب رنچن کو اپنے فرمان روا ماننے سے انکار کر رہا تھا، رنچن مختلف سرداروں کو ایک دوسرے سے لڑا کر انہیں بھی زیر کرنے میں کامیاب ہوا، اس طرح ساری وادی کو اس کے زیر نگین کر لیا، [3]

رنچن کا مشرف بہ اسلام ہونا،

رنچن کے ذہن میں تجسس اور بیداری تھی، وہ پڑھے لکھے آدمیوں اور ہندو اور بودھ پروہتوں کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا، اور اور ان سے ان کے مذاہب پر طرح طرح کے سوالات کرتا اطمینان بخش جواب پانے کی غرض سے مناظرہ کرتا رہتا تھا تاکہ اس کو معلوم ہو کہ سچ کیا ہے لیکن یہ مناظرے اس کی روحانی تشنگی

---

[1] بہارستان شاہی ۱۲ ب، حسن ۹۷ الف، حیدر ملک ۹۹ ب، میو نخ قلمی نسخہ ۸۴ الف میں یہ غلط درج ہے کہ کوٹا رام چندر کی بیوی تھی [2] بہارستان شاہی ۱۳ الف، حسن ۹۷ ب، حیدر ملک ۰۰ الف [3] یون راج ص ۱۵،

کو بجھا نہ سکے، بدھ مت جو اس کا پیدائشی مذہب تھا، خارجی عناصر کے امتزاج کی وجہ سے اس کے لیے وجہ تشفی نہ ہو سکا، ہندو دھرم ذات پات کی بندشوں اور برہمنوں کی خودستائی کی وجہ سے جو اس کے محافظ بنے بیٹھے تھے، اس کو پسند نہیں آتا تھا، اس کو تلاش حق میں ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں ایک طرح کی شکست خوردگی کا احساس گھر کرتا جا رہا تھا، اور وہ اپنے آپ کو ایک روحانی خلا میں محسوس کرتا تھا، اس کی مضطرب اور بے چین روح نے اس کی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی، اور راتوں کو گڑگڑا کر خدا سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی دعائیں مانگتا[۱]، اس روحانی اضطراب کے عالم میں اس کی ملاقات سید شرف الدین سے ہوئی، جن کو بلبل شاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بلبل شاہ شاہ نعمت اللہ فارسی کے مرید تھے، جن کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے تھا، اور وہ سہدیو کے دور حکومت میں منگولوں کے حملے[۲] کے خوف سے کشمیر ایک ہزار پناہ گزینوں کے ساتھ ترکستان سے آئے تھے، رنچن نے بلبل شاہ سے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیے، اور اسلام کی تعلیمات کی سادگی سے متاثر ہوا، کیونکہ اس میں رسم پرستی اور ذات پات کی بندش نہ تھی، اور نہ کسی خاص مذہبی طبقہ کا اقتدار اور غلبہ تھا، وہ مسلمان ہو گیا[۳]، اور شیخ کے مشورہ سے صدر الدین نام قرار پایا، اس کے بعد اس کے سالے راون چندر نے بھی اسلام قبول کر لیا[۴]

---

[۱] بہارستان شاہی ۱۴ الف حسن ۹۸ الف حیدر ملک ۱۰۱ ب، ۱۰۲ الف [۲] بہارستان شاہی ۱۴ ب مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر ورق ۱۰۶ الف، مزید دیکھو تاریخ حسن ج اورق ۱۳۶ ب اور ج ۲ ورق ۸۴ ب، [۳] فارسی مورخین اس واقعہ کو ایک معجزہ کہتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ مذہب کے متعلق کسی فیصلہ پر نہ پہنچنے کی وجہ سے رنچن نے اس شخص کا مذہب ماننے کا فیصلہ کیا جسے صبح کو دیکھے گا، پہلا شخص جو اس کے سامنے آیا، وہ بلبل شاہ تھا، جو عبادت میں مصروف تھا، وہ فوراً اس کے پاس گیا، اور اس کے مذہب کے

شاہی سرپرستی کے سبب بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا، رنچن نے جہلم کے کنارے اپنے محل کے پاس ہی بلبل شاہ کے لیے ایک خانقاہ بنوائی اور اس پر کئی گاؤں وقف کر دیئے جن کی آمدنی سے ملازمین کا خرچ چلتا تھا، اور مسافروں اور غربا کو کھانا ملتا تھا، خانقاہ کے پاس اس نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جس میں وہ نماز پنج گانہ ادا کرتا تھا، یہ کشمیر کی سرزمین پر پہلی مسجد تھی، لیکن آگ لگ جانے سے وہ تباہ و برباد ہو گئی، اور اس کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر ہوئی۔[1]

اسی دوران میں رنچن کو ایک بڑی سازش کا سامنا کرنا پڑا، جس کا سربراہ اس کا سابق وزیر اعظم ٹکا تھا، رنچن سے ٹکا کی برہمی کا سبب یہ تھا کہ رنچن نے اس کو برخاست کر کے اس کا عہدہ دیال راج کو دے دیا تھا، اور اس کے بھائی کو موت کی سزا دی تھی، لہٰذا اس نے رنچن کو تباہ کرنے کا عزم کیا، اور جب وہ دمبیر سنگھ میں تھا، ٹکا اور اس کے ساتھیوں نے رنچن پر اچانک حملہ کر دیا، دیال راج فوراً اس کی مدد کو پہنچا، لیکن ایک ضرب کاری لگ جانے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵) خاص اصول دریافت کیے، اور پھر انھیں قبول کر لیا، (حسن ۹۹ ب ۱۰۰ الف، حیدر ملک ۱۰۲ ۱۰۴ الف) یون راج کا یہ قول غلط ہے کہ وہ شیومت قبول کرنا چاہتا تھا، لیکن برہمنوں نے اس کو تبدیلی مذہب کی اجازت نہ دی، زمانہ قدیم میں بدھ مت سے ہندو دھرم اور ہندو دھرم سے بدھ مت اختیار کرنے کا چلن تھا، فی الحقیقت رنچن نے صرف اس وجہ سے شیومت کو قبول نہیں کیا کہ اس سے اس کی روحانی تسکین نہ ہو سکتی تھی، یون راج نے شاید اس بات سے چڑ کر لکھ دیا ہے کہ رنچن کے شیومت کے ماننے سے انکار کر دینے کی وجہ سے برہمنوں نے اس کو ہندو دھرم میں قبول نہ کیا، رنچن کے مشرف باسلام ہو جانے کی وجہ سے یون راج نے چڑ کر اس کا ذکر اپنی تاریخ میں بہت کم کیا، [1] بہارستان شاہی ورق ۱۵ الف، ب حسن ۱۰۰ اب ۱۰۱ الف حیدر ملک ۱۰۳ الف ب، [2] یون راج ۱۹۰-۲۰۰ مورخ قلمی نسخہ ۸۴ ب ۹۴ الف، ماہنامہ انڈین انٹی کواری جولائی ۱۹۰۵ء ص ۱۸۷، مورخ کے قلمی نسخہ میں درج ہے کہ ٹکا کو دیوان دلو بدر و سہدیو نے بھڑکا دیا تھا، کیونکہ وہ خود تخت شاہی کا خواہاں تھا،

سے رنچن بے ہوش ہوگیا، غنیم نے رنچن کو مردہ تصور کر کے سری نگر پر قبضہ کرنے کی غرض سے دھاوا کیا، انھوں نے شہر کو خوب لوٹا لیکن مال غنیمت کی تقسیم پر ان میں جھگڑا ہو گیا، اسی اثنا میں رنچن کو ہوش آگیا، اس نے غنیم کی صفوں میں نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر اچانک حملہ کردیا، اس نے ان کو گرفتار کیا، اور پھانسی کا حکم صادر کیا، اس سے بھی انتقام کی پیاس نہ بجھی تو اس نے ان کی عورتوں کے رحم کو تلوار سے چروا دیا[1]، بہرحال رنچن کے سر میں جو ضرب کاری لگی تھی، وہ جان لیوا ثابت ہوئی، اور چند مہینوں کے اندر ۱۳۲۳ھ کے آخر میں تین سال[2] سے کچھ زیادہ[3] حکومت کر کے اس دار فانی سے کوچ کر گیا، وہ اپنی تعمیر کردہ مسجد میں مدفون ہوا، ۱۹۰۹ء میں مورادین مشن[4] کے مشہور تبتی عالم اور ماہر آثار قدیمہ اے ایچ فرینک نے اس کی قبر دریافت کی، رنچن کے دور حکومت میں سختی اور بے رحمی تھی، لیکن یہ مضبوط اور قانون کی بنیاد پر قائم رہی، وہ لائق اور جفاکش تھا، اور اس نے مدت تک ریاست کو امن وامان میں رکھا، جہاں برابر انتشار رہا کرتا تھا، بدقسمتی سے وہ تھوڑے عرصہ تک ہی تخت نشین رہا، اور اس کا جانشین کمزور اور نااہل تھا، جو اس کے کاموں کو آگے نہ بڑھا سکا،

اودیان دیو (۱۳۲۳-۳۸ء) رنچن نے صرف ایک اولاد چھوڑی اس کا نام حیدر تھا، جو اس کے معتمد خاص[5] شاہ میر کی تولیت میں تھا، حیدر ابھی نابالغ تھا، اس لیے اس کی ماں کوٹارانی اس کی جگہ نائب بن کر کام کرتی تھی، لیکن یہ انتظام تسلی بخش ثابت نہ ہوا، کیونکہ اس بات کا اندیشہ رہا کہ ایک حکمران کے بغیر ملک میں کہیں دوبارہ افراتفری نہ پھیل جائے، لہٰذا کشمیر کے سابق

---

[1] یون راج ص ۲۲-۲۱، [2] یون راج ص ۲۲، مہیو تخ قلمی نسخہ ۵۰ الف، [3] جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی ج ا نمبر ۲ ص ۱۴۶-۱۴۵، [4] بہارستان شاہی ورق ۱۵ ب حسن ۱۰۱ الف حیدر ملک ۱۰۴ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۲۵، میر حیدر کو خیدر کا نام دیا ہے،

شاہی خاندان کے کسی پڑنے اور تجربہ کار فرد کو تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کیا گیا، رنچن کی بیوہ کوٹا رانی نے شاہ میر اور دوسرے امرار کے مشورہ سے سہدیو کے بھائی ادیان دیو کو سوات سے واپس بلایا، جہاں وہ زدلجو کے حملے کے وقت سے مقیم تھا، اور اس کو گدی پر بٹھایا اور اس سے شادی کرلی۔[1] ادیان دیو کم ہمت اور نااہل تھا، اور اصل حکمرانی کوٹا رانی ہی کی تھی۔[2]

ادیان دیو کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد کشمیر کو ترکوں کے حملے کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا، ترک ملک کے اندر ہیرا پور[3] کے راستہ سے داخل ہو چکے تھے، ادیان دیو سراسیمگی کے عالم میں لداخ بھاگ گیا، لیکن کوٹا رانی نے ہمت نہ ہاری اور موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اپنے خاص افسروں مثلاً اپنے بھائی راون چندر، شاہ میر، اور بھٹ بھکشن[4] کی مدد سے اس نے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا، اس نے ان تمام سرداروں کو جنھوں نے بیرونی حملہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا، باغیانہ روش کو چھوڑ کر دشمن کے خلاف اس کے جھنڈے کے نیچے متحد ہونے کے لیے خطوط لکھے، اور ان پر ظاہر کیا، کہ آپس کی نااتفاقی اور خود غرضی کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، جیسا کہ زولجو کے حملے سے ہوا تھا، اس نے لوگوں کو زولجو کے حملے کی یاد دلائی، جب رہنماؤں کی بزدلی اور ملک کی اندرونی نااتفاقی کے سبب عوام نے کتنے مصائب جھیلے تھے، اس نے لوگوں سے کمربستہ ہونے اور دشمن کے خلاف صف آرا ہونے کی اپیل کی، کیونکہ خاندان اور ملک کے دفاع میں جان دینا، راہ

---

[1] یون راج ص ۲۴، بہارستان شاہی ۱۷ الف حسن ۱۰۱ ب، [2] بہارستان شاہی ورق ۱۷ الف حسن ۱۰۱ آب

[3] یہ ایک قسم کا ملہ تھا، لیکن یہ ترک کون تھے، اور اگر انھیں سلاطین دہلی نے بھیجا تھا، تو اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا،

[4] حملہ بولنے والوں کے سردار کے مختلف نام تاریخوں میں درج ہیں، فارسی کی زیادہ تر تاریخیں اس کا نام ادلی تاتی

راہ فرار اختیار کرنے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے کے لیے چھوڑ جانے سے ہزار گناہ بہتر ہے، اس کی اپیل نے سرداروں کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا، اور وہ اس کے گرد جمع ہو گئے، انجام یہ ہوا کہ ترکوں سے خون ریز جنگ ہوئی، اور انہیں مجبوراً وادی سے واپس جانا پڑا،[1] ترکوں کی واپسی پر ادیان دیو سری نگر لوٹا، لیکن بزدلانہ طور پر بھاگ جانے کی وجہ سے اس کی کوئی عزت باقی نہ رہ گئی تھی، لہٰذا وہ عوام کے معاملات سے بے تعلق ہو کر عزلت نشین ہو گیا، امور سلطنت کی نگرانی کا کام کوٹا رانی ہی سر انجام دیتی رہی،[2]

ادیان دیو کا انتقال ۳۳۹ھ میں ہوا، لیکن کوٹا رانی نے اپنے کو مضبوط بنانے کے خیال سے اس کی موت کی خبر کو چار روز تک پوشیدہ رکھا،[3] اس کے دو بیٹے تھے، ان میں سے ایک تو اس کے پہلے خاوند رنچن سے تھا، جو شاہ میر کی تولیت میں تھا، اور دوسرا ادیان دیو سے تھا، جس کا دلی بھٹ بھکشن تھا، اس نے اپنے دونوں بیٹوں کے استحقاق کی مطلق پروا نہ کی، اور خود مسند حکومت پر بیٹھ گئی،[4] لیکن عنان حکومت سنبھالتے ہی اس کو اپنے بڑے بیٹے کے اتالیق شاہ میر سے خطرہ لاحق ہو گیا،

شاہ میر

شاہ میر کے حسب نسب کے متعلق بے شمار روایتیں ہیں، کچھ اس کو مہابھارت کے ہیرو پانڈوؤں کے خاندان سے بتاتے ہیں،[5] دوسرے اس کا سلسلۂ نسب سوات کے حکمرانوں[6]

(بقیہ حاشیہ ۵۸) میں، (حیدر ملک (Billiatheque Nationale) ۳۳ب، حسن ۱۰۱ب، لیکن یون راج ص ۱۲۵ اس کا نام اچل بتاتا ہے، ۹؎ حیدر ملک (Billiatheque Nationale) کے مطابق ۳۳ب وہ کوٹا رانی کا رضاعی بھائی تھا، اور نکما افسر تھا، ۱؎ بہارستان شاہی ورق ۱۷ اب، حسن ورق ۱۰۱ب، ۱۰۲ب حیدر ملک ۱۰۴الف، ۱۰۵الف، حیدر ملک (Billiatheque Nationale) میں لکھتا ہے کہ ترکوں نے شکست کھا کر صلح کی اور تب واپس گئے، نرائن کول نے اسی بات کو مانا ہے، ۲؎ حیدر ملک ورق ۱۰۴الف،

۳؎ یون راج ص ۲۸ ۴؎ ایضاً بہارستان شاہی ورق ۱۷الف میں غلط لکھا ہے کہ اس وقت کوٹا رانی کی کوئی اولاد حیات نہ تھی، ۵؎ طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۲۱، فرشتہ ص ۴۷۲، یون راج پانڈوؤں کے شجرۂ نسب کے متعلق کچھ نہیں کہتا، ۶؎ بہارستان شاہی ورق ۹الف، حیدر ملک ورق ۹۱ب، حسن ورق ۸۶ب،

سے جوڑتے ہیں، لیکن شاہ میر اور اس کے جانشینوں کے کردار اور کارناموں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ وہ غالباً ترکی نژاد تھا، شاہ میر کے باپ کا نام طاہر تھا، اور اس کے دادا کا نام وقور شاہ تھا، اور بڑا ہی عبادت گذار اور مذہبی انسان تھا[۱۵]،

ترک روزگار کی تلاش میں قسمت آزمائی کرنے کی غرض سے گیارہویں صدی کے آخیر ہی سے کشمیر آنے لگے تھے،

یہاں کے ہندو حکمراں ان سے بڑی تعظیم سے پیش آتے تھے، اور ان کو اپنی فوج میں ملازم رکھ لیتے تھے، اسی طرح ۱۳۱۳ء میں شاہ میر اپنے قبیلہ کے ساتھ شہرت اور دولت کی جستجو میں کشمیر آیا، سہدیو ان دنوں کشمیر کا حکمراں تھا، اس نے شاہ میر کو ملازمت دے دی، اور بارہ مولہ کے پاس اس کو ایک گاؤں بطور جاگیر عطا کیا[۲۵]، زولجو کے حملے کے دوران اور رنچن کے برسر اقتدار ہونے کے سلسلہ میں اس نے کیا خدمات سرانجام دیں، اس کی خبر نہیں، لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ شاہ میر جیسا بے چین فطرت اور غیر معمولی سرگرمیوں والا انسان اپنے ارد گرد ہونے والے حوادث کا خاموش تماشائی تو نہ رہا ہوگا، اس کے علاوہ رنچن کو اس پر مکمل اعتماد تھا، اس لیے اس نے رام چندر کے خلاف رنچن کو ضرور مدد پہنچائی ہوگی، اس نے اپنے آپ کو تمام سازشوں سے علیحدہ بھی رکھا تھا، ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے رنچن نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا، اور اپنے اکلوتے بیٹے حیدر کا اتالیق بنایا[۳۵]،

---

۱۵ ایضاً یون راج ص ۱۵ پر اس کا نام غلطی سے تور شاہ بتاتا ہے، صوفی کاشر جلد اول ص ۱۳۰ میں یون راج کا تتبع کیا ہے: ۲۵ یون راج ص ۱۵ بہارستان شاہی ورق ۹ ب، طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۳۴، یون راج ص ۱۴۲، لکھتا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا، مجھے اس موضع کا پتہ نہ چل سکا، جو اس کو جاگیر میں ملا تھا، ۳۵ یون راج ص ۲۳ مبوبخ قلمی نسخہ ورق ۵۰ (الف)

اد یان دیو کے عہد میں شاہ میر نے اپنی موقع شناسی اور لیاقت سے اپنی حیثیت اور مضبوط کر لی، اس نے ترکوں کے حملے کے خلاف دفاعی تنظیم کرنے میں کوٹارانی سے تعاون کیا، اور آخر کار ان کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوا، اس سے ملک میں اس کا وقار بڑھا، اس کو مقبولیت بھی حاصل ہوئی، کیونکہ اس نے عوام کو ان تمام آفتوں سے بچا لیا تھا جن کا شکار وہ کچھ سال پہلے زلجو کے حملے کی وجہ سے ہو چکے تھے، اپنی حیثیت کو اور مستحکم بنانے کے لیے اس نے وادی کے خاص خاص جاگیرداروں کے گھروں میں شادی بیاہ کے رشتے قائم کیے[1]، جہاں شادی نہیں ہو سکتی تھی، اُن سرداروں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر اپنے زیر اثر کر لیا، ان باتوں سے اد یان دیو کے دل میں حسد اور دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی، اور اس کو یہ اندیشہ ہونے لگا، کہ کہیں شہزادہ حیدر جو رنچن کا جائز جانشین تھا کا آڑ لے کر شاہ میر اس کو اور اس کے جانشینوں کو تخت سے محروم نہ کر دے، لیکن شاہ میر کو اپنی طاقت پر پورا اعتماد تھا، اس لیئے اس نے اد یان دیو کی کوئی پرواہ نہ کی،[2]

اد یان دیو کے انتقال پر کوٹارانی تخت نشین ہوئی، لیکن شاہ میر کی اولوالعزمی اور بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراساں ہو کر اس نے بھٹ بھکشن کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا، وہ ساری مملکت میں سب سے زیادہ اہل اور طاقت ور انسان تھا، اور کوٹارانی کو یہ امید تھی کہ وہ شاہ میر کا پورا جواب ہوگا[3]۔ سری نگر میں شاہ میر بہت مقبول تھا، اس کی مقبولیت سے کوٹارانی کو خطرہ محسوس ہوا، اس نے اندر کوٹ[4] کو اپنی راجدھانی بنایا، شاہ میر کوٹارانی سے بہت برہم تھا کیونکہ اس نے اس کا حق مار کر دوسرے شخص کو حکومت

---

1. یون راج ص ۷-۲۶، 2. بہارستان شاہی ۱۷ الف، 3. یون راج ص ۲۷، یون راج ص ۲۸
4. بہارستان شاہی ۱۷ الف، حسن ۱۰۲ الف، حیدر ملک ۱۰۵ ب،

کے سب سے بڑے عہدہ پر فائز کیا تھا، اس لیے شاہ میر نے کوٹا رانی اور اس کے معتمد خاص کی حکومت کا تختہ الٹنے کا تہیہ کیا، پہلے تو سازش کر کے وہ بھکشن[5] کو قتل کرانے میں کامیاب ہوا، اس نے کوٹا رانی سے شادی اور امور حکومت میں شریک کرنے کے لیے کہا، اور انکار کی صورت میں اس نے جنگ کی دھمکی بھی دی، لیکن کوٹا رانی نے اس کی تجویز رد کر دی، کیونکہ اس کو اپنے ایک سابق نوکر سے شادی ناپسند تھی، وہ اولوالعزم تھی، اور حکومت کے نشہ میں چور ہونے کے سبب سے وہ کسی کو حکومت میں شریک کرنے کو تیار نہ تھی، شاہ میر نے سری نگر سے اندر کوٹ پر فوج کشی کی، اور کوٹا رانی کی فوج کو شکست دے کر جو اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے بھیجی گئی تھی، اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا،

مملکت کے سارے سرداروں کی حمایت شاہ میر کو حاصل تھی، اور کوٹا رانی کی فوجیں بھاگ کر شاہ میر کی فوجوں سے ملتی گئیں، یہ صورت دیکھ کر کوٹا رانی نے ہتھیار ڈالنے اور اس کی تجویز قبول کرنے کا فیصلہ کیا[6]، شاہ میر نے کوٹا رانی سے شادی کر لی لیکن اس پر اس کو اعتماد نہ تھا، کیونکہ اس نے بادل ناخواستہ اور مجبوراً ان باتوں کو قبول کیا تھا، اس کے علاوہ ملک میں کوٹا رانی کے ماننے والے اب بھی موجود تھے، شاہ میر کو اس بات سے اندیشہ تھا، اس نے کوٹا رانی اور اس کے دونوں بیٹوں کو نظر بند کر دیا[7]، پھر وہ سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے

---

[5] ایضاً یون راج ص ۲۶ پر رقم طراز ہے کہ شاہ میر نے بیماری کا بہانہ کیا اور جب گاکا یوری اسکی عیادت کو گیا، تو اس کو چھرا بھونک کے مار ڈالا، لیکن یہ قصہ جھوٹا ہے، ان کے تعلقات اچھے نہ تھے، اسلیے یہ ممکن نہیں ہے کہ گاکا یوری شاہ میر کی عیادت کو گیا ہو گا [6] بہارستان شاہی، ۲۷ الف حسن ورق ۱۰۳ الف ب حیدر ملک ق ۱۰۵ ب [7] یون راج ص ۳۲،

تخت نشین ہوا، اور اپنے خاندان کی داغ بیل ڈالی جس نے کشمیر پر دو سو سال سے زیادہ حکومت کی، کوٹارانی نے ۱۳۳۹ء میں قید خانے میں انتقال کیا، اس کے دونوں بیٹوں پر کیا گذری اُس باب میں مورخین خاموش ہیں،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲) میونخ قلمی نسخہ ۵۳ الف، یہ قصہ کہ شادی کے بعد حجلۂ عروسی میں داخل ہوتے ہی اس نے چھری بھونک لی، اور اپنی آنتوں کو نکال کر شاہ میر کو پیش کر، یون راج کے نزدیک مشکوک ہے، جو اس دور کا پہلا مستند مورخ ہے، وہ اس واقعہ کو نہیں بیان کرتا

(۴) چوتھا باب

سلطان شمس الدین اور اس کے جانشین

۱۳۳۹ - ۴۲ء

زونجو کے حملے اور تقریباً دو سو سال کی طوائف الملوکی اور بدنظمی سے وادی کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اس کو شمس الدین نے رنچن کی طرح بہتر بنانے کی کوشش کی، اس نے ان تمام زائد ٹیکسوں کو جو سابق حکومتوں نے عوام پر لگائے تھے، موقوف کر دیا، اور سارے جابرانہ قوانین کو منسوخ کر دیا[1] کسانوں سے پیداوار کا بڑا حصہ بطور لگان لیا، اور حریص عمال کی دست برد سے ان کو بچایا، اس نے جاگیرداروں کو قابو میں رکھا،[2] اور ان کے اثر کو کم کرنے کی غرض سے دو خاندانوں کو خاص طور سے آگے بڑھایا، ان میں سے ایک ماگرے خاندان تھا، جو دیسی نژاد تھا، اور دوسرا خاندان چک تھا، جو سہدیو کے عہد حکومت میں اپنے سربراہ لنکر چک کے ساتھ دردستان سے ترک وطن کر کے کشمیر آیا تھا، لنکر چک کو شمس الدین نے اپنا سپہ سالار بنایا، اور خاندان ماگرے کے کئی افراد کو اپنی حکومت کا اعلیٰ عہدے دار مقرر کیا، بہرحال خاندان شاہ میر کے ابتدائی دور میں ان دونوں خاندانوں نے کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی، واقعہ تو یوں ہے کہ زین العابدین

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ۵۳ ب طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۲۶ [2] ایضاً

کے عہد حکومت سے پہلے ان خاندانوں نے کشمیر کی تاریخ میں کوئی نمایاں کام نہیں کیا تھا،

شمس الدین نے مروجہ لوکک سنہ کے بجائے ایک نیا سنہ رائج کیا، جسے کشمیری سنہ کہتے ہیں، نیا سال رنچن کی تاجپوشی اور مشرف باسلام ہونے سے یعنی ۲۰ھ سے شروع ہوتا تھا، سلاطین کے عہد میں تمام سرکاری دستاویزوں میں اسی سنہ کا استعمال ہوتا تھا، سلاطین کے عہد میں یوں تو سرکاری احکام میں اس کا استعمال مغلوں کے فتح کشمیر کے بعد ختم ہو گیا تھا، لیکن وادی کے دیہی علاقوں میں اس کا استعمال ابھی حال تک ہو رہا ہے[1]،

اپنی زندگی کے آخری ایام میں شمس الدین نے سلطنت کا انتظام اپنے دو لڑکوں جمشید اور علی شیر کو سونپ دیا تھا[2]، اس نے ۱۳۴۲ء میں انتقال کیا، اور اندرکوٹ کے قریب سنبل میں مدفون ہے[3]، گمنام اور شاید معمولی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے شمس الدین تلاش معاش میں کشمیر آیا تھا، لیکن اس نے ملک میں پھیلی ہوئی سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھایا، اور اپنی جفاکشی، سوجھ بوجھ اور استقلال سے کام لے کر اقتدار حاصل کیا، اور خاندانی حکومت قائم کر ڈالی، اگرچہ اس کی میعاد حکومت صرف تین سال رہی، لیکن اس تھوڑے عرصہ میں رعایا کی وفاداری حاصل کرنے میں کامیاب رہا، اور رعایا اس کو اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی،

سلطان جمشید (۴۳-۱۳۴۲ء)

شمس الدین کے دو لڑکے جمشید اور علی شیر تھے جمشید عمر میں بڑا تھا، چنانچہ وہی تخت کا وارث ہوا، اس کو امور مملکت کا پہلے ہی سے تجربہ تھا، کیونکہ وہ اور اس کا بھائی ادیان دیو

---

[1] تاریخ حسن جلد دوم ص ۵۵ ب [2] یون راج ص ۳۳، طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۲۷، میونخ کا قلمی نسخہ ورق ۵۵ الف [3] یون راج ص ۳۳ [4] ایضاً ص ۲۶،

کے عہد میں کامراج اور مراج[1] کے والی رہ چکے تھے، اپنے باپ کے عہد حکومت میں بھی اسکو حکومت سے بڑی گہری وابستگی رہی، اس نے اچھے حکمران ہونے کا پورا ثبوت دیا، اور عوام کے فلاح و بہبود کے لیے اس نے کوشش کی، اس نے قصبہ جامن نگر اور پرگنہ اودین[2] کی بنیاد رکھی، سوپور میں دریائے جہلم پر پل تعمیر کیا، اور مختلف مقامات پر مسافروں کے لیے سرائیں بنوائیں، لیکن آنے والے خطرات کو وہ محسوس نہ کر سکا، اور نہ ان پر غالب آنے کے لیے اس نے کوئی تدبیر سوچی،

جمشید نے اپنے چھوٹے بھائی علی شیر کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اور اس پر اعتماد رکھتا تھا، اور امور سلطنت میں اس سے صلاح و مشورہ کرتا تھا،[3] لیکن علی شیر بلند حوصلہ انسان تھا، کچھ درباریوں کے بھڑکانے پر اس نے اونتی پور[4] میں تخت حاصل کرنے کے لیے علم بغاوت بلند کیا، جمشید نے مصالحت کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، اسی اثنا میں سلطان نے اپنے بیٹے کو دو لوشٹر میں ایک دوسری بغاوت کو فرو کرنے کے لیے فوج دے کر بھیج دیا، موقع پا کر علی شیر نے اپنے بھتیجے پر دھاوا بول دیا، اور اس کو شکست دی، لیکن اس کی غیر موجودگی میں اپنے وزیر پلکتمن بھٹ کے مشورہ سے جمشید نے اپنے بھائی کے صدر مقام اونتی پور پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ اس نے اونتی پور کا محاصرہ[5]

---

[1] لون راج ص ۲۴-۲۳، میونخ قلمی نسخہ ۵۰ الف، [2] نوادر الاخبار ۲۳ الف، گوہر عالم ۱۰۹ الف

[3] ایضاً ۳۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۰ الف، طبقات اکبری جلد سوئم ص ۴۲۰ کا یہ خیال کہ جمشید ابتدا ہی سے اپنے بھائی کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا، کشمیر کی تاریخوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، [4] یہ ایک گاؤں ہے عرض البلد ۳۳/۵۵ و طول البلد ۷۵/۴۱ جہلم کے داہنے کنارے پر سری نگر سے جنوب مغرب ۶ میل پر یہ اس جگہ واقع ہے جہاں راجہ اونتی ورمن نے اسی نام کا ایک قصبہ بسایا تھا [5] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۹ الف

کیا، اور اس کی فوج کو کافی نقصان پہنچایا لیکن علی شیر کی آمد کی خبر سن کر وہ پیچھے ہٹ آیا، اور اس کے ساتھ دو مہینے کے لیے ایک عارضی صلح پر دستخط کیے، لیکن جب وہ کمزور ہو گیا تو علی شیر نے اس عارضی صلح کو نظر انداز کر دیا اور سری نگر کے نگران سراج کو رشوت دے کر اس نے راج دھانی پر قبضہ کر لیا، اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا، جمشید کے پاس مقابلہ کرنے کی قوت باقی نہ تھی، اس لیے بے بس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا، اور وادی میں ایک سال، ۱۰ ماہ تک مارے مارے پھرنے کے بعد ۳۴۵ھ میں وفات پا گیا،

سلطان علاء الدین (۱۳۴۳ء-۵۴ء)

تخت نشین ہونے پر علی شیر نے علاء الدین کا لقب اختیار کیا، اس نے تقریباً گیارہ سال حکومت کی، اور جو کچھ اس کے عہد کے بارے میں معلوم ہو سکا ہے، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ قابل، منصف مزاج اور طاقت ور حکمران تھا، اس نے اپنے پیش روؤں کے اصلاحی کاموں کو جاری رکھا، اس نے پہلے کاشتکاروں کو واپس بلا کر ان کو ان کے کھیت دیئے، جو زوجو کے حملہ کی وجہ سے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس نے اجڑے ہوئے شہروں کو پھر سے بسایا، جس سال وہ سلطان ہوا، اسی سال بے وقت بارش کی وجہ سے فصل تباہ ہو گئی تھی، اور وادی میں سخت قحط پڑا تھا، لیکن اس نے اپنی رعایا کے مصائب کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کی، اس نے اندر کوٹ میں کئی خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں، جس کو اس نے اپنی راج دھانی بنائی، اپنے نام پر علاء الدین پور کا قصبہ بسایا، جو اب سری نگر کا حصہ ہے، پھر ایک قانون نافذ کیا، جس کی رو سے لاولد

---

[1] ورق ۵۴ ب ۵۵ ب یون راج ص ۳۵-۳۳ [2] یون راج ص ۳۵ [3] واقعات کشمیر ورق ۱۱۷ الف [4] یون راج ص ۳۷ [5] ایضاً ص ۳۷، بہارستان شاہی ورق ۱۸ ب

بیوہ بدکاری کی مرتکب ہونے پر اپنے خسر کی جایداد سے محروم ہو جاتی تھی،[۱] اس کے عہد حکومت میں قبیلہ لون نے علم بغاوت بلند کیا، لیکن اس کے تمام افراد کشتواڑ بھاگ گئے، لیکن علاء الدین نے ان کا پیچھا کر کے ان کو گرفتار کیا، اور کشمیر لا کر انہیں جیل میں رکھا، اور ان کے سربراہوں کو پھانسی کی سزا دی،[۲] علاء الدین نے ۱۳۵۴ء میں انتقال کیا، اور نو آباد قصبہ علاء الدین پور میں دفن ہوا،[۳]

سلطان شہاب الدین (۱۳۵۴-۷۳ء)

علاء الدین کے بیٹے اور جانشین شیر آشامک[۴] کے متعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہیں معلوم کہ حکومت کے انتظام میں وہ اپنے باپ کا شریک کار تھا، تخت نشین ہونے پر اس نے شہاب الدین کا لقب اختیار کیا، وہ بڑا جانباز اور طاقتور تھا، اور قریب و جوار کی مملکتوں پر اپنا اقتدار جمانے کا حوصلہ رکھتا تھا، لیکن اقتدار کی جنگ شروع کرنے سے پہلے اس نے ملک میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرنا زیادہ ضروری سمجھا، زلجو کے حملہ کے بعد کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر جاگیرداروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، اور بڑے مضبوط قلعے بنوا لیے تھے، شہاب الدین کے پیشروؤں نے ان میں سے کئی ایک کو مغلوب کر لیا تھا، لیکن اب بھی کئی سردار ایسے موجود تھے، جو خراج دینے سے انکار کرتے تھے، اور حکومت کے احکام

---

[۱] یون راج ص ۳۷، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ الف [۲] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ الف ب [۳] یون راج ص ۳۷ [۴] بہارستان شاہی ورق ۱۸ ب [۵] فرشتہ طبقات اکبری اور میونخ کے قلمی نسخہ پر درج ہے، کہ وہ شاہ میر کا بیٹا تھا، اور علاء الدین کا بھائی تھا، لیکن یہ غلط ہے، یون راج نے اس کو ایک جگہ شاہ میر کا بیٹا کہا ہے، (ص ۳۵) لیکن دوسری جگہ اس کو شاہ میر کا پوتا بتاتا ہے (ص ۳۶) فارسی کی دوسری تاریخیں شہاب الدین کو علاء الدین کا بیٹا بتاتی ہیں،

کی خلاف ورزی کرتے تھے، شہاب الدین نے سب سے پہلے ان پانچ سرداروں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا، جن سرداروں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا، ان کو اس نے قتل کر دیا، لیکن جنھوں نے وفادار رہنے کا وعدہ کیا، ان کو اس نے معاف کر دیا، اور جب اس کو اس بات کا یقین ہو گیا، کہ اس کی غیر موجودگی میں وادی میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا، تو وہ ان علاقوں کو تسخیر کرنے چلا، جو کبھی مملکت کشمیر میں شامل تھے،

کشمیر کی تاریخوں میں لکھا ہے، کہ شہاب الدین نے بارہ مولہ کے راستہ سے فوج کشی کی، اور پکھلی اور سوات پر قبضہ کر لیا، پھر اس نے ملتان، لمغان، کابل، غزنی، قندھار پر حملہ کیا، اور ان پر ایک ایک کر کے قبضہ کیا،[1] پھر اس نے کوہ ہندوکش کو پار کر کے بدخشان پر حملہ کیا،[2] اس کے بعد اس نے گلگت اور دارد کی طرف قدم بڑھائے، اور ان کو اپنی حکومت میں شامل کیا، اور پھر بلتستان اور لداخ کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا، کاشغر کا حکمراں جس کی حکومت میں یہ صوبے شامل تھے شہاب الدین کے حملے کی خبر سن کر ایک عظیم لشکر لے کر چل پڑا، لداخ میں اس سے مقابلہ ہوا، اگرچہ کشمیری فوج کاشغر کی فوج سے تعداد میں کم تھی، لیکن کامیاب رہی، اس طرح بلتستان اور لداخ پر قبضہ ہو گیا، اسی دوران میں شہاب الدین کے ایک فوجی سردار ملک حیدر نے کشتواڑ اور جموں کو فتح کر لیا،[3] دوسری طرف شہاب الدین نے لداخ سے نگرکوٹ (کانگڑہ) کی طرف کوچ کیا، اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد ستلج کے میدان میں خیمہ زن ہوا، یہاں ۱۳۶۱ء میں نگرکوٹ کے راجہ اودک تی

---

[1] مونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ ب، ۵۷ الف بہارستان شاہی ورق ۲۰ الف ۲۱ ب حیدر ملک ورق ۱۰۸ ب

[2] حیدر ملک ورق ۱۰۸ ب، بعد کی تاریخوں میں ماوراء النہر کو بھی شامل کر لیا گیا ہے،

[3] بہارستان شاہی ورق ۲۰ الف، ۲۱ الف، حسن ورق ۱۰۵ ب، ۱۰۶ ب، طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۲۹

سے اس کی جنگ ہوئی، جو حال ہی میں فیروز شاہ تغلق کی مملکت پر حملہ کر کے کثیر مال غنیمت لیکر لوٹا تھا۔ شہاب الدین نے اس کو شکست دی، اور اس کو مال غنیمت سپرد اور اس کی حکومت تسلیم کرنے پر مجبور کیا[1]، اس کے بعد ۵۰ ہزار سوار اور ۵۰ ہزار پیدل سپاہ لے کر وہ دلی کو فتح کرنے کے لیے چل پڑا، فیروز شاہ تغلق نے ستلج کے کنارے اس کا مقابلہ کیا، یہ جنگ فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی، اس لیے ان کو صلح کرنی پڑی، اس صلح سے سرہند سے لے کر کشمیر تک کا علاقہ شہاب الدین کو ملا، اور بقیہ مشرقی علاقہ فیروز شاہ کی مملکت میں رہا[2] اس سے فیروز شاہ کی دو لڑکیاں شہاب الدین اور اس کے بھائی قطب الدین سے منسوب ہوئیں، اور شہاب الدین کی لڑکی کی شادی فیروز شاہ سے ہوئی[3]، یہ شہاب الدین کی آخری فوج کشی تھی، اس کے بعد وہ کشمیر واپس آیا، اور اپنی حکومت کے بقیہ ۹ سال ملک میں اصلاح کے کام میں مشغول رہا۔

شہاب الدین کی فتوحات کا ذکر کشمیر کی تاریخوں میں بڑی مبالغہ آرائی سے آیا ہے، اور ان کی کوئی معاصر سند بھی نہیں ملتی جس طرح دو صدی پہلے کلہن نے اپنے ہیرو للتادتیہ[4] کے فوجی کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا، اس طرح یون راج اور دوسرے کشمیری مورخین شہاب الدین کے کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، مثال کے طور پر اس بات کی کوئی بھی شہادت نہیں ملتی، کہ شہاب الدین نے کوہ ہندوکش

۱؎ مونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶ الف، ب، یون راج ص ۳۹، طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۲۸

۲؎ بہارستان شاہی ورق ۲۸، الف حسن ۱۰۷ ب، حیدر ملک ۱۰۸ ب، ۱۰۹ ب،

۳؎ نوادر الاخبار ورق ۲۸ الف گوہر عالم ورق ۱۱۳ الف، ب، ۴؎ دیکھو ریناؤ کی Memaireaur l l'Inde ص ۱۹۰ و بعدہ،

کو پار کر کے اس کے آگے کے علاقوں پر قبضہ کرلیا، واقعہ تو یوں ہے جیسا کہ فرشتہ[1] اور نظام الدین لکھتے ہیں، پہاڑ کو پار کرنے کی مشکلات کو سمجھ کر وہ وہاں سے واپس لوٹ آیا، اسی طرح یہ دعوی کہ سلطان نے کابل، غزنی اور قندہار کو فتح کیا، ناقابل قیاس معلوم ہوتا ہے، اس کی فتوحات کا رقبہ اس سے کم تھا، اس کے مفتوحہ علاقوں میں مشرق میں گلگت، دردستان، بلتستان، شمال کی طرف لداخ جنوب میں کشتواڑ، جموں، چمبا اور دوسری پہاڑی ریاستیں اور مغرب میں پنجاب کا جنوبی اور مغربی علاقہ اور ضلع پشاور شامل تھا جہاں تک شہاب الدین کے فیروز شاہ کے تعلقات کا تعلق ہے، یہ ممکن ہے کہ دونوں میں اس وقت ملاقات ہوئی ہو، اور آپس میں صلح ہوئی جب[2] کہ شہاب الدین نگر کوٹ کے راجہ کے خلاف فوج کشی کر رہا تھا، لیکن اس کی کوئی مستند شہادت نہیں ملتی کہ کشمیر اور دہلی کے سلاطین میں کوئی جنگ ہوئی تھی، اور آپس میں شادی

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ ب، ۵۶ الف، بہارستان شاہی ورق ۲۰ ب، ۲۱ ب حیدر ملک ورق ۱۰۰ اب سید علی نے تاریخ کشمیر میں ان فتوحات کو سید علی ہمدانی کے بھتیجے تاج الدین کے بیٹے سید حسن سے منسوب کیا ہے، [2] جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی جلد اٹھارہ (۱۸۱۶ء) ص ۴۵۳، شہاب الدین کی راجہ نگر کوٹ اور فیروز شاہ سے ملاقات کی تاریخ کا تعین ذرا غیر واضح ہے، فیروز شاہ کے دور حکومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملاقات ۱۳۶۰ء یا اس کے بعد ہوئی ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے فیروز کہیں اور مصروف تھا (منتخب التواریخ جلد اول ص ۲۷-۳۲۰) لیکن یہ مشکل جونراج کے بیان سے پیدا ہوتی ہے کہ ۱۳۶۰ء میں کشمیر میں سیلاب آیا تھا، اور اس زمانہ میں شہاب الدین سری نگر میں موجود تھا، عین ممکن ہے کہ سیلاب کے فوراً بعد شہاب الدین فیروز شاہ سے ملنے آیا ہو، اس کا مطلب ہے، کہ دونوں کی ملاقات ۱۳۶۰ء سے پہلے ہوئی ہو، لیکن یہ نا ممکن ہے کیونکہ دہلی

بھی ہوئی تھی۔[۱]

شہاب الدین نہ صرف ایک آزمودہ کار سپاہی تھا، بلکہ ایک قابل حکمران بھی تھا، اور حکومت کا انتظام عدل وانصاف اور استقلال سے کرتا تھا لیکن اس کا ایک حکم بڑا ظالمانہ تھا، جو کئی سال تک نافذ رہا، کہ مہینے میں سات دن ہانجیوں (ملاح) کو کسی مزدوری کے بغیر بادشاہ کی خدمت کرنی ہوگی۔[۲] باج کی وصولی میں عوام پر بڑی سختی ہوتی تھی۔[۳] لیکن وہ علماء کی سرپرستی کرتا تھا، اور اس نے کئی مدرسے کھولے جہاں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔[۴] اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتا تھا، اور فارسی کے مورخین کا یہ کہنا کہ اپنی حکومت کے آخری دور میں اس نے بت شکنی سے دلچسپی لی غلط ہے۔[۵] جون راج پرانا اور معتبر مورخ ہے، اس کا یہ بیان ہے کہ جب جنگ کے کثیر اخراجات کی وجہ سے خزانہ خالی ہوگیا، اس کے وزیر اودے شری نے بدھ کی پیتل کی مورتی کو پگھلا کر سکہ

(بقیہ حاشیہ ص ۷۱) کے سلطان کے سفر کے حالات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، ہو سکتا ہے کہ سیلاب جون راج کے قول کے خلاف ۱۳۶۰ء میں نہیں بلکہ ۱۳۶۲ء میں آیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ شہاب الدین اور فیروز شاہ کی ملاقات اوائل ۱۳۶۰ء میں ہوئی ہو، اور اس کے بعد سیلاب کے زمانے میں شہاب الدین سری نگر واپس ہوا ہو،

[۱] نہ تو جون راج اور نہ فیروز شاہ کے عہد کی کسی تاریخ میں جنگ اور شادی کا حوالہ ملتا ہے، بہارستان شاہی اور حیدر ملک کی تاریخ میں رشتہ ازدواج کا حوالہ نہیں ہے، صرف کشمیر کی بعض تاریخوں میں اس کے سندھ اور کابل کے حکمرانوں سے رشتہ ازدواج کا حوالہ ملتا ہے لیکن یہ سب روایتیں قصہ ہیں

[۲] بہارستان شاہی ورق ۱۹ الف حسن ۱۰۳ الف، حیدر ملک ورق ۱۰۷ الف [۳] حیدر ملک ورق ۱۰۷ ب [۴] نوادر الاخبار ورق ۲۹ الف، گوہر عالم ورق ۱۱۰ ب، [۵] بہارستان شاہی ورق ۲۲ الف، حسن ۱۰۷ ب، حیدر ملک ۱۰۹ ب،

بنانے کا مشورہ دیا تو سلطان نے خفا ہو کر جواب دیا، گذشتہ نسلوں نے ان دیوتاؤں کی مورتیان نصب کر کے عزت و افتخار حاصل کیا اور تم ان کو گرا دینے کا مشورہ دیتے ہو، کچھ لوگ تو ان کو نصب کر کے مشہور ہوئے، کچھ لوگوں نے ان کی پرستش کر کے عزت پائی، کچھ لوگوں نے ان کی نگہداشت کی اور کچھ لوگ ان کو گرا کر اپنا نام پیدا کریں، یہ کیتنی سنگین بداخلاقی ہے۔[۱]

اپنے دادا اور چچا کی طرح شہاب الدین نے بھی ایک نیا شہر بسایا، یہ جہلم اور سندھ کے خوبصورت سنگم کے پاس تھا، اور اس کے نام سے شہاب الدین پور سے موسوم تھا،[۲] اس شہر میں اس نے ایک مسجد تعمیر کرائی، اور عوام کی خاطر باغات اور تفریح گاہیں بنوائیں،[۳] اسی اثنا میں سنہ ۱۳۶۰[۴] میں کشمیر میں زبردست سیلاب آیا جس سے سارا سری نگر کا شہر گھر گیا تھا، بہت سی جانیں تلف ہوئیں، اور مال و اسباب برباد ہوئے، اور سلطان کو ایک پہاڑی قلعہ میں پناہ لینی پڑی تھی، پانی گھٹنے کے بعد اس نے کوہ ماران پر ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی، تاکہ یہ سیلاب سے محفوظ رہے، اور اپنی رانی لکشمی کے نام پر اس کا لکشمی نگر نام رکھا، سلطان نے ایک اور شہر شہاب پور بسایا، جو اب شیام پور کہلاتا ہے، اور سری نگر کا ایک حصہ ہے،[۵] اس نے بہت سی مسجدیں اور خانقاہیں بھی تعمیر کرائیں،

شہاب الدین بڑا مردم شناس تھا، اور اپنی حکومت میں ان ہی لوگوں کو ملازم رکھتا تھا جو اپنی لیاقت اور دیانت داری کے لیے مشہور ہوتے تھے، اور ان کو اپنے وزیر

۱؎ جون راج ص ۴۴ ۲؎ جون راج ۴۲، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶ ب، بہارستان شاہی ورق ۱۲ ب، شہاب الدین پور اب شادی پور کے نام سے مشہور ہے، (دیکھو ص ۱۱۷ اور حاشیہ ۵ کتاب ہذا)

۳؎ دیکھو ص ۳۴ حاشیہ ۲ کتاب ہذا (سیلاب کی تاریخ کے متعلق) ۴؎ جون راج ص ۴۱ میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶ ب

۵؎ میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶، تاریخ حسن منقولہ صوفی جلد اول ص ۱۳۹ -

اُدّے شری اور کوٹہ بھٹ پر بڑا اعتماد تھا[1] اُدّے شری اس کا وزیر اعلیٰ اور وزیر مال تھا[2] لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد کوٹہ بھٹ نے دنیا کو تیاگ دیا، اور جنگل میں رہنے لگا، اس کے فوجی سرداروں[3] میں ملک حیدر، شور لونک[4] اور اچل رینا تھے، موخر الذکر رام حیدر کی نسل سے تھا، سلطان[5] نے اس کو موضع چادر البطور جاگیر[6] عطا کیا تھا،

شہاب الدین کے آخری ایام اچھے نہیں گذرے، اس کو اپنی ملکہ لکشمی کی بہن کی لڑکی لاسہ سے تعلق پیدا ہو گیا تھا جس کو اس کی ملکہ نے پرورش کیا تھا، وہ بڑی حسین اور زیرک تھی، اس نے اپنی چال سے سلطان اور ملکہ میں علیحدگی کرا دی، اور پھر اس کے دونوں لڑکوں حسن خان اور علی خان[7] کو جلاوطن کرا دیا، لڑکوں کی جدائی سلطان پر بہت شاق گذری لیکن لاسہ کی وجہ سے وہ اپنے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتا تھا، بہر حال اپنی موت سے قبل ۱۳۷۳ء میں اس نے اپنے لڑکوں کو جو دہلی میں مقیم تھے، سری نگر واپس ہونے کو لکھا، اس حکم کو صرف حسن نے مانا لیکن اپنے باپ کی زندگی میں اس سے ملاقات نہ کر سکا،[8]

سلطان قطب الدین ۱۳۷۳ء تا ۱۳۸۹ء

شہاب الدین کے انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ہندال قطب الدین کا لقب اختیار[1] کر کے تخت نشین ہوا، وہ نہ صرف ایک قابل حکمراں تھا، بلکہ بڑا خوش مذاق بھی تھا، شاعر

---

[1] جون راج ص ۴۱، بہارستان شاہی ورق ۱۲ الف جون راج کا اُدّے شری وہی ہے جو فارسی تاریخوں میں اُد شہر اول کے نام سے مشہور ہے، [2] حسن ورق ۱۰۵ الف، [3] جون راج ص ۳۰، ۱۴۸، جون راج کا حیدر ڈامر، بہارستان شاہی کا ملک حیدر، اور حیدر ملک کا حیدر ڈار ہے، شور لونک فارسی تاریخوں کا شہر اول ہے، [4] بہارستان شاہی ورق ۲۱ ب حسن ورق ۱۰۷ الف حیدر ملک ورق ۹۰ الف، نوادر الاخبار میں سید حسن ابن سید تاج الدین جو سید علی ہمدانی کا بھتیجا تھا، کا بھی سلطان کے فوجی سرداروں میں درج ہے، [5] جون راج ص ۴۲ و بعد و موخ قلمی ورق ۹۵ الف [6] جون راج ص ۴۰-۴۸، موخ قلمی نسخہ ورق ۹۵ الف،

تھا، اور علم و ادب کا مربی تھا،[۱] اور دے تری کی بغاوت فرد کرنے کے بعد اس نے اپنے نام سے ایک نیا شہر قطب الدین پور بسایا،[۲] اس کے دورِ حکومت کے آخری ایام میں ملک میں سخت قحط پڑا لیکن لوگوں میں کھانے، غلہ اور روپیہ تقسیم کرکے سلطان نے ان کو مصائب سے نجات دلائی۔[۳]

تخت نشین ہوتے ہی اس کو لوہر میں ایک زبردست بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، شہاب الدین کے آخری دورِ حکومت میں بھی یہاں کے ایک سردار نے اس کی اقتدار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا، اور خراج دینے سے انکار کر دیا تھا، سلطان نے اس کے خلاف کچھ فوج روانہ کی تھی، لیکن یہ فوج ناکام رہی، قطب الدین نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اس نے لولک کو جو اس کے بھائی کی ملازمت میں رہ چکا تھا، لوہر کو فتح کرنے کے لیے بھیجا، سردار نے مقابلہ کو بے کار سمجھ کر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا، اور کچھ برہمنوں کو کشمیر کے فوجی سردار سے اطاعت قبول کرنے کی شرائط پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، لولک نے یہ سوچ کر کہ سردار کی نیت درست نہیں، ان قاصدوں کو جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا اور ان کو سزا دی، اس سے سردار بہت برہم ہوا، اور اس نے ہتھیار نہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، اور ایک چھتری کی طرح لڑتے ہوئے مرنا قبول کیا، قلعہ سے باہر نکل کر وہ اور اس کے ساتھیوں نے محاصرہ کرنے والوں پر تیروں اور پتھروں سے حملہ کیا، لولک مارا گیا، اور اس کی فوج پسپا ہوگئی، اس طرح لوہر فتح نہ ہو سکا،[۴]

---

[۱] واقعات کشمیر ورق ۱۷ ب، [۲] اب یہ سری نگر میں لنگر ہٹہ اور پیر حاجی محمد دو محلوں پر مشتمل ہے، [۳] یون راج ص ۵۳ میونخ قلمی نسخہ ۵۹ ب

[۴] یون راج ورق ۵۰ ب یون راج ص ۸۰-۷۹،

اس کے بعد فوراً قطب الدین کو اپنے وزیر اعلی اودے شری کی سازش کا مقابلہ کرنا پڑا، پہلے ذکر آیا ہے کہ شہاب الدین نے مرنے سے قبل اپنے دونوں لڑکوں کو دہلی سے واپس بلایا تھا، جہاں وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اس بلاوے پر صرف شہزادہ حسن کشمیر روانہ ہوا، لیکن جموں پہنچنے پر اس کو اپنے باپ کے انتقال کی خبر ملی، تو اس نے آگے بڑھنے کا خیال ترک کر دیا[1]، قطب الدین نے سری نگر واپس آنے پر اصرار کیا، اور اس کو اپنا ولی عہد بننے کو کہا کیونکہ اس کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی[2]، شہزادہ حسن واپس آیا، تو سلطان نے نوازش اور شفقت کے ساتھ خیر مقدم کیا، لیکن اس کی آمد کے کچھ عرصہ کے بعد سازشوں کی وجہ سے چچا اور بھتیجے میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں، ان میں سے کچھ نے تو سلطان کو یہ کہہ کر بھڑکایا، کہ شہزادہ کو گرفتار کر لینا چاہیے، کیونکہ جلد یا دیر وہ تخت شاہی کو غصب کرے گا، کچھ دوسرے درباریوں نے جن کا سربراہ اودے شری تھا، سلطان کو قتل کرکے حسن کو حکمراں بنانے کی سازش کی، لیکن اس سازش کا پتہ چل گیا، اودے شری کے مشورے سے حسن لوہرکوٹ بھاگ گیا، اور باغیوں کو اکٹھا کرنے لگا، اودے شری گرفتار کر لیا گیا تھا، لیکن اس کی لیاقت اور سابق خدمات کا خیال کرکے قطب الدین کی ملکہ سُرا کی مداخلت کی وجہ سے اس کو رہا کرکے معاف کر دیا گیا، اس کے باوجود اودے شری نے وہاں سے نکل بھاگنے اور شہزادے سے جاملنے کی کوشش کی لیکن وہ پکڑا گیا، اور اس کو قتل کر دیا گیا، اس کے بعد قطب الدین نے فوج کو رشوت دے کر شہزادہ حسن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا، اور پھر اس کو قید کر دیا[3]،

[1] مورخ قلمی نسخہ (تاریخ کشمیر) ۵۹ الف [2] یون راج ص ۹ سہ [3] یون راج ص ص ۲ - ۰، مورخ قلمی نسخہ ورق ۵۸ ب ۵۹ الف،

قطب الدین کے عہد کا سب سے اہم واقعہ سید علی ہمدانی کی تشریف آوری ہے، جو عام طور سے امیر کبیر یا علی ثانی کے نام سے مشہور ہیں، یہ چودھوین صدی کی اسلامی دنیا کی سب سے ممتاز شخصیتوں میں سے تھے، وہ ہمدان میں بروز دوشنبہ ۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء کو پیدا ہوئے، اور شہر کے مشہور خاندان سادات سے ان کا سلسلہ نسب ملتا تھا[1] ان کے والد سید شہاب الدین ہمدان کے والی تھے، لیکن سید علی نے اپنے والد کے سیاسی معاملات مین کوئی دلچسپی نہیں لی، بلکہ وہ اپنے ماموں کے زیر اثر تھے، جو ایک ممتاز صوفی تھے، علاء الدین سید علی کے پہلے استاد تھے، اور ان کو اوائل عمر میں درس قرآن دیا،[2] اس کے بعد سید علی شیخ شرف الدین محمود ابن عبد اللہ مزدقانی کے مرید ہوئے، جو ان کے چچا کے پیر تھے،[3] انھون نے شیخ رکن الدین علاء الدولہ اور پھر قطب الدین نیشاپوری سے بھی درس لیا، شیخ رکن الدین کی خدمت میں ۶ سال تک حاضر رہ کر انھون نے تقی الدین دستی سے ۲ سال تک فیوض حاصل کیے،[4] لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ اپنے پرانے استاد شرف الدین محمود کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور انھون نے ان کی تعلیم کمل کردی،[5]

تعلیم ختم کرکے سید علی اپنے اساتذہ کی خواہش کے مطابق سفر پر نکل پڑے، جو سفر کو حصول علم کا بڑا ہی کارآمد ذریعہ سمجھتے تھے، انھون نے متعدد سفر کیے، بعض اسناد کے مطابق انھون نے تین بار دنیا کی سیاحت کی،[6] وہ حج بیت اللہ کے لیے کئی مرتبہ

---

۱ جرنل ایشیاٹک جلد ۱xcc، ۲۷۰ ص ۵۴ ۲ فتوحات کبرویہ ورق ۱۳۵ الف، ب اور جعفر بدخشی کی خلاصۃ المناقب ورق ۰ ۹ الف، ۳ ایضاً ورق ۱۳۶ الف اور نفحۃ الانس ص ۵۱۵، ریاض العارفین ص ۱۷۹ حبیب السیر جلد سوم ص ۸۷، ۴ فتوحات کبرویہ ورق ۱۳۶ ب، ۱۳۷ الف، ۵ نفحۃ الانس ص ۵۱۵، حبیب السیر جلد سوم ص ۸۷، ۶ ایضاً

مکہ معظمہ گئے، اور اسلامی دنیا کے مختلف مقامات کی سیر کی[1]، لیکن ان کا سب سے اہم سفر کشمیر کا تھا جس کے اس ملک کے لیے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے،

سید علی کشمیر پہلی بار ۱۳۷۲ء میں وارد ہوئے، چار ماہ کے قیام کے بعد وہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گیے، اور پھر وہاں سے ہمدان واپس آئے، دوسری مرتبہ وہ ۱۳۷۹ء میں قطب الدین کے دورِ حکومت میں تشریف لائے، اس مرتبہ انھوں نے وادی میں ڈھائی سال تک قیام کیا، اور پھر لداخ ہو کر ترکستان چلے گئے، وہ تیسری اور آخری مرتبہ ۱۳۸۳ء میں آئے، اور تقریباً ایک سال قیام کر کے ترکستان چلے گئے[2]،

سید علی کی تیسری آمد کا سبب ۱۳۸۳ء میں فارس پر تیمور کا تیسرا حملہ تھا، جب کہ اس نے عراق کو فتح کر کے ہمدان کے علوی سادات کو جو مقامی سیاست میں بہت اہم مقام رکھتے تھے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، سید علی نے ہمدان کو سات سو سیدوں کی معیت میں چھوڑ دیا، اور کشمیر کی طرف چل پڑے، جہاں ان کو امید تھی کہ وہ تیمور[3] کے غیظ و غضب سے محفوظ رہیں گے، سری نگر کے قریب ان کی آمد کی خبر سن کر سلطان قطب الدین نے اپنے خاص سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا بڑے جوش و خروش اور عزت و تکریم سے شہر میں خیر مقدم کیا، سید علی نے علاء الدین پور میں ایک سرائے میں قیام کیا، وہاں انھوں نے ایک صفہ (چبوترہ) بنوایا، جہاں پر وہ نماز پڑھتے تھے جس میں قطب الدین بھی[4] شامل ہوتا تھا،

---

[1] فتوحات کبرویہ ورق ۱۳۵ الف، ۱۳۷ ۔ [2] تاریخ کبیر ص ۱۲ ۔ [3] جرنل ایشیاٹک ج ۲۷۰
ا۶۶ ص ۶۲-۶۱

[4] ایضاً ص ۶۲ [5] بہارستان شاہی ورق ۴۲ الف حسن

اس وقت کشمیر میں بہت تھوڑے سے مسلمان تھے، اور اکثریت ہندوؤں کی تھی، لباس، طور طریقہ اور رسم و رواج میں ہندوؤں سے کوئی امتیاز نہ تھا۔[1] مثال کے طور پر علاء الدین پور میں ایک مندر تھا جس میں ہر صبح سلطان اور رعایا جایا کرتے تھے۔[2] ایک بار قحط کو دفع کرنے کے لیے قطب الدین نے یگیہ کیا، اور برہمنوں کو بہت سے تحائف دیئے،[3] اور شرع اسلامی کے خلاف اس نے دو سگی بہنوں سے شادی بھی کی۔[4] سید علی نے ان باتوں کے خلاف آواز بلند کی، اور قطب الدین کو ایک بیوی کو طلاق دینے اور دوسری کو رکھنے کو کہا، اس نصیحت کے مطابق سلطان نے بڑی بہن کو طلاق دیدیا، اور چھوٹی بہن سورا سے دوبارہ نکاح کیا جس سے دو لڑکے سکندر اور ہیبت پیدا ہوئے، سید علی نے سلطان کو مسلم ممالک کا عام لباس زیب تن کرنے کی بھی تاکید کی، برہمن پروہتوں سے مناظرہ کیا، اور اس طرح بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے،

قطب الدین سید علی کے تمام مشوروں پر عمل نہ کرتا تھا، کیونکہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا، لیکن وہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا، اور روزانہ انکی زیارت کو جاتا تھا، سید علی نے اپنی کلاہ سلطان کو عطا فرمائی جس کو وہ ہمیشہ اپنے تاج کے نیچے پہنا کرتا تھا، بعد کے سلاطین نے اس دستور کو جاری رکھا، اور آخر کار فتح شاہ کی وصیت کے مطابق کلاہ کو اس کے جسد خاکی کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔[5] وادی میں ایک سال

---

[1] حیدر ملک (Bibliatheqnc Nationale) ورق ۳۷ ب [2] فتوحات کبرویہ ورق ۱۴۷ الف، تاریخ کشمیر از سید علی [3] جون راج ص ۵۳ [4] فتوحات کبرویہ ورق ۱۴۷ ب

[5] حسن ۱۱۱ الف، حیدر ملک ۱۱۱ الف، کہا جاتا ہے کہ جب ایک درویش نے کلاہ مبارک فتح شاہ کے ساتھ دفن ہونے کی خبر سنی، تو اس نے خاندان شاہی کے خاتمہ کی پیشنگوئی کی،

کے قیام کے بعد سید علی نے رخت سفر باندھنے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے ان سے ارادہ سفر ملتوی کرنے کے لیے بہت منت و عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے، اور اپنے کچھ مریدوں کو لے کر روانہ ہو گئے، سلطان کی درخواست پر انھوں نے مولانا محمد بلخی کو جو عام طور پر میر حاجی محمد کے نام سے مشہور ہیں، سلطان کو شرعی معاملات میں ہدایت دینے کو چھوڑ دیا[1]، سید علی پہلے پکھلی گئے، اور پھر وہاں سے کافرستان کے قریب کنار پہنچے، یہاں وہ سخت بیمار پڑے اور ۱۹ر جنوری ۱۳۸۵ء کو وفات پائی، اور ختلان میں سپرد خاک ہو گئے[2]،

سید علی عربی اور فارسی کے متبحر عالم تھے، انھوں نے ایک سو سے زائد تصنیفات منطق، فلسفہ، سیاست، علم الاخلاق، تصوف، اور فقہ و تفسیر پر چھوڑی ہیں[3]، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قیافہ شناسی پر ایک رسالہ قیافہ نامہ بھی لکھا ہے[4]، اس موضوع پر ان کی ایک اور تصنیف "فی علم القیافہ"، بوڈلین کیٹلاگ میں درج ہے، ان کی کتاب ذخیرۃ الملوک، سیاست اور علم الاخلاق پر ہے، اس میں حکومت، رعایا، اور حکمرانوں کے فرائض پر ان کے خیالات درج ہیں، یوں تو وہ زیادہ تر نثر لکھتے تھے، لیکن فارسی میں بھی ان کا کلام موجود ہے،

کشمیر شیعوں کی روایت کے مطابق سید علی ہمدانی کو شیعہ کہا جاتا ہے، نوراللہ شوستری نے اپنی تصنیف "مجالس المومنین" میں ان کا نام شیعی درویشوں میں لکھا ہے، لیکن نوراللہ شوستری کو اس سلسلہ میں قابل وثوق نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ وہ تمام بڑے صوفیوں

---

[1] فتوحات کبرویہ ورق ۱۵۱ ب، مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر ورق ۱۱۱ ب جن ورق ۱۱۰ ب، کشمیری امرار میں ایک شخص لدی ماگرے بھی حضرت کے ہمراہ گیا، (سید علی ص ۱۴ - ۱۳) [2] تذرنل ایشیاٹک جلد ۲۶۰ ص ۵۰-۵۴۰ [3] دیکھو Ethe جلد اول ص ۱۱۰۲۱ اور Riem جلد دوئم ص ۸۳۵ ب ۱۸۳۷ الف، انکی تصنیفات کی فہرست کیلئے دیکھیے تذرنل ایشیاٹک جلد ۲۲۰ ص ۵۷ و لعبدہ اور لغیا، جلد چہارم نمبر ص ۳۳۷ وغیرہ [4] Ethe جلد دویم نمبر ۳۰۵۷۔

فلسفیوں اور اسلام کے قرون وسطیٰ کے تمام اکابر کو شیعہ بتاتے ہیں، موجودہ دور کے ایک عالم نے سید علی کو اس بنا پر شیعہ بتایا ہے، کہ انھوں نے اپنی نظموں میں حضرت علیؓ اور ان کے جانشینوں کی مدح سرائی کی ہے[1] لیکن یہ ثبوت ناکافی ہے، کیونکہ بہت سے سنی درویشوں نے بھی اہل بیت کی شان میں قصائد لکھے ہیں، لہٰذا اس بات کا کافی ثبوت نہیں ملتا، کہ سید علی شیعہ تھے، اس کے برخلاف ان کے سنی مسلمان ہونے کا کافی جواز موجود ہے، اپنی تصنیف "ذخیرۃ الملوک" میں حضرت عائشہؓ اور خلفائے راشدین کی سند پر انھوں نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں[2]، ان کو چاروں خلفاء سے گہرا شغف تھا، اور وہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقام دیتے ہیں[3]، ایک مقام پر انھوں نے بڑے پرزور الفاظ میں لکھا ہے، کہ ہر مسلمان کا فرض ہے، کہ وہ اہل سنت والجماعت کے اصول کو پھیلائے[4]، ان کے ایک مرید جعفر بدخشی کا قول ہے، کہ وہ پہلے حنفی تھے، لیکن بعد میں شافعی ہو گئے تھے، لیکن اپنے کسی مرید کے حنفی رہنے پر ان کو اعتراض نہ تھا، اور نہ کشمیر میں حنفی قانون کی انھوں نے مخالفت کی[5]۔

سید علی دو واسطوں سے شیخ احمد علاء الدین سمنانی (م ۱۳۳۵-۳۶ء) کے خانوادہ تصوف سے تعلق رکھتے تھے، اور بعد میں سلسلہ کبرویہ سے منسلک ہو گئے[6]، اگرچہ انھوں نے کسی سلسلہ

---

[1] جرنل ایشیاٹک جلد ۲۷۰ ص ۵۴

وغیرہ "یغما"، جلد چہارم نمبر ص ۳۸-۳۳۷۔ [2] علی ہمدانی "ذخیرۃ الملوک" ورق ۱۷ الف وغیرہ

[3] ایضاً ورق ۷ب [4] ایضاً ورق ۵۲ ب، [5] جعفر بدخشی "مناقب الجواہر" ورق ۳۰ ب، ۱۳۱ الف اور فتوحات کبرویہ ورق ۱۴۷ ب، [6] جرنل ایشیاٹک ج ۲۷۰ ص ۷-۵۵

کو جاری نہیں کیا، لیکن ان کے ایک بلا واسطہ مرید سید محمد نوربخش نے نویں صدی ہجری میں نوربخشیہ سلسلہ قائم کیا تھا، جس نے کئی صدی تک ایران کی علمی اور مذہبی زندگی میں بڑا ہی اہم حصہ لیا۔[1] فی الحقیقت ایران اور وسط ایشیا میں سید علی کے کارناموں کا مکمل جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے، لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ کامیابی انھیں وادی کشمیر میں حاصل ہوئی، اور وہاں ساڑھے چار سو برس گذر جانے کے بعد ان کے اثرات آج بھی پائے جاتے ہیں،

سلطان سکندر (۱۳۸۹ء ۱۴۱۳ء)

قطب الدین کے بڑھاپے میں ایک بیٹا ہوا جس کا نام سکندر رکھا گیا، اس موقع پر بڑا جشن منایا گیا، درباریوں کو تحفے اور جاگیریں عطا ہوئیں، اور قیدی رہا کیے گیے۔[2] کچھ دن کے بعد اس کی ملکہ کے ایک اور بیٹا ہوا جس کا نام ہیبت پڑا،[3]

۱۳۸۹ء میں قطب الدین کے انتقال پر اس کا بڑا لڑکا سکندر تخت نشین ہوا، لیکن چونکہ وہ نابالغ تھا، اس لیے اس کی ماں ملکہ سورا اس کی قائم مقام بن کر کام کرتی رہی۔[4] تاریخوں میں اس کی قائم مقامی کے دور کے حالات کی تفصیل درج نہیں ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لائق اور مضبوط کردار کی خاتون تھی، اس نے سختی کے ساتھ حکومت کی، اور سکندر کے خلاف سازش کرنے کے جرم[5] میں اس نے اپنی بیٹی اور داماد کو قتل کرنے میں

---

[1] علی ہمدانی "ذخیرۃ الملوک"، ورق ۷۔ الف وغیرہ [2] یون راج، ص ۵۳ ہیونخ قلمی نسخہ ورق ۵۹ ب مصنف نے اس کا نام سنکر بتایا ہے جو شاید سکندر کا مخفف ہے،

[3] یون راج ص ۵۳ [4] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۹ ب ۶۰ الف، فرشتہ ص ۵۶۲،

[5] یون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۶۸ دت کا ترجمہ یہاں گنجلک ہے،

بھی دریغ نہ کیا، اسی دوران میں اس کے وزیر اعظم رائے ماگرے کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی، اور ساتھ ہی اس کے حوصلے بھی بلند ہوتے جا رہے تھے، اس نے سکندر کے چھوٹے بھائی شہزادہ ہیبت خان کو اپنا حریف ہونے کے شبہ میں زہر دلوایا۔[۵۱] اس طرح اس نے سابق نام کے وزیر کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔[۵۲] تاریخوں میں یہ درج نہیں ہے کہ ملک سور نے رائے ماگرے کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیے کیا کیا، لیکن جب سکندر نے عنان حکومت سنبھالی تو اس نے رائے ماگرے کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا، اس نے اس کو لداخ پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ وہاں مارا جائے، لیکن رائے ماگرے لداخ فتح کر کے سری نگر واپس آیا، اور جب سلطان سے اس کے تعلقات خراب ہوتے گئے، تو اس نے علم بغاوت بلند کر دیا، پہلے سکندر نے اس سے اس حرکت سے باز رہنے کو کہا، لیکن اس میں ناکام رہا، تو اس نے لدّ راج کو آگے سے حملہ کرنے کے لیے بھیجا، اور خود پیچھے سے فوج لے کر آگے بڑھا، دونوں طرف فوج کی پیش قدمی کو دیکھ کر رائے ماگرے میں مقابلے کی قوت نہ رہی، اور وہ بھاگ کھڑا ہوا، لیکن بانہال کے سردار نے اس کو گرفتار کر کے سکندر کے پاس بھیج دیا، سلطان نے اس کی گذشتہ خدمات کا خیال کر کے اس کی جان بخش دی، لیکن اس کو نظر بند کر دیا، جہاں کچھ دنوں کے بعد اس نے خودکشی کر لی۔[۵۳]

۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر تیمور کے حملے کا طوفان امنڈ پڑا، تیمور اپریل ۱۳۹۸ء میں سمرقند سے روانہ ہوا، اور ۲۰ ستمبر کو دریائے سندھ کے کنارے اسی مقام پر ٹھہرا، جہاں جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خان سے بھاگ کر دریا پار کر کے خیمہ زن ہوا تھا،

---

۵۱ یون راج ص ۵۵ پر رائے ماگرے کا نام ادک لکھا ہے، ۵۲ ایضاً

۵۳ یون راج ص ۵۷-۵۵

یہاں پر مختلف ممالک کے سفیروں نے آکر تیمور کی اطاعت گذاری کی، سلطان سکندر نے بھی اپنی مملکت کو حملہ سے بچانے کی غرض سے ایک سفیر تیمور کے پاس اظہار اطاعت کے لیے بھیجا، تیمور اس سے مطمئن ہوا، اور سفیر کو ایک فرمان دے کر واپس کیا، سکندر کو دیبال پور میں اپنی فوج کے ساتھ ملنے کے لیے بلایا[1]، چنانچہ سکندر سری نگر سے روانہ ہوا، لیکن موضع جھن پہونچ کر اس کو خبر ملی، کہ تیمور کے وزیر اس سے تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ درست مانگتے ہیں جس میں ہر درست کا وزن، ڈھائی متقال ہونا چاہیے، وہ اس رقم کو جمع کرنے کے لیے کشمیر لوٹ گیا،[2]

آخری تغلق حکمران محمود کی فوج کو تاراج کر کے جب تیمور نے دہلی پر قبضہ کیا، تو اس نے الجاہ تیمور، تفقدار، فولاد بہادر اور زین الدین کو سکندر کے پاس یہ جواب طلب کرنے کے لیے بھیجا، کہ وہ کیوں نذرانہ دینے کو حاضر نہ ہوا[3]، یہ تینوں سفیر سری نگر پہنچے، اور سلطان سے ملنے کے بعد اس کے نمائندوں کے ساتھ واپس لوٹے، ان نمائندوں کی سربراہی مولانا نور الدین نے کی، اس اثنا میں تیمور دلی سے روانہ ہوچکا تھا، اور وہ قافلہ اس کو جموں کے پاس ملا، ۲۴ فروری ۱۳۹۹ء میں نور الدین نے سکندر کا خط پیش کیا، جو بڑے ادب واحترام سے لکھا گیا تھا، اور اس میں تیمور کے حضور میں شرف باریابی پانے کی خواہش ظاہر کی گئی تھی، اس سوال کے جواب میں سکندر حکم کے مطابق دیبال پور میں اس سے کیوں

---

[1] شرف الدین علی یزدی "ظفرنامہ"، ص ۴۷-۴۶، ملفوظات ورق ۲۸۳ الف، ب دیکھو مونیخ قلمی نسخہ ورق ۲۰۰ ب ۲۰۱ ب جس میں سکندر اور تیمور کے تعلقات کا تفصیلی احوال درج ہے،

[2] ظفرنامہ ص ۱۴۷، ملفوظات ورق ۳۱۹ الف [3] ان ہی سفیروں کے ساتھ تیمور نے سکندر کو دو نوں ہاتھی تحفہ میں بھیجے ہوں گے، جس کا ذکر بہارستان شاہی حید ملک کی تاریخ اور دوسری تاریخوں میں ملتا ہے،

نہ ملا، نورالدین نے بتایا کہ سلطان جھن تک آگیا تھا، لیکن وہ روپیہ اور گھوڑے فراہم کرنے کے لیے واپس چلا گیا تھا، کیونکہ یہ چیزیں مانگی جانے والی تھیں، یہ سن کر تیمور نے اپنے وزیروں کی سرزنش کی، اور کہا کہ اتنا بڑا اخراج سلطان کے بس کا نہ تھا، اور اس سے اتنا ہی خراج مانگنا چاہیئے تھا جس کا وہ اہل تھا، اس کے بعد سلطان نے سفیروں کو معتمد زین الدین کی معیت میں واپس کر دیا، اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ سکندر اس کے افسروں کی مانگ پوری کرنے پر مجبور نہ سمجھے، اور اس کو فوراً روانہ ہو کر دریائے سندھ کے کنارے ۸ دن بعد اس سے ملنا چاہیئے، اطلاع ملنے پر سکندر دوسری مرتبہ روانہ ہوا، لیکن بارہ مولہ پہنچنے پر اس کو معلوم ہوا کہ تیمور دریائے سندھ پار کر کے سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا، اس لیے وہ سری نگر لوٹ آیا[۱]

سکندر نے کوئی نئی فتوحات نہیں کیں، اور صرف اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی مملکت کو سنبھالے رکھا، اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں اس نے اوہند کے حکمراں فیروز کے خلاف چڑھائی کی تھی کیونکہ اس نے سلطان کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، سلطان نے فیروز کو اپنا اقتدار تسلیم کرنے اور اپنی بیٹی میرا کی اس سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا،[۲]

فیروز کو مغلوب کرنے کے بعد سکندر نے سوہ بھٹ اور لدراج کے زیر کمان ایک فوج جموں کے راجہ پال دیو کو زیر کرنے کے لیے بھیجی جس نے خراج ادا نہیں کیا تھا، راجہ نے مقابلہ کرنا بے کار سمجھا اور اطاعت گذاری کے لیے تیار ہو گیا، اور اپنی بیٹی

---

۱ میونخ قلمی نسخہ ۱۶ ب، فرشتہ ص ۶۵۳ - یہ کہنا غلط ہے کہ تیمور اپنے ساتھ شاہی خان کو لے گیا، جو آگے چل کر زین العابدین کے نام سے مشہور ہوا، تیمور نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تھا، تو اس وقت شاہی خان پیدا نہیں ہوا تھا۔ ۲ یون راج ص ۵۹، میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۲ الف

کو سکندر کے پاس تحفہ میں بھیجا، لیکن جلد ہی اس نے دوبارہ اپنی مطلق العنانی کا اعلان کردیا، سکندر نے اپنے حلیف سوہ بھٹ اور جسرت کھوکر[۱] کو ایک لشکر جرار دے کر راجہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، انھوں نے راجہ کو شکست دی اور جموں کو تباہ و برباد کر دیا،

سلطان کی ذاتی زندگی کے حالات تاریخوں میں بہت کم ملتے ہیں، ان میں صرف اتنا لکھا ہے کہ شراب اور دوسری خمریات سے احتراز کرتا تھا، اور مذہبی ممانعت کی وجہ سے راگ رنگ بھی نہیں سنتا تھا، مذہبی اور اخلاقی معاملات میں وہ طبعاً سخت محتاط اور راسخ العقیدہ تھا، اور اس نے تمام رنگ رلیاں ممنوع قرار دیں، جو زین العابدین اور دوسرے سلاطین کے دور حکومت میں خاص طور پر رائج ہو گئی تھیں[۲]، اس کو کثرت ازدواج کا کبھی شوق نہ ہوا، اور ہمیشہ حدود شریعت میں رہا، سکندر نے پہلے اودہند کے حکمراں کی لڑکی میرا سے شادی کی جس سے اس کے تین بیٹے میرخان، شادی خان، اور محمود خان[۳] پیدا ہوئے، پھر اس نے شوبھا دیوی[۴] سے شادی کی جس کے بطن سے دو بیٹے محمود اور فیروز[۵] اور

---

[۱] وہ نصرت کھوکر کے بھائی شیخا کھوکر کا بیٹا تھا، اس کو تیمور قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا، لیکن تیمور کی موت کے بعد وہ پنجاب واپس آیا، (خاندان کھوکر کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو، "کلا ہری آف دی پنجاب ٹرائبس اینڈ کاسٹس"، جلد دوم ص ۵۰۸-۵۰۹ مصنفہ روز اور انڈین انٹی کواری جلد ۲۶ ص ۱۰۰-۱۰۸) [۲] دیکھو باب چہارم و پنجم [۳] یون راج ص ۵۰۸-۵۰۹ میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۷۲ الف [۴] تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے جموں کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی تھی، (یون راج (بمبئی اڈیشن نمبر ۲۹)، شاید اسی کا نام شوبھا دیوی تھا، لیکن اگر یہ کوئی دوسری خاتون تھیں، تو پھر اس کا مطلب ہوا کہ سکندر کے تین بیویاں تھیں، [۵] فیروز سکندر کا بیٹا تھا جو شوبھا دیوی کے بطن سے تھا، اور متبنیٰ نہیں تھا، (یون راج بمبئی اڈیشن نمبر ۵۷۵، ۳۰)، اور یون راج ص ۸۸۹، یون راج نے ص ۵۹ پر غلط لکھا ہے کہ شوبھا دیوی کے دونوں بیٹے متبنیٰ تھے،

دو بیٹیاں جن کی شادیاں اوہند اور سندھ[۱] کے حکمرانوں سے ہوئیں، لیکن سکندر کو اپنی پہلی بیوی کی اولاد سے جتنی محبت رہی، دوسری بیویوں کی اولاد[۲] سے نہ تھی، چنانچہ جب فیروز جوان ہوا تو سکندر نے اس کو کشمیر سے جلاوطن کر دیا، تاکہ سوتیلے بھائیوں میں جانشینی کی جنگ نہ ہو[۳]، وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا، تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے حضور طلب کیا، اور ان کو آپس میں لڑنے سے منع کیا، اور متحد رہنے کی تلقین کی، پھر اس نے سب سے بڑے بیٹے میر خان کو اپنا جانشین نامزد کیا، اور اس کو علی شاہ کا لقب دیا، ۸۱۲ھ میں اس کا انتقال ہوا[۴]،

سکندر لائق، سخی اور بہادر حکمران تھا، اور اپنی رعایا کی خوش حالی کا خاص خیال رکھتا تھا، اس نے بہت سے بے رحمانہ ٹیکسوں مثلاً باج اور تمغہ معاف کر دیئے جو اب تک عوام سے وصول کیے جاتے تھے[۵]، اس نے بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسے کھولے اور اسپتال بنوائے، جہاں دوا اور کھانا مفت دیا جاتا تھا[۶]، اس نے مسافروں، علماء، سادات اور غیر

۱؎ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۳ الف

۲؎ یون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۷۳۰، ۳؎ ایضاً نمبر ۷۸۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۳ الف، ۴؎ یون راج ص ۷۱، طبقات اکبری جلد سویم ص ۴۳۵، فرشتہ ص ۶۵۵

۵؎ طبقات اکبری جلد سویم ص ۴۳۴، تاریخ حسن ورق ۹۸ ب، باج شہاب الدین کے عہد میں لیا جاتا تھا (بہارستان شاہی ورق ۱۹ الف) تمغہ لگان کے علاوہ وصول کیا جاتا تھا، لیکن باج محض ایک محصول یا TOLL تھا، تمغہ کشمیر میں ایران یا ترکستان سے آیا تھا، باج اور تمغہ گھوڑوں، گایوں، بکریوں اور ریشمی کپڑوں وغیرہ پر لگائے جاتے تھے، (ولسن گلاسری ص ۵) ۶؎ بہارستان شاہی ورق ۳۴ ب، یہ خیراتی ادارے سترہویں صدی تک قائم رہے،

مستطیع اشخاص کے فائدہ کے لیے کئی گاؤں وقف کر دیئے تھے، ان اوقاف کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری شیخ الاسلام پر ہوتی تھی[۱]

سکندر علما، اور صوفیہ کی بڑی سرپرستی کرتا تھا، اور اس کے عہد حکومت میں ایران اور وسط ایشیا سے بہت سے علما، اور صوفیہ کشمیر آئے، سلطان ان سے عزت و احترام سے پیش آتا تھا، اور ان کو جاگیریں عطا کرتا جنکی وارث بعد میں ان کے خاندان والے بھی ہو سکتے تھے، اس کے عہد میں، وادی میں جو لوگ آئے، ان میں سے بعض مشہور شخصیتیں یہ تھیں (۱) سید حسن شیرازی، شیراز کے قاضی تھے، وہ یہاں آئے تو ان کو سکندر نے کشمیر کے قضا کے عہدے پر مامور کیا، (۲) سید احمد اصفہانی جو کئی کتابوں کے مصنف تھے، (۳) سید محمد خوارزمی جو اچھے شاعر تھے، (۴) سید جلال الدین بخارا کے درویش جو اپنے پیرووں کے ہمراہ آئے، (۵) بابا حاجی ادہم اور ان کے مرید، (۶) بابا حسن منطقی جو بلخ سے آئے[۲] (۷) اسی زمانہ میں امیر کبیر سید علی ہمدانی کے بیٹے سید محمد ہمدانی بھی آئے، وہ ۷۷۴ھ میں بمقام ختلان پیدا ہوئے، اور ان کی عمر ان کے والد کی وفات کے وقت ۸ سال کی تھی، سید علی نے مولانا سرائی کے پاس اپنے بیٹے کے لیے ایک وصیت نامہ چھوڑا تھا جس کے بموجب اُن کے بیٹے کو ان کے دو ممتاز مریدوں خواجہ اسحاق ختلانی اور مولانا نور الدین بدخشی کی خدمت میں حاضر ہونا تھا، اس وصیت نامہ میں سید علی نے اپنے بیٹے کو جوان ہوکر دور دراز مقامات پر سفر کرنے کی ہدایت بھی کی تھی کیونکہ اس سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، دماغ وسیع ہوتا ہے، اور شخصیت میں پختگی آتی ہے[۳]

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۴۳ ب،

[۲] ایضاً [۳] فتوحات کبرویہ ورق ۱۵۵ الف،

محمد ہمدانی نے خواجہ اسحاق اور مولانا نورالدین سے تعلیم حاصل کی، اور جب ان کی عمر ۱۰ سال
کی ہوئی تو ان کو ان کے والد کا وصیت نامہ دے دیا گیا، محمد ہمدانی نے کئی مقامات کا سفر کیا[1]
اور ۱۳۹۳ء میں ۲۲ سال کی عمر میں تین سو سادات اور علماء کے ساتھ کشمیر وارد ہوئے، انھوں
نے سلطان سکندر کیلئے فارسی میں ایک کتاب "رسالہ سکندری" لکھی[2]، منطق پر بھی ایک
کتاب عربی زبان میں لکھی تھی[3]، سلطان ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اور ان کو اپنا
استاد اور مرشد سمجھتا تھا، انھوں نے بہت سے ہندوؤں کو مشرف باسلام کیا، اس میں
سب سے اہم سکندر کے وزیر اعلیٰ اور سپہ سالار سوہ بھٹ کا نام ہے، جس کا انھوں نے اسلامی
نام سیف الدین رکھا، ان کی پہلی بیوی بی بی تاج خاتون سید حسن بیہقی کی بیٹی تھیں، ان کے
انتقال کے بعد انھوں نے سیف الدین کی بیٹی سے نکاح کر لیا، محمد ہمدانی نے کشمیر میں
تقریباً ۱۲ سال قیام کیا[4]، سید محمد حصاری سے اختلاف کی بنا پر انھوں نے کشمیر کو خیر آباد کہہ
دیا، اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے، وہاں سے ختلان واپس ہوئے جہاں ۳۰
اپریل ۱۴۵۰ء کو وفات پائی، اور اپنے والد کی قبر کے پاس مدفون ہوئے[5]

سکندر کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا، اس نے سکندر پور[6] کے قصبہ کو آباد کیا، اور اس میں
ایک عظیم الشان محل اور ایک شاندار جامع مسجد بنوائی، مسجد کا معمار صدر الدین خراسانی
تھا، اس میں ۳۷۲ چوبی کھمبے تھے، ہر کھمبے کی لمبائی ۴۰ گز اور قطر ۶ گز تھا، اس میں چار

---

۱ ایضاً ورق ۱۵۶ الف، بہارستان شاہی ورق ۲۵ ب تاریخ کشمیر از سید علی ص ۱۸۔ ۲ ایضاً
حیدر ملک ورق ۱۱۲ ب ۳ سید علی تاریخ کشمیر ص ۷، "تاریخ کبیر" از مسکین ص ۲۵ پر لکھا ہے کہ محمد
ہمدانی نے کشمیر میں ۲۲ سال قیام کیا، ۴ ایضاً "بہارستان شاہی" ورق ۲۳ ب، داؤد مشکواتی، اسرار الابرار
ورق ۴۵ الف، مزید دیکھو تاریخ کشمیر از سید علی ص ۱۸، وغیرہ ۵ برائے محمد ہمدانی کی زندگی کشمیر میں، ۶ سید صاحب
کا سنہ انتقال "واقعات کشمیر" میں ورق ۲۰ ب پر ۷۹۲ھ دیا ہے، یہ غلط ہے۔

محراب تھے، اور ہر محراب میں ۳۲ چوبی کھمبے تھے[۱]، سکندر نے قصبہ بج بہار میں بھی ایک مسجد تعمیر کرائی، اور سری نگر میں ایک عید گاہ کا سنگ بنیاد رکھا جس کو اس کے بیٹے سلطان علی شاہ[۲] نے پایہ تکمیل کو پہنچایا، مسجدوں کے علاوہ اُس نے وچی اور ترال[۳] کے گانوں اور قصبہ سوپور[۴] میں خانقاہیں تعمیر کرائیں[۵]۔ سید علی ہمدانی نے علاء الدین پور میں نماز با جماعت کے لیے ایک چبوترہ بنوایا تھا، اس مقام پر سکندر نے ۷۹۶ھ مطابق ۹۷-۱۳۹۶ء میں ایک خانقاہ کی تعمیر کرائی جس کا نام خانقاہ معلی ہے، اس کے لیے وچی، شورا، نہوانی گانوں وقف کیے اور مولانا محمد سعید کو متولی مقرر کیا، سکندر نے بون کے چشمہ کے قریب ایک اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، یہ مسجد دو منزلہ تھی، اس کے چاروں طرف ایک خوبصورت باغ تھا جس میں ہر طرح کے پھولوں اور پھلوں کے درخت تھے، یہ مقام اتنا خوشنما اور دلکش تھا کہ سکندر موسم بہار میں اپنا زیادہ وقت یہیں گذارتا تھا، اس کے بعد کے حکمران محمد شاہ کے عہد تک اس کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۸۹) شہر یا کوہ ماران کے دامن میں واقع تھا، اب اس کو نوہٹہ کہتے ہیں، اور سری نگر کا ایک حصہ ہے، [۱] بہارستان شاہی ورق ۳۵ الف حیدر ملک ۱۱۴ الف [۲] بہارستان شاہی ورق ۵۰ ب حسن ورق ۱۱۳ ب، حیدر ملک ورق ۱۱۴ الف، مزید دیکھو تاریخ حسن از پیر حسن شاہ جلد اول ورق ۱۴۰ ب وغیرہ

[۳] موضع وچی زین پور اودر کے مشرقی دامن میں واقع ہے، ترال چھوٹا سا قصبہ ہے جو عرض البلد ۳۳°۵۷ اور طول البلد ۱۰°/۵ میں نشیبی سطح مرتفع پر ودلر پرگنہ کے مشرق میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، اور اس تحصیل کا صدر مقام ہے، تاریخ حسن از پیر حسن شاہ جلد اول ورق ۱۴۰ ب وغیرہ [۴] بہارستان شاہی ورق ۵۰ ب تاریخ حسن از پیر حسن شاہ جلد اول ورق ۱۱۳ ب، ۱۱۴ الف ایک روایت کے مطابق محمد ہمدانی

سکندر کشمیر کا پہلا سلطان تھا جس نے ملک میں شرعی احکام کو بہت سختی کے ساتھ نافذ کیا، اس نے شراب اور دوسری خمریات کے استعمال کو ممنوع قرار دیا، اور قمار بازی، عورتوں کا ناچنا اور موسیقی کے ساز مثلاً بانسری، ستار، بربط، بجانا بند کر دیا، اور صرف طبل اور فوجی باجا بجانے کی اجازت تھی، اس نے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا، تاکہ اسلامی قوانین کا نفاذ مناسب طور پر ہوتا رہے، یہ سارے اقدام سکندر نے سید محمد ہمدانی کے زیر اثر کیے تھے، ان ہی کے مشورہ پر سلطان نے غیر مسلموں پر دو پل چاندی فی کس جزیہ لگایا، اور ستی بند کرا دی، اور قشقہ اور تلک لگانا بھی ممنوع کر دیا، بہر حال غیر مسلموں کے ساتھ غیر رواداری کا سلوک اختیار کرنے میں سیف الدین کا خاص ہاتھ تھا جو ایک لحاظ سے اس کا خراب قسم کا مشیر کہا جا سکتا ہے، سلطان نے ابتدا میں اس رویہ سے پرہیز کرنا چاہا، لیکن بعد میں مان گیا، اور پھر اپنے وزیر کے مذہبی جنون کی وجہ سے سب کچھ کرنے لگا سیف الدین نے تو مسلمی کے جوش میں برہمنوں سے اسلام قبول کرنے کو کہا، انجام کار کچھ برہمن مشرف بہ اسلام ہوئے، جنھوں نے انکار کیا، ان کو جزیہ دینا پڑا،

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) نے سکندر کو ان مواصفات کے عوض ایک لعل بدخشان دیا تھا، لیکن یہ بات ناقابل قیاس ہے، کیونکہ سلطان نے وقف کی قیمت میں لعل کو ہرگز نہ لیا ہوگا، فتوحات کبرویہ میں لکھا ہے کہ سید صاحب نے سکندر کو لعل تحفہ میں دیا تھا

۱۹ بہارستان شاہی ۲۴ ب حسن ورق ۱۱۴ الف، ۲۰ حیدر ملک ورق ۱۱۴ ب، ۲۱ بہارستان شاہی ورق ۲۶ الف یون راج ص ۷۰-۷۵، حیدر ملک ورق ۱۱۳ ب، ۲۲ یون راج ص ۷۰، یون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۷۰، ۷۷، ابھی مورخ قلمی نسخہ ورق ۲۴ ب، بہارستان شاہی ورق ۲۶ الف جزیہ کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے باب یازدہم، ۲۳ حیدر ملک ورق ۱۱۳ ب یون راج ص ۷۰ یہ رقم طراز ہے کہ ہندوؤں کو اپنے مذہب پر اڑے رہنے پر بھاری جرمانے ادا کرنے ہوتے تھے، یہ جرمانہ جزیہ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا،

بقیہ وہ جو جزیہ دینا نہیں چاہتے تھے، یا دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، کشمیر چھوڑ کر ہندوستان میں پناہ لینے کے لیے چلے گئے۔ جب سیف الدین کو یہ خبر ملی تو اس نے سرحدی محافظوں کو حکم دیا، کہ وادی کے باہر اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ جانے دیا جائے، لیکن ان پابندیوں کے باوجود بہت سے برہمن ملک سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔[1]

اپنے عقائد میں غلط قسم کے جوش رکھنے کی وجہ سے سکندر اور سیف الدین کچھ بت اور مندر توڑنے کے بھی مرتکب ہوئے، لیکن یون راج کا یہ بیان سراسر غلط ہے، کہ ہر موضع اور ہر قصبہ کے مندر زمین کے برابر کر دیئے گئے تھے۔[2] اتنا یاد رہے کہ سیف الدین برہمن تھا، اس کا اسلام قبول کرنا یون راج کو ایک آنکھ نہ بھایا، چنانچہ اس نے سیف الدین کی بت شکنی کے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، مسلمان مورخوں نے بھی بڑے پیمانے پر مندروں کے انہدام کا ذکر کیا ہے، لیکن سکندر اور اس کے وزیر کو اسلام کا حامی بنا کر پیش کرنے میں انھوں نے حقائق کو مسخ کر دیا ہے، ان کی غلط بیانی اسی سے عیاں ہو جاتی ہے، کہ اگر ہم ان کے حساب سے سکندر کے ہاتھوں مسمار کیے ہوئے، مندروں کو شمار کریں، تو پھر ایک بھی مندر صحیح سالم نہیں بچا، اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ سکندر کے سو برس کے بعد بھی وادی کشمیر میں مندروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، مرزا حیدر دوغلت نے جس نے کشمیر پر دس سال حکمرانی کی ۱۵۴۶ء میں لکھا۔

"کشمیر کی سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کے مندر ہیں، کشمیر اور اس کے آس پاس ۱۵۰ سے زیادہ مندر ہیں۔۔ اور ان کی جیسی عمارت کی نظیر ساری دنیا میں نہیں مل سکتی، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں ۱۵۰ مندر ہیں،[3]

---

[1] یون راج ص ۷۰-۷۵ [2] یون راج ص ۷۰ [3] تاریخ رشیدی ص ۴۲۶

ابوالفضل نے بھی لکھا کہ کچھ مندر تو بالکل اچھی حالت میں ہیں[۱]، اسی طرح جہانگیر بھی رقم طراز ہے،

"اونچے اونچے مندر جو ظہور اسلام سے پہلے کے تعمیر کردہ ہیں، ابھی تک موجود ہیں[۲]"

سکندر کی بت شکنی کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، بعض موقعوں پر تو سکندر نے مندروں کو منہدم نہیں کیا، بلکہ جب کبھی کسی مقام پر باشندے اسلام قبول کرتے تھے، تو وہ مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا کرتے تھے، ان مندروں کی دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے یہ کھنڈر بن گئے، کچھ مندر زلزلہ کے بھی نذر ہو گئے، لیکن ان باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا، اور تمام منہدم مندروں کی ذمہ داری سکندر کے سر پر ڈال دی گئی، کچھ مصنفین نے یہاں تک لکھ دیا ہے، کہ سکندر نے مندروں کے مسمار کرنے میں بارود کا بھی استعمال کیا، اسٹین رقم طراز ہے،

"کشمیر میں اتنے ابتدائی زمانہ میں بارود کے استعمال پر بہت سے لوگوں نے شبہ کیا ہے، مجھے شبہ نہیں اس پر یقین ہے، میرے خیال میں مندروں کے انہدام کی وجہ یہ تھی، کہ ان میں بھاری بھاری پتھر لگائے گئے تھے، جن کی ناقص بنیادیں زلزلہ میں ہل جاتی تھیں، اور یہ خصوصیت کشمیر کے تمام مندروں میں پائی جاتی ہے[۳]"

---

[۱] آئین اکبری جلد ۲ ص ۳۸۴ [۲] تزک جہانگیری جلد دوم ص ۱۵۰ [۳] لارنس "دیلی" ص ۱۷۲، ۲۱۳

[۴] اپنی کتاب "دیلی"، میں ص ۱۰۹ میں لارنس نے نقل کیا، مزید دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۴ ص ۴۸، جہاں میک لیگن (Maelagam) اپنے مقالہ "آن ارلی ایشیاٹک ویپنس" (ON EARLY ASIATIC WEAPONS) میں لکھتا ہے کہ سکندر کے عہد تک بارود کی دریافت نہ ہوئی

ناقابل قیاس ہے کہ ان مندروں کو انسان یا امتداد زمانہ نے برباد کیا ہے، یہ مندر مصر کی بڑی بڑی عمارتوں کے ہم پلہ تھے، ان کی بربادی کا اصل سبب زلزلہ ہی ہو سکتا ہے،[۱] اونتی پور کے مندر کی بربادی اس کا بین ثبوت ہے،

سلطان علی شاہ (۲۰-۱۴۱۳ء)

سکندر کا سب سے بڑا بیٹا میر خان جو علی شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا، نااہل حکمراں ثابت ہوا، وہ کمزور اور متلون مزاج تھا، اس پر اس کا وزیر اعلیٰ سیف الدین حاوی رہا،[۲] دوسرے وزراء جن پر علی شاہ کو اعتماد تھا، لدی ماگرے اور حکیم شنکر تھے، لیکن اس سے سیف الدین کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور اس نے ان دونوں وزرا کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، اس نے اپنے حریفوں پر اس وقت حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، جب وہ اور لدی ماگرے اور اس کے تمام لڑکے اور خاص طور سے اس کا بڑا لڑکا محمد ماگرے والی بانگل[۳] شمیت راجدھانی

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) تھی، اور مندر زلزلے اور امتداد زمانہ سے برباد ہوئے، وہ اپنی رائے کی وضاحت پانچ اور مارتنڈ کے مندرون کا حوالہ دے کر کرتا ہے، کہ مندروں کے گرنے کا سبب امتداد زمانہ اور زمین کی حرکت ہے، یہ خیال کننگھم (CONNINGHAM) نے ربع صدی پہلے ظاہر کیا تھا، جون جولائی ۱۸۲۸ء کے زلزلہ نے مکانوں کو کافی نقصان پہنچایا تھا، اور بڑی بڑی چٹانیں پہاڑ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے آگئی تھیں،

[۱] مور کرافٹ جلد دوم ص ۱۵۰ [۲] یون راج ص ۱۶، مونیخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ الف،

[۳] یہ کمراج میں ایک پرگنہ ہے، اس کا پرانا نام بھینگل تھا، لیکن حیدر ملک کے عہد کے شروع ہونے سے پہلے اس کا نام بدل کر بانگل رکھدیا گیا تھا،

میں موجود ہوں، ان کو اپنی محبت وشفقت کا جھوٹا احساس دلا کر اس نے لدی ماگرے کے دوسرے لڑکے تاجی ماگرے پر نوازش کرنی شروع کی، اور اس سے اہم امور میں مشورہ طلب کرنے لگا، پھر مشورہ کرنے کے بہانہ سے محمد ماگرے کو سری نگر بلایا لیکن بعد میں وہ اس چال کو سمجھ گیا، اور بھاگ گیا، جب سیف الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بیچارے لدی ماگرے، اس کے بقیہ لڑکوں اور شنکر کو چالبازی سے گرفتار کرکے قید خانے میں بند کر دیا، محمد ماگرے نے بھاگ کر قبیلہ خاشس کے سردار گووند کے یہاں پناہ لی، جو ادھند کے قرب وجوار میں رہتا تھا، وہ اس کو اپنا دوست سمجھتا تھا، لیکن گووند نے اس کو سیف الدین کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا، محمد ماگرے زنجیروں میں جکڑ کر برڈ[1] کے قلعہ میں قید کر دیا گیا، محمد ماگرے اپنے رضاعی بھائیوں کی مدد سے وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا، اس خبر کو سن کر سیف الدین کو بڑی تشویش ہوئی، اور اس نے لدی ماگرے کو پھانسی دیدی، لدی ماگرے عوام میں مقبول تھا، اس لیے اس کی پھانسی سے لوگوں کو کافی رنج ہوا،[2]

پہلے ذکر آچکا ہے، کہ سکندر نے اپنے بیٹے فیروز کو جلاوطن کر دیا تھا، لیکن سلطان کے انتقال پر وہ ہندوستان کے حکمران[3] کی دی ہوئی فوج کے بل بوتے پر تخت وتاج کا دعویٰ کرنے کے لیے کشمیر لوٹ آیا، سیف الدین نے لدراج کو میر بخشی اور گوربھٹ کو کمراج

---

[1] برڈ کو جون راج نے بھوردیا کہا ہے، یہ وادی کے جنوب مغرب میں ایک پرگنہ ہے اور عرض البلد ۱۳ر۳۴ اور طول البلد ۸ر۳۳ر۷۴ میں واقع ہے، [2] جون راج ص ۶۱ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۵ الف ب،

[3] تاریخوں میں اس حکمراں کا نام درج نہیں ہے، شاید وہ خضر خان تھا جو سید خاندان کا بانی تھا، اس وقت دلی پر حکومت کرتا تھا،

کا والی بنا دیا۔[1]

پھر کچھ عرصہ بعد سیف الدین لدراج سے ناراض ہو گیا، تو اس نے ملک سے بھاگ جانے کی کوشش کی، لیکن سیف الدین کے بھائی ہنس بھٹ نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا، اسی اثنا میں سیف الدین نے دق کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا، اور اس کے انتقال کے بعد ہنس بھٹ اور گور بھٹ کے درمیان حکومت پر قبضہ کرنے کی کشمکش شروع ہو گئی، سیف الدین نے اپنی موت سے پہلے ان ہی دونوں کو اپنی حکومت سونپی تھی، اپنے حریفوں کے مقابلہ میں اپنے کو طاقت ور بنانے کے خیال سے لدراج کو رہا کر دیا اور اس کی مدد سے گور بھٹ کو شکست دی، اور اس کو قتل کر دیا، ساتھ ہی لدراج کو آئندہ خطرناک حریف ثابت ہونے کے خیال سے قتل کر دیا، اس طرح وہ مملکت میں سب سے طاقت ور ہو گیا۔[2]

بہر حال ابھی ایک شخص باقی تھا جو اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، یہ علی شاہ کا چھوٹا بھائی شاہی خان تھا جو اس کا اقتدار تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا، ہنس بھٹ نے اس کو برباد کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن شاہی خان کو اس کا پتہ چل گیا، اور علی شاہ کے ایما اور ٹھاکروں[3] کی مدد سے اس نے عید اضحیٰ کے دن عید گاہ میں ہنس بھٹ کو قتل کرا دیا، علی شاہ جو ہنس بھٹ کے حجرے میں پڑا کر پیچ و تاب کھا رہا تھا، اس کے خاتمہ سے خوش ہوا، اور اس کی جگہ شاہی خان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا، عوام نے اس تقرر کا خیر مقدم کیا۔

---

[1] یون راج ص ۶۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۲۷ الف، [2] ایضاً ۱۲۷ ب، یون راج ص ۶۹،

[3] ٹھاکر لقب تھا، راجپوت سرداروں کا جو کشمیر کے جنوب کے پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے، (اسٹین جلد ۲، نمبر ۲۹ ن لارنس" دیلی، ص ۳۰۷)

کیونکہ نوجوان شہزادے نے عوام کے دل میں اپنی جرات، ذہانت اور ہوشیاری سے گھر کر لیا تھا[1]

ان واقعات کے کچھ دن بعد علی شاہ نے اپنے مذہبی رجحانات کی وجہ سے تخت و تاج سے سبکدوش ہونے اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ جانے اور اپنی بقیہ زندگی وہیں گذارنے کا فیصلہ کیا، شاہی خان نے اس کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی سمجھایا، اور بتایا کہ خدمت خلق ہی سب سے بہتر عبادت ہے لیکن علی شاہ نے اس کی بات نہیں مانی، اور سلطنت کی ذمہ داری اس کو سونپ کر کشمیر روانہ ہو گیا، علی شاہ نے اس کو زین العابدین کا لقب دیا[2]

ص

سری نگر سے علی شاہ اپنے خسر راجہ جموں سے رخصت ہونے جموں گیا، راستہ میں اہل غرض نے اس کو سفر مکہ کی مشکلوں اور پریشانیوں سے آگاہ کیا، اور جموں پہنچنے پر اس کے خسر نے اس کے ارادے کو ناپسند کیا[3] علی شاہ کے پاس قوت ارادی تو تھی نہیں، اس لیے انکی باتوں میں آگیا، اس نے حج کا ارادہ ترک کر دیا، اور براہ رجوری کشمیر واپس آگیا، اس کے ساتھ جموں اور رجوری کے حکمرانوں کی فوجیں، اس کے تخت و تاج کی بازیافت کی مدد کے لیے تھیں[4] یون راج کا بیان ہے، کہ زین العابدین علی شاہ پر بیرونی فوج لانے کی وجہ سے خفا تھا، لیکن بھائی کی محبت میں تخت و تاج کو خیرباد کہہ کر کشمیر سے باہر چلا گیا[5] ایک دوسرے مورخ نے لکھا ہے کہ زین العابدین تو سلطنت کا ولی تھا، علی شاہ کے آنے پر

---

[1] جون راج ص ۹۶، میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۷ الف [2] جون راج ص ۱۰۷، یون راج نے یہ نہیں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ اس کی منزل تھی، لیکن فارسی تاریخوں میں یہی لکھا ہے، [3] جون راج ص ۱۰۷، حسن ورق ۱۱۵ الف، حیدر ملک ورق ۱۱۵ الف ب، [4] میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۸ الف، طبقات اکبری جلد سوئم ص ۴۳۴ [5] یون راج ص ۲۷

وہ اس سے سبکدوش ہو کر وادی سے باہر چلا گیا،[۵۱] لیکن حقیقت یہ ہے کہ زین العابدین کے پاس مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی، اس نے علی شاہ سے جنگ کیے بغیر وہاں سے چلا گیا، وہ وہاں سے سیالکوٹ پہونچا اور جسرت کھوکر سے[۵۲] مدد مانگی، اس نے اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا لیکن اس سے علی شاہ خفا ہو گیا، اور کھوکر سردار کی سرزنش کے لیے چل پڑا، جموں کے حکمران نے اس کو پہاڑوں سے نیچے اترنے کو اُس وقت تک منع کیا تھا جب تک وہ فوج لے کر وہاں نہ آ جائے، کیونکہ کھوکر بڑے چالاک سپاہی ہوتے تھے[۵۳] لیکن علی شاہ نے اس کا کہا نہیں مانا، اور آگے بڑھتا رہا، نتیجہ یہ ہوا، کہ جسرت کے ہاتھوں اس کو ٹھنہ[۵۴] میں شکست ہوئی، فتح کے بعد زین العابدین امری نگر کی طرف بڑھا، جہاں عوام نے اس کا استقبال کیا، لیکن اس سے خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی، یون راج آگے کے واقعات کے متعلق خاموش ہے، لیکن فارسی تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ علی شاہ نے اپنی فوج کو ازسرنو منظم کیا، اور جموں کی فوج کی مدد سے وادی پر اپنا تخت و تاج دوبارہ حاصل کرنے کے لیے حملہ کر دیا، اس کے حملہ کی خبر سن کر زین العابدین بارہ مولہ کے راستہ سے آگے بڑھا، اور ادری[۵۵] کے مقام پر اپنے بھائی کو شکست دی، حیدر ملک کے قول کے مطابق علی شاہ گرفتار ہوا، اور پکھلی کے قلعہ میں نظر بند ہوا، جہاں کچھ سال بعد

---

۵۱ سیوخ قلمی نسخہ ۵۲ ایضاً ورق ۷۸ ب طبقات اکبری جلد سوئم ص ۴۳۸،

۵۳ یون راج ص ۵-۲۴۷، سیوخ قلمی نسخہ ورق ۷۹ الف،

۵۴ یحیی السرہندی تاریخ مبارک شاہی ص ۱۹۴، طبقات اکبری جلد اول ص ۲۷۱

۵۵ حیدر ملک ورق ۱۱۵ ب حسن ورق ۱۱۱ الف تاریخ کشمیر نرائن کول عاجز ورق ۲۰۸ ب

اس کا انتقال ہو گیا، لیکن تہری درجو معاصر مورخ ہے، لکھتا ہے کہ اس کو جسرت نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، وہ یہ نہیں لکھتا کہ ایسا زین العابدین کے حکم سے ہوا، لیکن یہ غیر ممکن ہے، کہ جسرت نے اپنے دوست اور سرپرست[۵۲] سلطان کی مرضی کے بغیر، اس کو قتل کیا ہو گا،

---

۵۱ حیدر ملک ورق ۱۱۵ الف،

۵۲ تہری در جلد اوّل باب سوئم نمبر ۱۰۷ (بمبئی اڈیشن)

پانچواں باب (۵)

زین العابدین اعظم (۱۴۲۰ء)

کشمیر کے تمام سلاطین میں زین العابدین بے شک وشبہ سب سے زیادہ عظیم تھا، اس کے عہد میں نصف صدی کے لیے عوام کو امن، خوشحالی اور سکون نصیب رہا، اور ایسی صنعت وحرفت کو فروغ ہوا جس کے لیے کشمیر آج بھی مشہور ہے، اس نے علم وادب، موسیقی ومصوری کی بڑی سرپرستی کی، اور کشمیر کو ثقافت کا ایک بڑا مرکز بنا دیا، اس کی رعایا اس کی وفادار تھی، اور اس کو بڈشاہ کہتی تھی، اور اسی نام سے اس کو کشمیر کے عوام آج بھی یاد کرتے ہیں، عوام میں اس کو مقبولیت حاصل تھی، جو پانچ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی برقرار ہے۔

فتوحات:

زین العابدین کا عہد اس کے دادا شہاب الدین کے عہد کی طرح کسی بھی اہم فوجی کارنامے کے لیے مشہور نہیں ہے، کیونکہ اس کو اپنے ذاتی مرتبہ کو بڑھانے کے لیے جنگ کرنا پسند نہ تھا، اس کی خاص دلچسپی فنون کو ترقی دینے میں مرکوز تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے دادا کے مفتوحہ علاقہ کو اپنے اختیار سے باہر جانے نہیں دینا چاہتا تھا، کیونکہ یہ کشمیر کے لیے فوجی اور کاروباری اہمیت بھی رکھتا تھا، لداخ اور بلتستان کو شہاب الدین نے فتح کیا تھا، لیکن وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو گئے تھے، اگرچہ سکندر نے ان کو

دوبارہ فتح کیا، لیکن علی شاہ کے کمزور دورِ حکومت میں انھوں نے پھر خود مختاری کا اعلان کر دیا،
لہٰذا زین العابدین نے پرگنہ لار میں ایک بڑی فوج جمع کی، اور اپنے فوجی سرداروں
ہلت رینا، احمد رینا اور محمد ماگرے کے ساتھ وہاں کے لیے روانہ ہوا، درّۂ زوجی لا کو
پار کر کے اس نے لداخی سردار ابملہ ے چہارم کو اپنا اقتدار تسلیم کرنے پر مجبور کیا، اس کے
بعد بلتستان کا حکمران بھی اس کا حلیف ہو گیا،[1] فارسی تاریخوں کا یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے
کہ اس مہم میں زین العابدین کاشغر کے حکمران سے لداخ میں نبرد آزما ہوا، اور اگرچہ اس کی فوج
تعداد میں کم تھی، پھر بھی اس نے اپنے حریف کو جو صوبہ پر قابض تھا، ہرا دیا، یون راج جو اس
عہد کا مستند مورخ ہے اسکی صراحت نہیں کرتا یہ روایت اصل میں اس جنگ کا اعادہ
ہے، جو سلطان شہاب الدین اور کاشغر کے حکمراں میں ہوئی تھی، شاید زین العابدین نے
اسی لشکر کشی میں گوگے پر حملہ کیا تھا،[2] اور اس نے شیل[3] گانوں میں بدھ کی مورتی کو قبائلیوں
کے دست برد سے بچایا جن کو فرنیک غلطی سے مسلمان بتاتا ہے،[4] اس نے قصبہ کلو پر قبضہ کیا،

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۵۰ الف، ۵۱ الف، حسن ورق ۱۲۱ ب، حیدر ملک ورق ۱۲۱ الف، ابملہ ے
کے متعلق مزید تفصیل کے لیے فرنیک کی ہسٹری آف ویسٹرن تبت ص ۵، لیکن بلتی سردار کا نام جو زین العابدین
کا ہم عصر تھا معلوم نہیں [2] گوگے گڑھوال اور کماؤں کے شمال میں ہے، اور اب تبت کا حصہ ہے،
[3] شیل دریائے سندھ پر لیہ سے جنوب مشرق میں ۹ میل پر ہے، یون راج اس کو شیا کہتا ہے،
[4] یون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۷-۱۱۰۶، فرنیک انڈین اینٹکواری، جلد ۳۰ ص ۱۰۰، یہ مُلچھوں کو
مسلمان بتاتا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ اغلب نہیں ہے کہ اس وقت شیل میں مسلمان رہے ہوں گے، اور اگر ایک آدھ
ہوں گے بھی تو وہ اتنے طاقتور نہیں تھے، جو بدھ کی مورتی چھین لیتے، جون راج اس واقعہ کی کوئی تاریخ
نہیں بتاتا لیکن شاید یہ واقعہ ۱۴۲۳ء اور ۱۴۴۰ء کے درمیانی سالوں کا ہے، (دیکھو انڈین انٹیکواری، جلد ۳۰ ص ۱۸۸)

جو ان دونوں لداخیوں (بھوٹا) کے ہاتھ میں تھا، ان علاقوں کے حکمراں جلد ہی سلطان کے اقتدار سے آزاد ہو گئے۔ سلطان کو سنہ ۱۴۵۱ء میں اپنے سب سے بڑے لڑکے ادہم خان کو لداخ[۱] کی تسخیر کے لیے بھیجنا پڑا، اور سنہ ۱۴۶۰ء اور سنہ ۱۴۷۰ء کے درمیان اس کو خود لشکرکشی[۲] کرنی پڑی، لیکن اس کی اس آخری جنگ کی تفصیل تاریخوں میں درج نہیں ہے،

زین العابدین کو اس کے بعد او ہند کی طرف توجہ کرنی پڑی جس کے سردار کو سکندر نے مغلوب کیا تھا لیکن اس نے علی شاہ کے عہد میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، اگرچہ اس کو سندھ کے حکمران کی حمایت حاصل تھی لیکن سلطان نے اس کو شکست دے کر اس سے پھر اپنا اقتدار تسلیم کرایا،

بیرونی ممالک سے روابط:

زین العابدین کی شہرت، انصاف پسندی اور فن اور ثقافت کی سرپرستی کے لیے دور دور پھیل گئی تھی، اس سے دوسرے ملکوں سے سفارتی تعلقات بڑھے اور دوسرے ملکوں کے حکمرانوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے، چنانچہ خراسان اور ماوراء النہر کے تیموری حکمران مرزا ابو سعید (سنہ ۱۴۵۲-۶۹ء) نے سلطان کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا، جس کے ساتھ عرب کے گھوڑے اور بلخ کے اونٹ تحفہ میں بھیجے، اس کے جواب میں زین العابدین نے زعفران، کاغذ، مشک، شال، بلور کے پیالے اور دوسری اشیاء بھیجیں[۳]، نوادر الاخبار کے مطابق شاہ رخ (سنہ ۱۴۰۴-۴۷ء) نے جو تیمور کا لڑکا تھا، اور ادب اور سائنس کا بڑا سرپرست تھا، زین العابدین کو ہاتھی اور قیمتی جواہرات تحفہ میں بھیجے، سلطان نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور

۱؎ دیکھو کتاب ہذا ص ۴۷، ۲؎ جے جن راج ص ۱۰۳ "انڈین انٹیکواری"، جلد ۳۷، ص ۱۸۸

۳؎ میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۳ الف، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۰،

اور جواب میں اس کو تحائف بھیجے، اور لکھا کہ اگر قیمتی جواہرات کے بجائے، اس کو علماء، اور کتابوں کا تحفہ ملتا، تو وہ اس کو زیادہ پسند کرتا، اس پر شاہ رخ نے اس کے پاس چھ سو علماء اور بہت سے قلمی نسخے تحفہ میں بھیجے۔[1]

دوسرے ممالک سے بھی زین العابدین کے دوستانہ تعلقات تھے، شریف، مکہ، گیلان اور مصر کے فرمان رواؤں نے اس کو تحائف بھیجے[2]، گوالیار کے راجہ ڈونگر سنگھ نے یہ سن کر کہ سلطان کو موسیقی سے دلچسپی ہے، اس کو اس موضوع پر بہت سی بیش قیمت کتابیں بھیجیں، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے کیرت سنگھ نے سلطان سے دوستانہ تعلقات استوار رکھے[3]، زین العابدین نے سندھ، بنگال، تبت، گجرات کے سلطان محمود، مالوہ کے سلطان محمود اول اور بہلول لودی سے بھی سفارتی تعلقات قائم کیے، اور ان میں تحائف کے لین دین ہوتے رہے۔[4]

زین العابدین کے تعلقات جسرت سے بدستور سابق دوستانہ رہے، سمرقند سے واپسی پر جسرت نے پنجاب میں اپنی ایک ریاست بنالی تھی، وہ بہت حوصلہ مند تھا، اور اپنی ریاست کو وسیع بنانا چاہتا تھا[5]، زین العابدین اس کا احسان مند تھا، کیونکہ علی شاہ کے خلاف جنگ میں اس نے اس کی کافی مدد کی تھی، لہٰذا وہ اس کی فوجی اعانت بھی کرتا تھا، جسرت نے دہلی کے خاندان سادات کے حکمران مبارک شاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سارے پنجاب پر قبضہ کرلیا لیکن وہ دہلی فتح کرنے سے قاصر رہا۔[6]

---

[1] نوادر الاخبار ورق ۴۰ ب، ۷۰ الف، گوہر عالم ورق ۱۲۶ ب، [2] نہری ورق ص ۱۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۳۶ الف، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۸، [3] میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۳ الف، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۸، [4] نہری ورق ص ۱۵۱، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۸، [5] تاریخ ہند کیمبرج جلد ۳ ص ۲۰۵، [6] میونخ قلمی نسخہ ورق ۲۰۷، طبقات اکبری

اس کی ریشہ دوانیوں سے گھبرا کر مبارک شاہ نے اس کو کچلنے کے لیے فوج بھیجی شکست کھا کر جسرت کشمیر بھاگ گیا، جہاں زین العابدین نے اس کو پناہ دی،[1]

بغاوتیں:

زین العابدین کے عہد کے ابتدائی زمانہ میں چکوں کے سربراہ پانڈو چک نے باغیانہ روش اختیار کی، اس نے بیگار کے طریقہ کے خلاف ایک ہڑتال کرائی، چنانچہ جب زین العابدین کمراج گیا، تو اس کو ایک غیر تربیت یافتہ مزدور بھی نہیں ملا سلطان نے انہیں کام کرنے پر مجبور کیا لیکن اس کے جانے کے بعد پانڈو اور اس کے پیرووں نے محل اور کمراج کی دوسری سرکاری عمارتوں میں آگ لگادی، انتقامی کارروائی سے ڈر کر اپنے اور اپنے پیرووں کے خاندانوں کو دراڈ بھیج دیا، اور خود ترہگام[2] کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا جب سلطان کو اس بات کی خبر ہوئی کہ اس کا محل پھونک دیا گیا، تو اس نے فوج روانہ کی جس نے ترہگام میں چکوں کے سارے مکانات مسمار کر دیے، پانڈو بھاگ کر دراڈ[3] پہنچا، اور اپنے خاندان سے ملا، اسی درمیان میں سلطان نے اپنا محل دوبارہ تعمیر کر لیا، لیکن پانڈو نے واپس آکر، دوبارہ محل میں آگ لگادی، اور دراڈ[4] بھاگ گیا، اس پر زین العابدین نے پانڈو کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا، پہلے اس نے دراڈ والوں کو روپیہ اور زمین دے کر، اپنی طرف ملایا، پھر ان کی مدد سے پانڈو کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا،

---

[1] یون راج ص ۷۵، دیکھو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۳ ص ۱۲-۲۰۹ جسرت کی ریشہ دوانیوں کے لیے، [2] ترہگام ترہگما وادی لولاب میں ایک بڑا گاؤں ہے، یہ بارہ مولہ سے جنوب مغرب میں ۵۲ میل ہے، اس کو ترگام نہ سمجھنا چاہیے جو بہ سیو پرگنہ میں جہلم اور سندھ کے سنگم کے سامنے ہے [3] ۔ [4] یہ ترہگام دی سے کرنا تک وادی کشن گنگا کا نام تھا،

موخر الذکر کو اس کے خاندان کے ساتھ سلطان کے سامنے پیش کیا گیا، سلطان نے ان سب کو جو مسلح ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے، پھانسی کی سزا دیدی، صرف عورتوں اور بچوں کو چھوڑا گیا اور ان کو ترہگام کے دور دراز گانوں میں رہنے کے لیے بھیج دیا گیا، پانڈو کا لڑکا حسین چک اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا، اس کے دس لڑکے ہوئے،[1]

سلطان کے عہد حکومت کے آخری بیس سال، اس کے لڑکوں ادہم، حاجی اور بہرام کی بغاوت کی وجہ سے کافی ہنگامہ خیز تھے، خاندانی روایت کے مطابق زین العابدین نے اپنے چھوٹے بھائی محمود کو تخت کا وارث نامزد کیا تھا،[2] لیکن محمود اس دار فانی سے کوچ کر گیا، اس نے حاجی کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کیا، اس سے سلطان کے سب سے بڑے لڑکے ادہم کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، سلطان نے خطرہ محسوس کر کے دونوں بھائیوں کا سری نگر میں اکٹھا رہنا قرین مصلحت نہ سمجھا، اس لیے ۱۴۵۱ء میں اس نے ادہم کو لداخ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، جس نے اپنے بادشاہ بوگرس لچوگ لڈن (۱۴۴۰ء) کے تحت خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، اس جنگ میں شہزادے کو کامیابی حاصل ہوئی، اور صوبہ کو فتح کر کے باج دھانی لوٹا، اور مال غنیمت سلطان کے سپرد کر دیا،[3] سلطان نے پھر حاجی کو لوہر کا گورنر بنا کر بھیج دیا، وہاں ۱۴۵۲ء میں اپنے کچھ بڑے مشیروں کے ورغلانے پر حاجی نے کشمیر پر حملہ کرنے اور تخت شاہی کو غصب کرنے کا ارادہ کیا، اس کے دانش مند اور وفادار افسروں نے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۵۲ الف، ۵۳ الف، [2] مؤرخ قلمی نسخہ ورق ۴۷ الف، تاریخ حسن جلد ۲ ورق ۱۰۳ ب، [3] ثمرۂ یادری ص ۱۰۵، [4] مؤرخ قلمی نسخہ ورق ۴۷ ب، انڈین انٹیکواری جلد ۲۳ ص ۱۰۹

اس سے باز رہنے کی تلقین کی اور سمجھایا کہ بغاوت کی صلاح وہ لوگ دے رہے ہیں، جو اپنے گھر واپس لوٹنا چاہتے ہیں اور سلطان کے خلاف ہتھیار اٹھانا سخت غلطی ہوگی، کیونکہ وہ بہت طاقت ور ہے، اور اس کو شکست دینا ممکن نہیں ہے، لیکن حاجی نے ان کے مشورون کا خیال نہ کیا، اور "کھشوں" کی مدد سے حاجی پور[1] کے راستہ سے کشمیر میں داخل ہو گیا،

یہ خبر ملتے ہی سلطان اپنی فوج لے کر چل پڑا، وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، لہذا اوس نے ایک برہمن کو قاصد بنا کر اپنے لڑکے کے پاس بھیجا، کہ وہ باغیانہ روش ترک کر دے، لیکن حاجی کے سپاہیوں نے برہمن کے کان کاٹ ڈالے جب حاجی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی، تو اس کو اپنے سپاہیوں کی اس حرکت پر شرمندگی ہوئی، اور اپنے باپ سے صلح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے افسرون نے اس کی مخالفت کی، اور اس کو یاد دلایا کہ پہلے انھوں نے سلطان کے خلاف بغاوت نہ کرنے کی التجا کی تھی جس کو اس نے ٹھکرا دیا تھا، اگر اب اس نے صلح کر لی تو وہ خود تو سلطان سے میل کرے گا، لیکن وہ سب نہ تو گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑے گا، اپنے ہمراہیون کا یہ رنگ دیکھ کر، حاجی کو اپنے باپ سے جنگ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا،[2]

اسی درمیان میں وہ برہمن قاصد سلطان کے پاس لوٹ آیا، سلطان نے اس کا یہ حال دیکھا، تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا، اور فوراً حاجی اور اس کے حامیون کو سزا دینے کے لیے فوج کشی کا حکم صادر کر دیا، پلہ شیلا[3] کے مقام پر باغیوں کا مقابلہ ہوا،

---

۱ تہری در ص ۱۰۶-۱۰۷، ۲ ایضاً ص ۱۰۸-۱۰۹، میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۴، ب، ۳ یہ شوپیان کے قریب ایک گروہ ہے جو بدھوری کے راستہ پر سری نگر میں ۳۴ میل جنوب میں ہے مغلوں کے عہد میں اس مقام پر ایک سرائے تھی جہاں مسافر گھوڑے تبدیل اور قیام کرتے تھے،

جنگ صبح سے شام تک جاری رہی، اس میں کافی جانیں تلف ہوئیں، آخر کار حاجی کی فوج کو شکست ہوئی، اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی جس کا تعاقب ادہم نے کیا، اور بہت سے لشکریوں کو تہ تیغ کیا، وہ تعاقب جاری رکھ کر، حاجی کو گرفتار کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کے باپ نے اس کو واپس بلالیا، حاجی اپنی باقی ماندہ فوج کو جمع کر کے ہیرا پور اور پھر بھمبر[1] بھاگ گیا، سلطان سری نگر واپس آیا، اور وہاں دشمن کے سروں کا ایک منارہ بنوایا، اور جنگی قیدیوں کے پھانسی کا حکم دیا[2]، اس کے بعد سلطان نے حاجی کو بغاوت پر ابھارنے کے الزام کی تحقیق و تفتیش کا کام ادہم کے سپرد کیا، ادہم نے ان کی املاک ضبط کرلی، اور ان کے اہل و عیال پر سخت مصائب ڈھائے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بہت سے لوگ حاجی کا ساتھ چھوڑ کر ادہم سے آملے، اس کے بعد سلطان نے ادہم کو اپنا ولی عہد نامزد کیا، اور اس کو کمراج کا حاکم بنادیا[3]،

ان واقعات کے فوراً ہی بعد ۸۴۶ھ میں شدید برفباری کی وجہ سے سخت قحط پڑا، وہاں کی ساری فصل تباہ ہوگئی، اس سے عوام پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، وہ مجبور ہو کر درخت کی پتیوں اور جڑوں پر گذر بسر کرنے لگے، فاقہ سے بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے، چاول کے ایک خروار کا بھاؤ ۳۰۰ دینار سے ۱۵۰۰ دینار تک چڑھ گیا، اور اس بھاؤ پر بھی چاول آسانی سے نہیں ملتا تھا، اس قحط سالی سے فائدہ اٹھا کر مہاجنوں نے نفع خوری کی، سلطان اس صورت حال سے بہت پریشان ہوا، اور اس نے اپنی رعایا کی پریشانیوں کا ازالہ کرنے کی انتہائی کوشش کی، اپنے گودام سے چاول

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، الف، ب، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۳-۴۴۲، حسن ارج ص ۱۲، وغیرہ

[2] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، الف، طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۳، [3] ایضاً،

تقسیم کرایا، اور قحط ختم ہونے پر اُس نے وہ تمام قرضے منسوخ کر دیے، جو عوام پر چاول خریدنے کے سلسلہ میں چڑھ گئے تھے، بہت سے لوگوں نے اپنے مال و جواہر چاول کے عوض رہن رکھ دیئے تھے، مہاجنوں کو ان چیزوں کو ان کے مالکوں کو واپس کر دینے کا حکم دیا، اور چاول کے عوض ان کو قیمت دیدی[1]

وادی کے باشندوں نے ابھی قحط سے مشکل ہی سے چھٹکارا پایا تھا کہ دو سال کے بعد ان پر دوسری مصیبت ٹوٹ پڑی، یہ مصیبت سخت بارش کی وجہ سے سیلاب کی صورت میں رونما ہوئی، انسان اور چوپایے تلف ہو گیے، اور ہزاروں مکان برباد ہو گیے، خوش قسمتی سے سیلاب کا اثر دھان کی فصل پر نہیں پڑا سلطان نے اس مصیبت کے تواتر کا خیال کر کے جہلم کے اونچے کناروں پر اندرکوٹ کے قریب جو سیلاب سے برباد ہو گیا تھا، زین لنک نامی شہر بسایا، اسی نئے شہر میں سلطان نے رجوری کے جے سنگھ کا استقبال کیا تھا، اور اس کو رجوری کا راجہ مقرر کیا تھا[2]،

زین العابدین کو امید تھی کہ ادہم کے ولی عہد اور کمراج کے حاکم بنائے جانے کے بعد باہمی تنازعے ختم ہو جائیں گے لیکن اس کا خیال غلط نکلا، ادہم کا سارا وقت شکار اور عورتوں کی صحبت میں کٹتا تھا، وہ ظالم خود پسند اور بے حد حریص تھا، کمراج کے باشندوں پر ظلم کرتا تھا، اس نے سلطان کی عطا کی ہوئی زمینوں کو واپس لے لیا، اور لوگوں کے مال و زر کی لوٹ کھسوٹ کرتا تھا، اس کی مثال سامنے رکھ کر، اس کے عمال بھی باشندوں کو لوٹتے تھے[3] سلطان کو یہ جان کر دکھ ہوا، اور اوس نے ادہم

---

[1] یون راج ص ۱۹۔۱۱۷، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، الف، [2] یون راج ص ۲۰۳؛۱۲
[3] ایضاً ص ۷۔۱۲۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، ب،

کی فہمائش کی، لیکن موخرالذکر نے اس کی نصیحت پر دھیان دینے کے بجائے علم بغاوت بلند کیا، وہ قطب الدین پور پہنچا، اور زین کبر کی طرف اپنے باپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا، اپنے اوپر اچانک حملہ ہو جانے پر سلطان نے اس کو سمجھایا، اور اپنی باغیانہ روش کو چھوڑنے کے لیے کہا، اس کی سمجھ میں بات آگئی، اور ادہم کراج لوٹ گیا،[1]

زین العابدین کو یقین نہ تھا کہ ادہم زیادہ عرصہ وفادار اور پر امن رہے گا، لہٰذا حاجی سے مدد کا طلب گار ہوا، لیکن حاجی کے پہنچنے سے پہلے ہی ۸۵۹ھ میں ادہم نے سوپور پر حملہ کر دیا، وہاں کے حاکم نے مقابلہ کیا، لیکن ادہم نے اس کو شکست دے کر اس کا کام تمام کر دیا، اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی،[2] اس کی خبر پا کر سلطان نے ایک بڑی فوج روانہ کی، بڑی سخت لڑائی کے بعد ادہم کو شکست ہوئی، اور اس کے ہمنوا جب سوپور کے پاس جہلم کو پار کر کے بھاگ رہے تھے، تو اسی وقت پل ٹوٹ گیا، اور ان میں سے تین سو آدمی غرقاب ہو گئے، اس کے بعد سلطان خود سوپور گیا، اور وہاں کے باشندوں پر جو مصیبت آئی تھی، اس کے لیے ان کی دلجوئی کی،[3]

اسی اثنا میں سلطان کو بارہ مولہ کے قریب مضافات میں حاجی کی آمد کی اطلاع ملی، اس نے فوراً بہرام کو اسے لینے کے لیے بھیجا، دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے پھر اپنے باپ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے،[4] اس کی خبر جب ادہم کو لگی، تو اس کو بڑی تشویش ہوئی، اور سندھ کو پار کر کے وادی سندھ میں پناہ گزین ہوا،[5] زین العابدین

۱؎ تہری ورق ۱۲۶-۷، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، ب، ۲؎ ایضاً تہری ورق ۱۲۸-۹، ۳؎ میونخ قلمی نسخہ ورق ۵، ب، طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۴۴، ۴؎ میونخ قلمی نسخہ ۶، الف طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۴

۵؎ یہ ایک تنگ وادی ہے، جو کشمیر کے شمالی حصہ میں واقع ہے، اور سری نگر سے شمال مغرب میں چند میل پر ہے،

حاجی کے ساتھ سری نگر واپس آیا، اور ایک بار پھر اس کی ولی عہدی کا اعلان ہوا،[1] اس کے حامیوں کے پہلے قصور معاف کر دیئے گئے، ان کو خلعتیں اور جاگیریں عطا کی گئیں[2] حاجی خوبصورت، نرم دل، شرمیلا اور مخنتی تھا، اسی لیے وہ زین العابدین کا چہیتا تھا، لیکن سلطان کو حاجی کی مے نوشی کی زیادتی ناپسند تھی، جس سے اس کی صحت تباہ اور برباد ہو رہی تھی، اس نے اس کو اس بری عادت کے چھوڑنے کے لیے بہت کچھ کہا، لیکن اس کی نصیحت کارگر نہیں ہوئی،[3] آخر کار سلطان اس سے تنگ آگیا، کچھ امرا نے جو ادہم کے طرفدار تھے، ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اس کو سری نگر بلایا، ادہم فوراً سری نگر کے لیے روانہ ہو گیا،[4] لیکن حاجی کا لڑکا حسن پونچھ میں تھا، اس کو روکنے کے لیے رجوری پہنچا، چچا بھتیجے میں شدید جنگ ہوئی جس کو شکست ہوئی، اور ادہم صحیح سلامت سری نگر پہنچا، یہاں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے طے کر لیا، اور دونوں حاجی اور بہرام نے ادہم کا خیر مقدم کیا، اس سے معاملات نہیں سدھرے، کیونکہ ان کی مصالحت صرف نمائشی تھی[5] اس کے علاوہ سلطان کی طرف سے ادہم اور اس کے ساتھیوں کی وہ حوصلہ افزائی نہیں ہوئی جس کی ان کو توقع تھی، اس کا سبب یہ تھا، کہ سلطان کو ادہم اور حاجی دونوں ہی سے بہت تلخ تجربہ ہوا تھا، لہٰذا اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے بہرام پر نظر التفات کی، اور جس کو وہ اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، زین العابدین نے بہرام کو اپنے پاس بلایا، اور اس کو سمجھایا، کہ اس کو ادہم پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ بہرام

---

[1] تیری ورق ۱۳۱ امیو نخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف، [2] ایضاً تیری ورق ۱۳۷، [3] ایضاً ص ۷۰، ۵۸۰ امیو نخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف

[4] ادہم دادی سندھ کو گیا تھا، اور وہاں سے باہری پہاڑی کی طرف چلا گیا تھا،

[5] تیری ورق ۱۶۰ امیو نخ قلمی نسخہ ورق ۷۰، ب،

نے اوہم کے خلاف جنگ میں جو حصّہ لیا تھا، اس کو وہ کبھی بھول نہیں سکتا ہے، اس نے بہرام کو حاجی کے خلاف انتباہ کیا، اور اس کو بتایا کہ حاجی کو بہرام سے زیادہ اپنے لڑکے حسن کا خیال ہے، لیکن بہرام نے اپنے باپ کی نصیحت کی پروا نہیں کی، اور سلطان سے کہہ دیا کہ وہ حاجی کی صحبت ہرگز نہیں چھوڑ سکتا، کیونکہ حاجی سے اس کو مدد اور حفاظت کی پوری امید تھی، بہرام کے اس جواب سے سلطان کو صدمہ پہنچا، لیکن وہ بہرام کو اپنی اُمید کی کشتی کا پتوار بنا چکا تھا[۱] سلطان اپنے لڑکوں سے اتنا برگشتہ ہو چکا تھا، کہ اس نے ان میں سے کسی کو بھی جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ اس کے وزراء نے اس کو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ولی عہد نامزد کرنے کا ہی مشورہ دیا، لیکن اس نے قبول نہ کیا، سلطان کے خیال میں اوہم کنجوس تھا، اور اس کے مشیر سارے کے سارے بے ایمان تھے، حاجی شرابی تھا، اور بہرام عیاش تھا، ان حالات میں سلطان کا خیال تھا کہ اس کے لڑکے اس کی موت کے بعد خود بزورِ شمشیر جانشینی کا فیصلہ کرلیں گے، جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا، وہی تخت کو حاصل کرے گا،[۲]

اسی درمیان میں سلطان کی پیشین گوئی کے مطابق اس کے لڑکوں کی دوستی کی بنیادیں کمزور ہونے لگیں، بہرام نے اپنے مفاد میں اوہم اور حاجی کے درمیان جھگڑا کرا دیا، ان کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کرا دینے کے بعد اس نے حاجی کو اپنی طرف ملا لیا، اور اوہم کو برباد کرنے کی سازش کی اوہم ڈر کر اپنے باپ کی پناہ میں آگیا لیکن سلطان نے اس کو بزدل کہہ کر، اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، اوہم قطب الدین پور چلا گیا، اور روپوش رہا[۳]

---

[۱] شہری درص ۱۷۱-۱۷۲ [۲] ایضاً ۱۶۳ [۳] ایضاً ص ۱۶۲-۱۸۰-۹ موءرخ قلمی نسخہ ورق ۷۲ ب،

زین العابدین کی زندگی کا آخری دور ذاتی آلام اور دوسرے دکھوں سے بھرا ہوا تھا، اس کو اپنے لڑکوں کی باہمی کشاکش اور اس سے ان کی بے وفائی کا بہت ملال تھا، اس کی بیوی تاج خاتون جس سے اس کو تعلق خاطر تھا، انتقال کر چکی تھی، اس کے بہت سے وفادار دوست اور مشیر اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے[1]، اور کوئی بھی قابل وزیر نہ بچا تھا جو اس کو مفید مشورہ دیتا[2]، اس کے نئے درباری، ابن الوقت اور بے اصول انسان تھے، جو دن کے وقت تو اس کے ساتھ رہتے، اور رات کے وقت اس کے لڑکوں سے مل کر سازش کرتے، اس کے لڑکوں اور افسروں کی بے عقلی اور خود غرضی سے حکومت تباہ ہو رہی تھی، اور اس کی تمام زندگی کے کارنامے پر پانی پھر رہا تھا[3]، اس سے اس کو بہت دکھ پہنچا، اور اس پر مایوسی طاری رہتی، وہ روحانی اور جسمانی طور پر کمزور ہو چکا تھا، اس کے اندر اپنے چاروں طرف کے خطرات سے لڑنے کی سکت باقی نہیں تھی، لہذا اوس نے مذہب کی آغوش میں پناہ لی، وہ اپنی قبل از وقت موت کی دعائیں مانگا کرتا اور شری ور سے ویدوں کی دعائیں سنا کرتا، تاکہ اس کو کچھ تسکین حاصل ہو[4]۔

سلطان کی دماغی قوتیں کم ہوتی جا رہی تھیں، اس کو نسیان کی شکایت رہنے لگی، اس لیے اس نے سرکاری کاغذوں پر دستخط کرنا بند کر دیا، اور حکومت اپنے وزیروں پر چھوڑ دیا، اس کو ہر چیز سے نفرت ہو گئی، اس سے جب بھی عام مسائل پر کچھ پوچھا جاتا، تو وہ اپنے حکام کو کچھ جواب نہ دیتا، اور کچھ بے معنی الفاظ بک دیتا[5]، اس کے

---

[1] شری ور ص ۱۵۸، [2] ایضاً ص ۱۶۳، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۷-۱۶۵،
[5] ایضاً ص ۷۰-۱۶۹،

علاوہ اس کو شک و شبہ کا بھی بے حد خبط ہو گیا تھا، اس کے سامنے کھانا آتا تو یہ سوچ کر کہ اس میں زہر ملا ہو گا، وہ ہاتھ نہ لگاتا، اور یہ سوچتا کہ اس کے وزیر اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کر رہے ہیں[۱]

سلطان جب قریب المرگ ہوا، تو بہرام نے حاجی کو محل میں پہونچنے، مخالف وزیروں کو گرفتار کرنے اور اصطبل اور خزانے پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن حاجی نے اس مشورہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وہ اپنے باپ کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، وہ محل میں گیا، اور تمام رات سلطان کے پاس بیٹھا رہا جو کہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا[۲]

ادھر قطب الدین پور میں تھا، اس کو جب اپنے باپ کے مرض الموت کی خبر ملی، تو وہ اپنی فوج لے کر تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے نوشہر کی طرف چل پڑا، سیدھے راجدھانی پر فوج کشی کرنے کے بجائے وہ راستہ میں رکا رہا، اور رات شہر کے باہر گذاری، اس اثنا میں خزانچی حسن کچھی نے حاجی کے نام حلف وفاداری اٹھا لیا، اور خزانہ اس کے حوالہ کر دیا، اس کے علاوہ حسن اور بہرام کے مشورہ سے حاجی نے تمام لشکری گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا، یہ سن کر ادہم کو بڑی تشویش ہوئی، اور اپنی ناکامی کو سامنے دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا، بہرام نے اس کا پیچھا کیا، اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد حسن جو پونچھ کا والی تھا، اپنے باپ کی مدد کو پہنچا، اس سے حاجی کی حیثیت اور مستحکم ہو گئی،[۳]

ادھر خانہ جنگی ہو رہی تھی، اور ادھر سلطان بستر مرگ پر بے ہوش پڑا تھا، آخر کار

۱؎ ایضاً ص ۱۷۰-۱۷۱ ۲؎ ایضاً ص ۱۷۳ ۳؎ ایضاً ص ۱۷۲-۱۷۴ مؤرخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ الف،

۱۲ مئی ۱۴۷۰ء بروز جمعہ دوپہر کے وقت اس کا انتقال ہوا، وفات کے وقت اس کی عمر ۶۹ سال کی تھی[1]، اس کا جسد خاکی مزار سلاطین لے جایا گیا، اور اس کو رعایا کی چیخ و پکار اور آہ و بکا کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا، اس دن راجدھانی میں کھانا نہیں پکا، اور نہ کسی چولھے سے دھواں اٹھا[2]، حاجی نے بھی سوگ منایا، اور اس کو اپنے باپ کو دکھ پہنچانے کا غم بھی رہا،

سلطان کی سیرت: تاریخوں میں سلطان کی شکل و شباہت کا کوئی ذکر نہیں ملتا، شری ور لکھتا ہے کہ سلطان خوبصورت تھا، اور اس کی داڑھی سیاہ اور لمبی تھی، اس کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں لکھتا[3]، لیکن تذکروں کے گہرے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین میں، اس کے باپ شہاب الدین کی جیسی جسمانی قوت، طاقت، اور جرات نہیں تھی، اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ ایک عظیم سپاہی تھا، کیونکہ اس نے کوئی فوجی کارنامہ نہیں انجام دیا، یہ ضرور ہے کہ اس نے علی شاہ کو شکست دی تھی، لیکن اس کا سبب اسی کی ذاتی شجاعت کا جوہر نہ تھا، بلکہ اس کو فتح اس لیے حاصل ہوئی کہ جسرت کھوکر نے اس کی مدد کی، لداخ بلتستان، اور گلو میں فتح ہونے والی فوج کا سپہ سالار وہ خود نہ تھا، بلکہ اس کے فوجی سردار تھے،

زین العابدین مزاج کا نرم تھا، اور اس کو بہت کم غصہ آتا تھا[4]، وہ فطرۃً شفیق تھا، اس کا ثبوت درباریوں اور خاندان والوں سے اس کے برتاؤ سے مل سکتا ہے، چنانچہ جب اس کے وزیر شیو بھٹ کا انتقال ہوا، تو اس کو بہت رنج ہوا، اور اس نے

---

[1] ایضاً شری ور ص ۱۷۵، [2] ایضاً ص ۱۷۰، [3] ایضاً ص ۱۷۰-۱۷۸، [4] ایضاً ص ۱۷۵-۱۷۴، [5] ایضاً ص ۱۶۷،

کثیر رقم خیرات کی۔[1] اسی طرح جب جب اس کے وفادار مشیروں کی وفات ہوتی رہی تو وہ اپنے کو تنہا اور اداس محسوس کرتا، سلطان کو اپنے لڑکوں سے بہت محبت تھی، اور[2] ان کی مسلسل بغاوتوں کی وجہ سے وہ ان کے خلاف ہوگیا تھا، پھر بھی اس نے ان کو سزا دینے سے احتراز کیا، اور اگر اس نے ذرا سخت حکمت عملی اختیار کی ہوتی، تو اس کی حکومت میں آگے چل کر اتنا خلل نہ پیدا ہوتا،

سلطان کو مذہب سے فطری لگاؤ تھا، وہ اپنے مذہبی فریضہ کا سختی سے پابند تھا، پنجگانہ نماز پڑھتا، رمضان کے مہینے میں روزے رکھتا، اور گوشت نہیں کھاتا،[3] وہ صوفیوں، عالموں، برہمنوں اور پنڈتوں کی بڑی عزت کرتا تھا، اور ان کو جاگیریں بھی عطا کرتا تھا،[4] وہ امور حکومت میں شیخ الاسلام کے مشورہ سے کام کرتا تھا، اور علماء سے اس کے تعلقات خوشگوار رہتے،

سلطان کی خانگی زندگی کے متعلق معلومات بہت مختصر ہیں، سنسکرت کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی کبھی شراب پیتا تھا، لیکن بلانوش نہ تھا، بہرحال وہ دوسری نشہ آور چیزوں سے احتراز کرتا تھا،[5] اس کی بھی شہادت موجود ہے، کہ وہ پاکیزہ زندگی بسر کرتا تھا، اس کے پاس کنیزیں نہ تھیں، اور وہ ایک وقت میں تین سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتا تھا، سب سے پہلے اس کے نکاح میں سید محمد بیہقی کی لڑکی تاج خاتون آئی،[6] اس سے

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۴، الف [2] شری ور ص ۷۰، شری ور کے مطابق ص ۱۷۵، موت کے وقت سلطان کے ہونٹ کانپ رہے تھے، جیسے کہ وہ دعا کر رہا ہو، شاید وہ کلمہ پڑھ رہا ہوگا۔ [3] یون راج ص ۹۰، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱، الف، [4] سلطان کی رائے الکحل کے برے اثرات پر دیکھو شری ور ص ۱۵۹ [5] شری ور ص ۱۵۷ [6] شری ور نے اس کا نام دودھا خاتون لکھا ہے، یہ شاید مخدوم کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جو اس کا نام تھا، یا اس کا تعلق بود سے ہو جس کے معنی بڑے کے ہوتے ہیں،

دو لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے ایک کی شادی اس کے بھانجے سید حسن بیہقی[1] سے ہوئی، اور دوسری پکھلی کے راجہ سے ہوئی، سلطان کو تاج خاتون سے بہت محبت تھی، اور ضعیفی میں اس کی موت سے بہت متاثر تھا، اس کی دو اور بیویاں جموں کی شہزادیاں تھیں[3]، لیکن یہ نہیں معلوم کہ آیا وہ دو بہنیں تھیں، اور حرم میں ایک ہی ساتھ رہتی تھیں، ان شہزادیوں سے سلطان کے چار لڑکے ہوئے، جن کے نام ادہم، حاجی، بہرام، اور جسرت تھے، شاید جسرت کم عمری میں انتقال کر گیا، کیونکہ اس کا ذکر شری در اور مسلمان مورخوں نے نہیں کیا ہے،

ایک غیر مستند روایت کے مطابق رجوری کے راجہ سندر سنیا نے اپنی سب سے بڑی لڑکی راجیہ دیوی کو زین العابدین کے پاس بھیجا، سلطان اس وقت ولر جھیل میں شکار کھیل رہا تھا، اس نے اس خاتون کے ہمراہیوں سے پوچھا "یہ کس ماتا کی ڈولی ہے"؟ جب اس کو بتایا گیا کہ یہ رجوری کی شہزادی ہے، جو اس کے لیے بھیجی گئی ہے، تو اس نے کہا چونکہ میں اس کو ماتا کہہ چکا ہوں، اپنی بیوی نہیں بنا سکتا، لیکن وہ رجوری واپس نہیں بھیجی گئی، اور سلطان کی اجازت سے محل میں رہنے لگی، اس نے اسلام قبول کر لیا، اور سری نگر میں مار نہر پر رجوری کدل کی تعمیر کی، پھر سندر سنیا نے اپنی دوسری لڑکی کو بھیجا، وہ بھی مسلمان ہو گئی، اس کا نام سندر دیوی تھا، لیکن عوام اس کو سندر ماجی کہتے تھے[4]،

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۲۹-ب ۳۰-ب، [2] یون راج ص ۸۷، شری در ص ۱۹۴ پر صرف ایک شہزادی کا ذکر کرتا ہے، جو جموں کے راج مانک دیو کی لڑکی تھی، اس سے ادہم خان پیدا ہوا [3] جون راج ص ۸۰، [4] جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد ۹ حصہ ۲ ص ۱۴۵، یہ بات کننگھم پر مبنی ہے، جو اس کی کوئی سند نہیں دیتا، تذکرہ راجگان رجور" میں ایسی شادی کا ذکر نہیں ہے،

کسی اور کشمیری فرمانروا نے زین العابدین سے زیادہ کام رعایا کے فلاح وبہبود کے لیے نہیں کیا، وہ عوام کی حالت اور اپنے افسروں کے انصرام و بندوبست کو معلوم کرنے کے لیے ملک کا دورہ کیا کرتا، وہ خلیفہ ہارون رشید کی طرح بھیس بدل کر راجدھانی کی سڑکوں پر گھوما کرتا تھا[1]، اس کے عہد میں جاسوسی کا انتظام بہت اچھا تھا، اور اس کو رعایا اور افسروں کی سرگرمیوں کی پوری خبر رہتی تھی[2]، اپنے افسروں کی رشوت خوری یا عوام کو پریشان کرنے کی اطلاع اس کو ملتی تو وہ انہیں سزا دیتا[3]، اس نے زائد ٹیکسوں اور جابرانہ جرمانوں کو جو اس کے افسر رعایا سے اپنے جیب بھرنے کے لیے وصول کرتے تھے[4]، روک دیا، اور حکم جاری کیا کہ جو زمین بیع کی جائے، اس کی بھوج پتر پر رجسٹری ہونی چاہیے، تاکہ بعد میں بیع نامہ سے انکار نہ ہو سکے[5]، اشوک کی طرح زین العابدین نے اپنے قوانین کو تانبہ کی پلیٹوں پر لکھوا کر گاؤں اور قصبوں میں عام اطلاع کے لیے لگوا دیے تھے[6]، مختلف اشیاء کی قیمتوں کو بھی تانبہ کی پلیٹوں پر کھدوا دیا تھا، اور یہ حکم جاری کر دیا گیا تھا کہ تاجر جو بھی سامان برآمد کریں، انھیں گھروں میں چھپا کر نہ رکھیں، بلکہ لوگوں کے ہاتھ کم نفع پر فروخت کریں، یہ ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری سے بچنے کے لیے کیا گیا تھا[7]،

زین العابدین کے عہد حکومت میں تانبہ کی کانوں سے تانبہ نکلتا تھا، ان کی آمدنی

---

۱ حسن ورق ۱۲۲ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۱ ب، ۲ شری ور ص ۱۰۱،
۳ جون راج ص ۷۶ ۴ مونخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص
۴۳۷، ۵ جون راج ص ۸۸، ۶ مونخ قلمی نسخہ ورق ۶۹ ب، ۷ ایضاً
ورق ۶۹ ب، ۷۰ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۶،

سلطان کے ذاتی مصارف میں استعمال ہوتی تھی، دریاؤں کے ریتیلے کناروں سے سونے کے ریزے جمع کیئے جاتے تھے، اور حکومت اس کا چھٹا حصہ لیتی تھی[1] سکندر کے عہد میں سونے اور چاندی کی مورتیوں کو پگھلانے کی وجہ سے ان دھاتوں کی قیمت گر گئی تھی، سلطان نے تانبہ کے سکے ڈھالنے کا حکم دیا[2]،

زین العابدین کو عدل و انصاف کا خاص خیال تھا، اور جرم کرنے والوں کو چاہے وہ تخت شاہی کے کتنے ہی مقرب ہوں سزا ضرور دیتا تھا، سلطان کا ایک خاص مقرب میر شاہ تھا، اس نے طیش میں اپنی بیوی کو مار ڈالا تھا، سلطان نے اس کو معافی دینے سے انکار کر دیا، اور اس کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا[3]، اسی طرح جب اس کے رضاعی بھائی شیر اور مسعود جو اس کے بڑے معتمد علیہ تھے، آپس میں لڑے اور شیر نے مسعود کو قتل کر دیا تو سلطان نے شیر کو پھانسی دے دی[4]، ایک دوسرے موقع پر ایک عالم سعد اللہ نے جن کی سلطان بڑی عزت کرتا تھا، ایک برہمن یوگی کو حسد کی وجہ سے مار ڈالا تھا، سلطان نے شیخ الاسلام سے مشورہ کیا، وہ موت کی سزا کا مستوجب تھا، چونکہ سعد اللہ نے یہ قتل نشہ کے عالم میں کیا تھا، سلطان نے سزائے موت معاف کر کے یہ حکم دیا، کہ اس کو گدھے پر الٹے بٹھا کر، داڑھی کو پیشاب میں بھگو کر، سر کے بال مونڈوا کر اور اس کے ہاتھ کو متوفی کی انتڑیوں سے کس کر بازار میں گھمایا جائے،

---

[1] یون راج ص ۵-۸۸، مورخ قلمی نسخہ ورق ۲، ب، یہ درج نہیں ہے، کہ یہ کانیں کہاں واقع تھیں لیکن تانبہ پہاڑوں سے اُس جگہ سے نکالا گیا ہوگا، جہاں لیدر وادی میں عیش مکان واقع ہے، (لارنس دیلی ص ۶۲) [2] مورخ قلمی نسخہ ورق ۰، [3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۷، [4] یون راج ص ۸۰، [5] مورخ قلمی نسخہ ورق ۴، الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۱،

اور لوگ اس پر تھوکیں[1]،

سلطان اصولاً سزائے موت کا موافق نہ تھا، لیکن وہ اس کو سنگین جرائم کے لیے ضروری سمجھتا تھا معمولی جرائم کے لئے، وہ معمولی سزائیں دیتا تھا اس کا یہ حکم تھا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو پھانسی کی سزا نہ دی جائے، اور نہ انہیں کوڑے لگائے جائیں، بلکہ ان کو زنجیر میں باندھ کر ان سے سرکاری عمارتوں کی تعمیر میں کام لیا جائے[2]، اسی طرح چنڈالوں[3] کو جو چوری کرکے اپنا پیٹ بھرتے تھے، جیل نہیں بھیجا جاتا تھا، بلکہ ان کو کھیتی کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، جو لوگ بے کاری کی وجہ سے چوری کرنے لگتے تھے، ان کو وہ کھانا دیا کرتا تھا[4]، اس نے غریبوں اور بیماروں کے لیے خیرات خانے اور اسپتال کھولے[5]، اگر کسی گاؤں میں ڈاکہ زنی کی واردات ہوتی، تو گاؤں کے خاص خاص آدمیوں کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، اس طرح ڈاکہ زنی ختم ہوگئی، اور لوگ آرام سے اپنے گھروں میں سوتے، اور بے خوف و خطر جنگلوں اور سنسان مقامات کا سفر کرتے[6]،

زراعت:

زین العابدین کو زراعت سے کافی دلچسپی تھی، اس نے بہتے ہوئے جزیرے بنائے جن پر فصل بوئی جاتی تھی، اس نے دلدلوں کو خشک کرایا، اور ایک بڑے بنجر علاقہ کو قابل کاشت بنایا[7]، اس نے بہت سے تالاب، نہریں، اور بند بنا کر آب پاشی کے

---

[1] جون راج ص ۸۵-۸۶، [2] ایضاً ص ۹۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۲، الف [3] دیکھو بارہواں باب برائے چنڈال [4] تھری در ص ۱۰۱ [5] یون راج ص ۸۲-۸۸ [6] میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۵ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۶، تھری در ص ۱۰۲، [7] ایضاً ص ۱۴۲، بہارستان شاہی ورق ۵۱ ب،

طریقوں کو بہتر بنایا[1] اس کی بنوائی ہوئی[2] اہم نہریں یہ ہیں:۔

لچھم کل سے سندھ کا پانی سلطان کے نئے تعمیر کردہ شہر نوشہر کو جاتا تھا، اس کے بعد یہ نہر جامع مسجد تک جا کر مار نہر میں گر جاتی تھی[3]،

کاک پور نہر سے کاک پور گانوں کے چاروں طرف کی زمین کی سینچائی ہوتی تھی[4]،

چک در نہر نند مرگ سے نکلتی تھی، اور اس سے چکدر کی سطح مرتفع کی آب پاشی ہوتی تھی[5]

کرال نہر سے کرال کے علاقہ کی آب پاشی ہوتی تھی، کرال کا نام اودین ہے، جو شوپیان اور ررومہ کے درمیان واقع ہے[6]، اس نہر کے کنارے سلطان نے زین پور[7] قصبہ بسایا تھا،

اونتی پور نہر اونتی پور کے اردگرد کے علاقہ کی آب پاشی کرتی تھی، اور دھان کی فصل اس سے ہوتی تھی[8]، اس نہر کا کچھ حصہ جودپور اور راج پور کے گانوں کے پاس تھا، اب بھی موجود ہے[9]،

شاہ کل یا صفا پور، نہر سندھ ندی کا پانی ضلع لار کے پار لے جاتی تھی، اور نسبل جھیل کے چاروں طرف کی زمین کی اس سے آب پاشی ہوتی تھی، جھیل کے کنارے

---

[1] شہری در ص ۱۴۱، نوادر الاخبار ورق ۴۰ الف، [2] ایضاً ورق ۵۹ ب [3] جون راج ص ۸۷ مزید دیکھو مورخ قلمی نسخہ ورق ۱۰ الف اور طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۷، کاک پور کا پرانا نام اتیل پور تھا، (اسٹین ج ۲ ص ۴۶۸) [4] جون راج ص ۸۹ [5] نند مرگ، پیر پنچال میں ایک درہ ہے جو شاہ ابادی وادی کے جنوب شرقی کناری پر واقع ہے، جون راج اس کو نند شیل کہتا ہے، اور چکدر کو چکر دھر بتاتا ہے [6] یہ گانوں شوپیان سے ۳ میل شمال میں اور سری نگر جانے والی سڑک کے مغرب میں عرض البلد ۳۳:۵۲ اور طول البلد ۷۴:۵۳ میں واقع ہے [7] جون راج ص ۸۸ مراج ڈویژن کے ضلع شوپیان میں زین پور ایک پرگنہ تھا، اب یہ اننت ناگ ضلع میں ہے،

سلطان نے اندرکوٹ کے قصبہ کو پھر سے بسایا، اور صفاپور میں ایک محل باغ صفا بنوایا جس میں مرزا حیدر رہا کرتا تھا[1]،

لال کل یا پوہر نہر سے پوہر ندی کا پانی زین گیر کے علاقہ میں آتا تھا، قصبہ زین گیر سلطان زین العابدین نے بسایا تھا، یہ نہر ندی پر بند باندھ کر، پانی کا رخ پھیر کر بنائی گئی تھی جس سے اس علاقہ میں دھان کی کھیتی ہوتی تھی[2]،

شاہ کل یا مارتنڈ نہر لیدر ندی کے پانی کو متن کی سطح مرتفع پر، آبپاشی کے لیے لے جاتی تھی[3]، اس سے سلطان نے سطح مرتفع میں گنے کی کاشت شروع کرائی، یہ نہر اب بھی موجود ہے[4]،

مار نہر یا لالمار، پہلے ڈل جھیل کا فالتو پانی حبہ کدل کے پاس جہلم میں گر جاتا تھا[5]، لیکن زین العابدین نے جھیل کے پانی کو مار نہر میں پھیر دیا جس کو اس نے شادی پور تک بڑھا دیا، وہاں یہ نہر جہلم اور سندھ کے سنگم میں مل جاتی تھی[6]، اس کی وجہ سے بہت بڑا رقبہ زیر کاشت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) ٧ جون راج ص ۷۰، ٨ انیشنٹ مانومنٹس آف کشمیر از کاک ص ۳۷، راقم الحروف کو بندوبست کے کاغذوں اور نقشوں میں کہیں بھی مدپور نہ مل سکا، اور نہ ہی کے باشندوں کو اس گانوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم، راج پور سری نگر سے ۱۲ میل جنوب مشرق میں ہے، یہ اپنے سیدھ کے باغات کیلئے مشہور ہے سیب یہیں سے باہر بھیجے جاتے ہیں،

١ جون راج ص ۷۰، صفاپور منسبل جھیل کے کنارے ایک گانوں ہے، جہاں اکبر نے باغ لگوایا تھا ٢ بہارستان شاہی ورق ۱۵ الف، ب، تاریخ کشمیر از سید علی ص ۳۰، تاریخ حسن از پیر حسن شاہ ج ۱ ورق ۹۹ ب، زین گیر کامراج ڈویژن کا ایک پرگنہ ہے ٣ جون راج (بمبئی ایڈیشن) نمبر ۱۲۳۲ وغیرہ، نوادر الاخبار ورق ۵۴ الف، ۴ ۵۴ الف گوہر عالم ورق ۱۲۷ الف، ۴ یون راج ص ۷۰، ۵ دی ویلی از لارنس ص ۱۹۱، تاریخ حسن ج ۱ ورق ۹۹ ب، ۶ تحریر ص ۳۳ ۴ اسید علی ص ۳۷،

ہوگیا، سلطان نے اس نہر پر سات پل تعمیر کرائے، اور آج یہ نہر سری نگر اور ڈل جھیل کے درمیان ایک اہم راستہ ہے،

ان نہروں، دلدلوں کو پاٹنے اور بڑے رقبہ کو زیر کاشت لانے کی وجہ سے کشمیر اناج کے سلسلہ میں خودکفیل ہوگیا، اور چاول سستا ہوگیا[1]، مورکرافٹ کے اندازے کے مطابق زین العابدین کے عہد میں چاول کی پیداوار ۷۷ لاکھ خروار تک پہنچ گئی تھی[2]، لگان جنس کی صورت میں وصولی کی جاتی تھی، اور اناج اکھٹا کرنے کے لیے گودام بنا دیئے گئے تھے[3]، جب کبھی چاول کی قیمت چڑھنے لگتی، تو حکومت فوراً ہی اپنے گودام سے چاول باہر لاتی، تا کہ لوگوں کو چاول کم دام پر مل سکے، یہ نہیں معلوم کہ عام شرح لگان کیا تھی، لیکن قحط کے زمانے میں لگان چوتھائی اور کہیں کہیں تو ساتواں حصہ لی جاتی تھی[4]، اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ پیداوار میں حکومت کا آدھا یا تہائی حصہ ضرور ہوتا تھا، زین پور میں حکومت کے خرچ سے جو زمین قابل کاشت بنائی گئی تھی، اس میں جو کاشتکار کھیتی کرتے تھے، انہیں حکومت کو کل پیداوار کا ساتواں حصہ دینا ہوتا تھا، سلطان نے تانبے کے پلیٹوں پر یہ بات کھدوادی تھی، کہ آیندہ بھی حکمراں اسی شرح سے لگان وصول کریں[5]،

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۲۰ ب، ۱۲۱ الف، [2] ٹریولس (TRAVELS) از مورکرافٹ ج ۲ ص ۱۳۵، جب مورکرافٹ کشمیر گیا تھا، اُس وقت چاول کی پیداوار صرف ۲۰ لاکھ خروار تھی، [3] ثمری ور ص ۱۴۰، [4] میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۷ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۳ [5] ثمری ور ص ۱۵۷،

زین العابدین اور اسکی غیر مسلم رعایا

زین العابدین کے عہد کی سب سے نمایاں خصوصیت غیر مسلموں کے ساتھ اس کا منصفانہ اور روادارانہ برتاؤ تھا۔ سلطان نے ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی مکمل آزادی دے رکھی تھی، اور جو ہندو جموں اور کشتواڑ بھاگ گئے تھے، اُن کو اس نے واپس بلا لیا۔ اس نے ان برہمنوں کو جنھیں جبریہ مسلمان بنایا گیا تھا، اپنے مذہب کو پھر سے اختیار کرنے کی اجازت دے دی تھی۔[۱] اس نے گاؤکشی کو ممنوع قرار دیا، اور ہندوؤں کو ستی اور ان رسموں کو پورا کرنے کی اجازت دی، جن کی ممانعت اس کے باپ نے کر دی تھی۔[۲] اس نے نہ صرف سکندر کے زمانہ میں برباد شدہ مندروں کو پھر سے مرمت اور تعمیر کی اجازت دی، بلکہ کچھ تو اس نے خود مرمت اور تعمیر کرایا۔ اس نے برہمنوں کو ایسی زمین دی جس کی لگان معاف تھی، اور مندروں پر زمینیں وقف کیں، اور ہندو راجاؤں کے عہد میں دی جانے والی امداد کو جاری کیا۔[۳] مثلاً رین واری (سری نگر) میں ہندو راجاؤں کے عہد میں تعمیر شدہ ایک بڑی عمارت تھی، جہاں وادی کشمیر میں مختلف مقدس مقامات کی یاترا کے لیے آنے والے بیرونی آدمیوں کو مفت کھانا ملتا تھا، زین العابدین نے اس میں جو وقف تھا، اس کو بڑھا دیا، اور ایک دوسری عمارت باہر سے آنے والے یاتریوں اور مسافروں کے قیام کے

---

[۱] تیری در ص ۱۴۳۔

[۲] تیری در ص ۱۴۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف، بہارستان شاہی ورق ۴۸ ب ۴۹ الف

[۳] تیری در ص ۱۴۲، یون راج ص ۸۰، میونخ قلمی نسخہ ور ۷۰ الف، بہارستان شاہی ورق ۴۸ ب۔

لیے تعمیر کرائی،[1]

پہلے ذکر آچکا ہے کہ سکندر نے غیر مسلموں پر فی کس دو پل چاندی جزیہ لگایا تھا، زین العابدین نے اس کو زیادہ سمجھا، اور اس نے شریہ بھٹ کے مشورہ سے اس کو محض ایک ماشہ چاندی کر دیا،[2] اس نے علماء کی رائے اور جذبات کا خیال کر کے جزیہ کو یکسر منسوخ نہ کیا، لیکن عملی طور پر جزیہ منسوخ ہونے کے برابر تھا، کیونکہ اس کے عہد میں یہ کبھی وصول نہیں کیا گیا،[3] سلطان نے ایک اور ٹیکس کو منسوخ کیا، سری نگر کے ہندوؤں کو مرگھٹ کی زمین کے مالک کو ٹیکس دینا پڑتا تھا، یہ زمین مار نہر اور جہلم کے سنگم کے قریب تھی، جب سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو شری ور کی درخواست پر اس نے اس کو منسوخ کر دیا،[4]

سلطان اپنی ہندو رعایا میں اپنی ساکھ جمانے کے خیال سے ان کے تہواروں میں شریک ہوتا تھا، چنانچہ شری جین مٹھ کے بھکشو جب برتنوں کی پوجا کا جشن مناتے تو سلطان بھی اس میں شریک ہوتا، اور بھکشوؤں کو کھانا کھلاتا،[5] اسی طرح ہر سال ناگ یاترا کے دن اور گن چکر کے تہوار کے زمانے میں پانچ دن تک پجاریوں کو چاول، گوشت، سبزی، اور پھل کھلاتا، چاند کی بارہویں تاریخ کو انہیں لحاف، روپیہ اور

۱؎ تحفۃ الاحباب ص ۴۷-۴۶، فتوحات کبرویہ از عبدالوہاب ورق ۲۰۰ ب،

۲؎ جون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۷۸-۱۰۷۷، کلکتہ کے اڈیشن کا متن اور اس کا دت کا کیا ہوا ترجمہ اس بارے میں غیر واضح اور گنجلک ہے، سید علی تاریخ کشمیر میں ہے کہ غیر مسلموں پر بہت معمولی رقم بطور جزیہ لگائی گئی تھی، ۳؎ مورخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف، فرشتہ ص ۶۵۷ اور دوسری فارسی تاریخوں میں لکھا ہے کہ جزیہ عدم وصول کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا تھا، ۴؎ شری ور ص ۱۴۳، ۵؎ ایضاً ص ۱۴۲،

دوسری چیزوں کا تحفہ دے کر رخصت کرتا، تیرہویں تاریخ کو جب جہلم کی پیدائش کے سلسلہ میں پوجا ہوتی اور دریا کے دونوں کناروں پر چراغ روشن کیے جاتے تو سلطان ان کی سیر کو کشتی میں نکلتا، اور تمام رات شہر والوں کی پوجا کو دیکھتا اور گانے سنتا،[1] وہ چیت کے جشن میں بھی شریک ہوتا، یہ جشن موسم بہار میں منایا جاتا تھا، وہ پھولوں کی نمائش دیکھنے اور ناچ گانے سے محظوظ ہونے کے لیے کئی شہروں میں جاتا،[2]

اس کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کو اعلیٰ عہدے ملتے تھے، وہ اُن پر اعتماد کرتا تھا، کیونکہ سلطان اعلیٰ عہدوں پر تقرر کرتے وقت افراد کے مذہب کو نہیں، بلکہ صرف ان کی ذاتی قابلیت کو مدنظر رکھتا تھا،[3] شیو بھٹ برہمن تھا، لیکن سلطان کا بڑا معتمد تھا، سلطان ہمیشہ اُس سے اہم معاملات میں مشورہ کرتا تھا،[4] تلک اچاریہ اس کا خاص مشیر تھا، اور اس کو وہ بہت مانتا تھا، وہ بدھ مت کا پیرو تھا، دو اور برہمن جن کے نام سنگھ اور روپ بھٹ ہیں، اس کے دربار کے جوتشی تھے، کرپور بھٹ ایک برہمن طبیب تھا، سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا،[5] شریہ بھٹ سلطان کی عدالت انصاف کا منصرم تھا، سلطان کو اس سے اتنا گہرا لگاؤ تھا، کہ اس کے انتقال پر اس نے بہت بڑی رقم خیرات کی،[6]

علم وادب کی سرپرستی

زین العابدین علم وادب کا بڑا سرپرست تھا، اور پڑھے لکھے آدمیوں کی صحبت

---

[1] شریور ص ۵-۱۲۳، [2] ایضاً ص ۴-۱۳۲، [3] جون راج ص ۷۷، [4] ایضاً ص ۷۷، [5] مونخ قلمی نسخہ ورق ۴، الف، [6] جون راج ص ۸۳، [7] ایضاً ص، [8] مونخ قلمی نسخہ ورق ۴، الف،

پسند کرتا تھا، اور اُن سے بحث و مباحثہ کرنے کا مشتاق رہتا[1]، وہ ان کو زمینیں عطا کرتا تھا، اور دوسری عنایتوں سے نوازتا، اور ان کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے خیال سے ان کے قیام کا انتظام نوشہر میں کر دیا تھا[2]، اسی وجہ سے سید محمد رومی، سید احمد رومی، قاضی سید علی شیرازی، سید محمد لرستانی، قاضی جمال، اور سید محمد سیستانی جیسے اکابر علم اپنے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر، سلطان کے دور حکومت میں کشمیر چلے آئے[3]، قاضی جمال سندھ سے آئے، سلطان نے ان کو قاضی بنایا[4]، مولانا کبیر، سلطان کے اتالیق تھے، اور تلاش علم میں ہرات چلے گئے تھے، سلطان نے انہیں واپس بلا کر شیخ الاسلام بنایا[5]، ملا احمد درباری شاعر تھے، اور سلطان کی نظروں میں ان کی بہت توقیر تھی، دوسرے درباری شعراء ملا نادری اور ملا فتحی تھے[6]، یہ دونوں شاعر ہونے کے علاوہ مورخ بھی تھے، اور دونوں نے کشمیر کی تاریخیں لکھی ہیں، ان کے علاوہ ملا پارسا بخاری، سید محمد مدائنی[7] کی صحبتوں سے سلطان لطف اندوز ہوتا تھا، سلطان کو سنسکرت تاریخوں کے مصنفوں یون راج اور شری ور پر بہت اعتماد تھا، اور وہ دونوں ہمیشہ دربار میں موجود رہتے، سلطان کا ایک اور درباری بودھ بھٹ نہ صرف ویدوں کا عالم تھا[8]، بلکہ فارسی سے بھی واقف تھا، اور فردوسی کا شاہنامہ اس کو زبانی یاد تھا[9]،

---

[1] شری ور ص ۱۷۴، ۱۸۱، [2] بہارستان شاہی ورق ۷۴ ب، ۷۸ الف،
[3] ایضاً ورق ۸۴ ب ۸۵ الف، [4] حسن ورق ۱۱۵ الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۱۸ ب، ۱۱۹ ب [5] حسن ورق ۱۲۰ الف، [6] بہارستان شاہی ورق ۱۵۷ الف
[7] ایضاً ورق ۷۴ ب. [8] راج ترنگنی از کلہن مترجمہ آر، ایس، پنڈت ص ۲۵ ن ۱۷۶،
[9] میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۲ ب ۷۳ الف

اس نے موسیقی پر ایک کتاب لکھی ہے، اور کشمیری نظم میں ایک ڈراما جین پر کاش قلم بند کیا جس میں اس نے اپنے آقا اور مربی کے دور حکومت کی تفصیل لکھی ہے،[1] ناتھ سوم پنڈت کشمیری شاعر تھا، اس نے کشمیری نظم میں جین چرت، لکھی جس میں زین العابدین کی زندگی اور کارناموں کا ذکر ہے[2] شاہنامہ اور دوسری فارسی تصنیفوں کے مطالعہ سے متاثر ہو کر، بھٹ اوتار نے "جین ولاس" لکھی جس میں سلطان کے مقولات درج ہیں[3]، منصور بن محمد نے ایک کتاب "کفایہ مجاہدیہ"، فن طبابت پر لکھی، اور اس کو سلطان کے نام معنون کیا، وہ ایک بڑا عالم تھا، اور سلطان کے انصاف اور فیاضی کی شہرت سن کر وہاں آیا تھا، اس نے ایک مصور رسالہ تشریح بالتصویر بھی لکھا جس میں انسان کے جسم کے اعضاء کی تشریح ہے، یہ رسالہ تیمور کے پوتے مرزا پیر محمد کے نام معنون ہے[4]،

زین العابدین نے ایک دار الترجمہ بھی قائم کیا تھا جس میں فارسی کی کتابیں سنسکرت میں اور سنسکرت کی کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوتی تھیں، اس طرح ان میں سے کوئی ایک زبان جاننے والے کو دوسری زبان کا علم ہو سکتا تھا[5]، سلطان کے عہد میں شری ور نے جامی کی تصنیف "یوسف زلیخا"، کا سنسکرت میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا، جو ۱۵۰۵ء میں مکمل ہوا، سنسکرت میں اس کو کتھا کوتک،، کہتے ہیں[6]، ملا احمد سنسکرت اور فارسی کے

---

[1] شری ور ص ۱۳۷، [2] ایضاً (بمبئی ایڈیشن) جلد ا باب ۴ نمبر ۳ میونخ قلمی نسخہ ورق ۲، ب، [3] شری ور (بمبئی ایڈیشن) جلد ا باب ۴ نمبر ۶ ۳ کلکتہ اڈیشن ترجمہ بعت میں لکھا ہے کہ اس نے شاہنامہ کا مطالعہ کیا تھا، لیکن بمبئی ایڈیشن میں لکھا ہے کہ جہاں شاہنامہ مرتب ہوا وہاں کی تمام کتابوں کا ماہر تھا [4] ریو جلد ۲ ص ۴۷۴، ۴۷۶ الف [5] J.R.A.S. ج ا نمبر ۵۶-۲۲ بھی دیکھو، [5] شری ور ص ۱۲۶ ا میونخ قلمی نسخہ ورق ۳، الف [6] مطبوعہ بمبئی ۱۹۰۱ء دیکھو صوفی کاشر جلد ا ص ۱۶۷

عالم تھے، سلطان کے حکم سے انھوں نے "مہابھارت"[۱]، اور کلہن کی تصنیف "راج ترنگنی"[۲] کا فارسی میں ترجمہ کیا، راج ترنگنی کا ترجمہ اکبر کے حکم سے شاہ محمد شاہ آبادی نے بھی کیا تھا، بعد میں شہنشاہ کے حکم سے عبد القادر بدایونی نے اس کا پھر سے فارسی میں ترجمہ کیا[۳]،

تعلیم

زین العابدین کو تعلیم کی ترویج سے بہت دلچسپی تھی، اس نے نوشہر میں اپنے محل کے قریب ایک مدرسہ کھولا تھا، اور ملا کبیر کو اس کا ناظم مقرر کیا تھا، کبھی کبھی وہ خود بھی ملا کبیر کے درس سننے کی غرض سے جایا کرتا تھا، مدرسہ کے اخراجات اور مستحق طلبہ کے وظائف کے لیے سلطان نے کچھ جاگیریں وقف کی تھیں جن کے متولی ملا کبیر تھے، یہ مدرسہ سترہویں صدی تک چلتا رہا[۴]، خانقاہ شیخ اسماعیل کبروی میں درس و تدریس کا کام ہوتا تھا، یہی شیخ اسماعیل کبروی حسن شاہ کے دور حکومت میں شیخ الاسلام ہوئے، ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے طلبہ ہرات اور ماوراء النہر سے آتے تھے[۵]، اسلام آباد کے قریب مقام سیر میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا تھا، جس کے مدرس اعلیٰ ملا غازی خان تھے[۶]، سیالکوٹ کے مدرستہ العلوم کو سلطان نے ۲ لاکھ

۱ے میونخ قلمی نسخہ ورق ۳۰۷، الف. ۲ے ایضاً ۳ے منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۸۰ مزید تفصیل کے لیے دیکھو صوفی کا شرج ۱ ص ۲۴-۱۲۳ لیکن صوفی نے کلہن کی تصنیف راج ترنگنی کو "بحر الاثمار"، سے ملا دیا ہے، جو کہ بالکل ایک مختلف تصنیف ہے (دیکھو پشین ٹریچر، اسٹوری سکشن ج ۲ ص ۴۳۸ ۴ے حسن ورق ۱۱۹ ب حیدر ملک ورق ۱۱۹ ب؛ ۵ے واقعات کشمیر ورق ۴۱ الف، ۶ے صوفی کا شرج ۲ ص ۴۸۰، سیر کا گاؤں انت ناگ سے ۲ میل جنوب مشرق میں، ۴۳ء ۲۳ عرض البلد اور ۱۷ء ۷۵ طول البلد پر ہے

روپیے کا عطیہ اور اس کی ملکہ نے اپنا بیش قیمت ہار دیا تھا[۱]، زین العابدین نے بہت سے دارالاقامے بھی تعمیر کرائے تھے، جہاں غریب طلبہ کے قیام وطعام کا مفت انتظام تھا،

سلطان کو کتابوں کا بہت شوق تھا، اور ان کی خریداری پر کثیر رقم خرچ کرتا تھا، اس سے پہلے کشمیر میں عربی اور فارسی کے قلمی نسخے بہت کم تھے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہندوستان، عراق، اور ترکستان قلمی نسخوں کی خریداری کے لیے بھیجا[۲] اگر قلمی نسخوں کے مالک ان کو فروخت کرنے پر راضی نہ ہوتے، تو اس کی ہدایت تھی کہ ان کی نقل لے لی جائے، اور نقل کرنے والوں کو کافی معاوضہ دیا جاتا[۳] سنسکرت کے قلمی نسخے بھی کافی تعداد میں خریدے گئے، اور وہ تمام نسخے جو سکندر کے عہد میں ہندوستان بھیج دیے گئے تھے، زین العابدین کی کوشش سے واپس لائے گئے[۴]، اس طرح سلطان نے ایک بڑا کتب خانہ بنالیا تھا، جو فتح شاہ کے زمانہ تک قائم رہا لیکن یہ خانہ جنگیوں اور شاہ میر کے آخری زمانہ میں بیرونی حملوں میں برباد ہوگیا[۵]،

زین العابدین علما کا صرف سرپرست ہی نہیں تھا، بلکہ خود بھی عالم اور شاعر تھا، وہ اپنی مادری زبان کشمیری کے علاوہ سنسکرت، فارسی، اغبتی سے

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۷۴ ب، حسن ورق ۱۲۰ ب حیدر ملک ورق ۱۲۰ الف،

[۲] بہارستان شاہی ورق ۷۸ الف،

[۳] تبری ورص ۱۴۵،

[۴] حسن ورق ۱۲۰ ب حیدر ملک ورق ۱۲۰ الف، [۵] ایضاً

بخوبی واقف تھا،[1] پنڈت اس کو مختلف شاستر پڑھ کر سناتے،[2] اور سری ور اس کو والمیکی کا برہما درشن اور سمہتا مع تشریح و حواشی سنایا کرتا تھا،[3]

سلطان نے فارسی زبان میں دو کتابیں بھی تصنیف کیں، ان میں سے ایک تو آتش بازی کی صنعت پر، مکالمہ کی صورت میں تھی، بعد میں کشمیری زبان کے ادیبوں نے یہی طرز تحریر اختیار کیا[4] اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کو اپنے لڑکوں کی بغاوت اور وزیروں کی غداری سے بہت دکھ ہوا، اس سے متاثر ہو کر، اس نے ایک کتاب شکایت، لکھی جس کا موضوع دنیا کی بے ثباتی ہے[5]،

سلطان فارسی میں شاعری بھی کرتا تھا، اس کا تخلص قطب تھا، وہ اکثر اپنے درباری ملک الشعرا، ملا احمد سے فی البدیہ اور برجستہ گوئی میں مقابلہ کرتا تھا، ایک بار بعض حاسد درباریوں کی سازش سے سلطان ملک الشعرا سے خفا ہو گیا، اور اس کو ملک بدر کر دیا، بھلی پہنچ کر ملا احمد نے چار اشعار کہہ کر سلطان کے پاس بھیجے، وہ اس سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے شاعر کو واپس بلانے کا فوراً حکم جاری کر دیا،[6]

صنعت و حرفت

کشمیری حکمرانوں میں کسی نے بھی صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے زین العابدین سے زیادہ کوشش نہیں کی، یہ کہنا قطعاً مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ آج کل جو بھی صنعت و حرفت کشمیر میں پائی جاتی ہے سب اس کی بدولت ہے، اس میں شبہ نہیں کہ

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۷۳ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۹ [2] سری ور ص ۱۶۵ - ۱۶۶، [3] یون راج ص ۹۱ [4] سری ور ص ۱۳۵ [5] ایضاً ص ۱۶۷، [6] حیدر ملک ورق (۱۱۷ ب ۱۱۸ الف،)

ہندوؤں کے عہد میں وادی کشمیر کی صنعت وحرفت مشہور تھی، لیکن سلطنت کے قیام سے پہلے دو سو سال کے عرصہ میں انتشار اور سیاسی افراتفری کی وجہ سے ان میں جان باقی نہیں رہ گئی تھی، اس کے علاوہ زولچو کے حملہ کے دوران بہت سے صناع اور کاریگر مر کھپ گئے تھے[1]، زین العابدین نے پرانی صنعتوں کو پھر سے زندہ کیا، جو یا تو ختم ہو گئی تھیں، یا ختم ہو رہی تھیں، اس نے نئی صنعتوں کو بھی جاری کیا،

ابھی تک کشمیری کاغذ سازی اور جلد بندی کے فن سے ناواقف تھے، سلطان نے حکومت کے خرچ پر دو آدمیوں کو یہ فن سیکھنے کے لیے سمرقند بھیجا، اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے خاندان کا خرچ بھی سلطان برداشت کرتا تھا، سمرقند میں ان میں سے ایک نے کاغذ سازی کا اور دوسرے نے جلد سازی کا فن سیکھا، سری نگر واپس آکر انھوں نے دوسروں کو یہ فن سکھایا[2]، ان میں سے ایک کے لیے سلطان نے بھاگ پرگنہ میں کاغذ بنانے کا انتظام کیا، اور اس کے لیے ایک گانوں بھی بطور جاگیر دیا، جلد بند کو بھی ایک گانوں ملا تھا، مورخ حیدر ملک کے زمانہ یعنی سترہویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں یہ گانون ان کاریگروں کے ورثہ کے قبضہ میں تھے[3]،

سلطان کو صنعت وحرفت کی ترقی سے بڑی دلچپی رہی، اس کا ثبوت اس سے بھی بخوبی ملتا ہے کہ اگر سلطان کو یہ خبر ملتی کہ کوئی کاریگر عراق، خراسان، یا ترکستان سے

---

[1] حسن ورق ۱۲۱ الف، ب حیدر ملک ورق ۱۲۰ الف [2] بہارستان شاہی ورق ۷۴ الف ب ورق ۱۲۰ ب حیدر ملک ورق ۱۲۰ الف [3] ایضاً حسن ورق ۱۲۰ ب ۱۲۱ الف، لارنس "دہلی"، ص ۳۸۰ پر لکھتا ہے، کہ کاغذ بنانے والوں کو سلطان نے نوشہر (سری نگر) میں بسایا تھا، اور اس کے زمانہ میں وہاں کاغذ بنانے والوں کے تیس خاندان رہتے تھے،

وادی کشمیر کی سیاحت کو آیا ہوا ہے، تو اس سے وہ اپنے یہاں کے لوگوں کو فن سکھانے کی ترغیب دلاتا، کبھی کبھی تو سلطان ایسے کاریگروں کو کشمیر چھوڑنے کی اجازت اُس وقت تک نہیں دیتا تھا[51]، جب تک وہ لوگوں کو اپنا فن نہ بتا دیتے، شاید اسی طرح سلطان وادی میں پارچہ بافوں کے کرگھے اور ریشمی کپڑے کی بناوٹ کو رائج کرسکا، یہاں ریشمی کپڑوں کے ایسے خوبصورت نمونے بنے جاتے تھے، کہ کشمیر ان کے لیے مشہور ہو گیا، سلطان ہی کے عہد میں کشمیر شال کے لیے مشہور ہوا[52]، تری ور کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان میں تجسس، اختراع پسندی کا مادہ تھا، وہ آتش بازی بنانا جانتا تھا، اور حبیب نامی ایک آدمی کو، اس نے یہ فن سکھایا بھی تھا، اس سے پہلے آتش بازی میں جو بارود استعمال ہوتی تھی باہر سے برآمد کیا جاتا تھا، اور بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی، لیکن سلطان نے لوگوں کو بارود بنانا سکھایا، جس سے یہ ایک عام سی چیز ہو گئی[53]، اس کے زیر اثر کاریگروں نے نئے جنگی ہتھیار ایجاد کئے[54]، لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ یہ ہتھیار بندوق یا توپ تھے، جن میں بارود استعمال ہوتا رہا[55]،

موسیقی

اپنے باپ سکندر کے بخلاف جس نے موسیقی ممنوع قرار دے دی تھی، زین العابدین نے موسیقی کی بڑی سرپرستی کی اور جیسا کہ ان سطور میں لکھا جا چکا ہے، کہ وہ شام کے

---

[51] بہارستان شاہی ورق ۴۷ الف، حسن ورق ۱۲۰ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۰ ب،

[52] تری ور ص ۱۵۱، [53] ایضاً ص ۱۳۵، [54] ایضاً ص ۱۰۵،

[55] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے گیارھواں باب ہتھیاروں کے سکشن میں،

اوقات کبھی کبھی مغنیوں اور رقاصوں کی صحبت میں گذارتا تھا، مغنیوں کو کافی انعام واکرام دیتا تھا، اور اس کے عہد میں کشمیر ماہرین موسیقی کے لیے مشہور تھا،[۱] بودھ بھٹ اُس زمانہ کا مشہور ماہر موسیقی تھا، اور اس نے فن موسیقی میں ایک کتاب بھی لکھی، جو سلطان کے نام سے معنون ہے،[۲] ملا عودی خراسان کا رہنے والا تھا، اور اپنے فن کا بڑا ماہر تھا، ملا زادہ بھی خراسان سے آیا، اور وہ کچھوے کی پوست کے بنے ہوئے ستار خوب بجاتا تھا،[۳] تیری در بھی ستار بجاتا تھا، اس کی آواز سریلی تھی، اور وہ دوسروں کے ساتھ مل کر فارسی کے گیت گاتا تھا، جمیل صرف شاعر اور مصوری نہ تھا، بلکہ موسیقی کا بھی ماہر تھا، اور فارسی کے اشعار اچھی طرح گاتا تھا،[۴]

عمارتیں

زین العابدین تعمیرات کا بڑا ماہر تھا، لیکن بدقسمتی سے اس کی ماں کے مقبرہ اور مدنی کی مسجد اور مقبرہ کی عمارتوں کو چھوڑ کر جو گری پڑی حالت میں ہیں، اس کی بنائی ہوئی عمارتوں میں کوئی ایک بھی اب موجود نہیں ہے، اس نے نوشہر بسایا، جو اب سری نگر کا ایک حصہ ہے، اور اس کو اپنی راجدھانی بنایا، اس نے یہاں اپنے عہدہ داروں درباریوں اور علمار کے لیے عالیشان مکانات بنوائے،[۵] لیکن سب سے شاندار عمارت لکڑی کا وہ محل تھا، جس میں مرزا حیدر کے بیان کے مطابق ۱۲ منزلیں تھیں، ہر منزل میں پچاس کمرے اور ایوان اور غلام گردشیں تھیں، اس کے اوپر ایک طلائی

---

۱ بہارستان شاہی ورق ۹۴ الف، اب حیدر ملک ورق ۱۱۳ الف، ۲ تیری در ص ۱۳۵، مونخ ورق ۷۲ الف تیری در اس کا نام سجیہ بتاتا ہے، یہ شجاع کی بگڑی ہوئی صورت ہو سکتی ہے، لیکن فارسی تاریخوں میں اس کا نام ملا عودی لکھا ہے[۳] وہ اس وجہ سے کہ شاید وہ عود اچھا بجاتا تھا، ۳ مونخ قلمی نسخہ ورق ۷۲ الف، ۴ ایضاً ورق ۷۲ الف، تیری در ص ۷-۱۳۵ طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۹، ۵ بہارستان شاہی ورق ۴۶ ب،

گنبد تھا، اور اس کے وسیع ایوان میں شیشے جڑے ہوئے تھے۔[۵۱]

نوشہر کے علاوہ زین العابدین نے زین پور، زین کوٹ اور زین گیر کے قصبے بھی بسائے[۵۲] اور ان سب مقامات پر اس نے شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں، زین گیر میں ایک وسیع محل تعمیر ہوا تھا، جس کے چاروں طرف ایک حسین باغ تھا[۵۳]، سکندر نے جس جامع مسجد کی تعمیر کی ابتدا کی تھی، اس کو زین العابدین نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا[۵۴]، اپنے بھائی علی شاہ کی طرح زین العابدین نے بھی ایک پل تعمیر کرایا، اور اپنے نام پر اس کا نام زین کدل رکھا[۵۵]، سلطان کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے ڈل جھیل کے کنارے بھاگ پرگنہ تک پیدل چلنے والوں کے لیے راستہ بنایا[۵۶]، اور ایسا ہی ایک اور راستہ اندرکوٹ سے سوپور تک تعمیر کرایا، اور ایک گانون کی آمدنی اس کی دیکھ بھال کے لیے وقف کردی[۵۷]،

---

۵۱ تاریخ رشیدی ص ۴۲۹، شہری ورق ۳۸ ب ۱۳۷،

۵۲ زین پور، اور زین گیر کے لیے، دیکھو ص ۵۰ کتاب ہذا، زین کوٹ سری نگر سے ۴ میل مغرب میں ایک گانون ہے، حسن شاہ نے تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۰۹ الف پر نوشہر (سری نگر) میں زین ڈب، زین ونیب ڈل جھیل پر، اور سری نگر میں زین کدل کے گانوں کا ذکر کیا ہے،

۵۳ بہارستان شاہی ورق ۱۵ ب، ۲۵ الف سید علی (ص ۳۸) کے اس بیان کی کہ زین گیر کی شاہی عمارتوں کو خاندان چک کے حکمرانوں نے تباہ و برباد کر دیا، دوسری تاریخوں سے تصدیق نہیں ہوتی، ان کی تباہی کی وجہ خانہ جنگی اور بیرونی حملے تھے، جو شاہ میر کے دور میں ہوئے، مرزا حیدر اپنے زمانہ میں موجود زین گیر میں کسی عمارت کا

قدیم زمانے میں ولر جھیل کے جنوب مشرقی کونے میں ایک جزیرہ تھا، جو زیر آب ہو گیا تھا، زین العابدین نے اس جزیرے کو پھر سے اونچا کر کے اس کو طوفان کے موقع پر کشتیوں کے لیے پناہ گاہ بنانے کا ارادہ کیا، اس نے جھیل میں پتھر ڈال کر، بڑی مشکل سے اس کی سطح کو پانی سے بلند کیا، اور اس جزیرہ کا نام زین لانک رکھا، اور ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳-۴۴ء میں یہاں ایک محل، ایک مسجد اور ایک باغ بنوایا، محل میں پانچ منزلیں تھیں، پہلی منزل پتھر کی تھی، دوسری اینٹ اور تیسری اور چوتھی منزل لکڑی کی تھی، مسجد پتھر کی تھی، جن ہانجیوں، بڑھیوں اور راجگیروں اور دوسرے لوگوں نے ان عمارتوں کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، انہیں پرگنہ کھویا ہوم کی آمدنی سے ہمیشہ رقم ملتی رہی،

اس کی حکومت کے آخری دور میں سوپور کا قصبہ آگ سے جل گیا تھا، سلطان نے وہاں پر بارہ مولہ کا محل گرا کر اس کے سامان سے ایک محل تعمیر کرایا، اس نے یہاں ایک جھولا نما محل بھی بنوایا، جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۴) ذکر نہیں کرتا۔ نوادر الاخبار ورق ۱۴۵ الف ایضاً

ایضاً ورق ۱۴۶ الف۔ دلی از لارنس ص ۱۹۱ یون راج ص ۹۴، تاریخ رشیدی ص ۴۲۶، دیکھو جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۸۸۰) ص ۱۶ وغیرہ برائے کتبہ جو اس جزیرہ کی مسجد میں ہے،

سید علی ص ۳۰

حسن ورق ۱۱۷ ب، تمری در ص ۷-۱۵۵،

اوپر بیان آچکا ہے، اس نے ان گانوں اور قصبوں میں جہاں جہاں وہ دورے میں جایا کرتا تھا، اپنے لیے آرام گاہیں بنوائیں،[1] اس کے علاوہ اہم سڑکوں کے کنارے مسافروں کے لیے سرائیں بھی بنوائیں جن کی دیکھ بھال کے لیے کئی گانوں وقف تھے، اور مسافروں کو کھانا مفت ملتا تھا۔[2]

---

[1] حسن ورق ۱۱۱ب، ۱۱۸الف؛ حیدر ملک ورق ۱۱۰الف،

[2] میوزیم قلمی نسخہ ورق ۱، الف،

چھٹا باب (۶)

خاندانی جھگڑے اور بغاوتیں

حیدر شاہ (۷۲-۱۴۷۰ء)

زین العابدین کا عہد خاندان شاہ میر کے عروج کا دور تھا، لیکن اس کی موت کے بعد اس کے کمزور جانشینوں کی حکومت روبزوال ہو گئی، اور آخر کار چکوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی، حاجی خاں سلطان حیدر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا، اس موقع پر سکندر پور میں بڑا جشن منایا گیا، امرا اور جاگیردار سرداروں کو تحفے عطا کیے گئے[1]، حاجی خان کے چھوٹے بھائی بہرام کو ناگام کا علاقہ جاگیر میں ملا، اور اس کے لڑکے حسن خان کو کمراج کی جاگیر ملی، اور اس کی ولی عہدی کا بھی اعلان کیا گیا[2]،

اسی درمیان میں ادہم خان جو جموں میں تھا، پونچھ کی طرف بڑھا، اور کشمیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، سلطان کے ایک مقرب

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ ب، فرشتہ ص ۷۴-۱۸۳،

[2] فرشتہ (بمبئی اڈیشن) جلد ۲ نمبر ۱۵ میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ ب،

پورن حجام[1] اور دوسرے مشیروں نے سلطان کو بتایا کہ ادہم حسن کھچی خزانچی کے مشورہ سے وادی پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے، حیدر شاہ نے حسن اور اس کے سات ساتھیوں کو بلوا کر قتل کرا دیا، سلطان زین العابدین کے ان سارے وزیروں کو بھی پھانسی دیدی گئی،[2] جو حیدر شاہ کی تخت نشینی کے خلاف تھے،

ادہم نے حسن کے قتل کی خبر سنی تو اس کے خوف کی انتہا نہ رہی، اور وہ جموں واپس چلا آیا، بہرام بھی ڈر کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن سلطان کی یقین دہانی کی وجہ سے اس کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا، سلطان اس کو اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ادہم کی سازشوں کو روکنے میں اس سے مدد مل سکتی تھی،[3] اس کے فوراً بعد حیدر شاہ کو یہ خبر ملی کہ ادہم خان اپنے ماموں مانک دیو، راجہ جموں کے ساتھ ترکوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا،[4] سلطان کو یہ سن کر رنج ہوا، اس نے اس کی لاش جموں سے منگوا کر سلطان زین العابدین کے پہلو میں دفن کرا دی،[5]

اپنے باپ کی طرح حیدر شاہ نے بھی ہندوؤں سے نرمی کا برتاؤ کیا، لیکن پورن حجام کے ورغلانے سے بعض برہمنوں نے خانقاہ معلی[6] کو نقصان پہونچایا، اور سری نگر کے مسلمانوں[7] کو تنگ کرنا شروع کیا، جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے شر انگیزوں کو سخت سزا دی، ان کے بازو اور پاؤں کاٹ دیئے گئے، ان کی جائداد ضبط کر لی گئی جس میں وہ کھیت بھی شامل تھے، جو زین العابدین

---

[1] سری ور ص ۱۸۷، یہ اس کا نام رکتیسر بتاتا ہے، لیکن بعد میں اس کا نام پورن درج ہے، دیکھو مزید سری ور (بمبئی ایڈیشن) نمبر ۲،۳،۵ جہاں اس کا نام بالترتیب رکتیسر اور پورن ہی درج ہے، میونخ قلمی نسخہ میں اس کا نام پونی دیا ہے، لیکن نظام الدین اور فرشتہ اس کا نام پولی بتاتے ہیں، عربی رسم الخط میں پونی آسانی سے پولی پڑھا جا سکتا ہے، [2] سری ور ص ۱۹۰-۱۹۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۷۰ الف

انھیں دیے تھے۔[۵۳]

سلطان نے سلطنت کے انتظامی امور کی طرف توجہ کم کر دی تھی، اس لیے بیرونی پہاڑیوں کی ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، یہ ریاستیں شہاب الدین کے زمانہ سے کشمیر کی باج گذار تھیں، شہزادہ حسن کو فوج لے کر ان کو مغلوب کرنے کے لیے بھیجا گیا، رجوری کے راجہ جے سنگھ نے جنگ کے بغیر شکست تسلیم کر لی، اور حسن کو بیش قیمت تحائف دیئے، اور اپنی لڑکی کی شادی بھی اس سے کر دی لیکن جن سرداروں نے سلطان کی اطاعت گذاری سے انکار کیا، اُن پر حملہ کر کے ان کو شکست دی گئی، اور ان کی ریاستوں کے صدر مقام کو تباہ کر دیا گیا،[۵۴] چھ مہینے جنگ کرنے کے بعد حسن نے کشمیر واپس ہونے کا ارادہ کیا، کیونکہ سری نگر سے ایک بڑی خطرناک خبر اس کو ملی تھی،[۵۵]

حسن کی غیر موجودگی میں بہرام خان نے سلطان کا اعتماد حاصل کر کے اس کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا، اس طرح اس کی حیثیت کافی مستحکم ہو گئی تھی، کثرت مے نوشی سے حیدر شاہ کی صحت گرتی اور دماغی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۸) [۵۱] تنری در ص ۸۹ [۵۲] ایضاً ص ۹۴؛ [۵۳] میونخ قلمی نسخہ ورق ۸ / ۱ الف، ادہم خان نے جموں کی شہزادی سے شادی کی تھی، اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے فتح خاں کو راجہ جموں نے پالا پوسا (تنری در ص ۳۰۶)

[۵۴] میونخ قلمی نسخہ ورق ۸ / ۱ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۷، [۵۵] تنری در (بمبئی ایڈیشن) جلد ۲ نمبر ۱۲۷، یہ سعید! خانقاہ لکھا ہے، جو خانقاہ معلّیٰ ہی ہے،

[۵۶] ایضاً نمبر ۱۲۲ وغیرہ [۵۷] تنری در ص ۷-۱۹۵ [۵۸] ایضاً ص ۹-۱۹۸،

بہرام نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور امراء سے ساز باز کرکے تخت شاہی کو غصب کرنا چاہا، اس کی اطلاع پاکر حسن کو سری نگر کی طرف مراجعت کرنی پڑی، چونکہ وہ سلطان کی اجازت کے بغیر لوٹا تھا، بہرام اور دوسرے غرض مند لوگوں نے سلطان کو اس کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ وہ تخت حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہے[لہ]، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو سلطان نے شرف باریابی بخشنے سے انکار کردیا، اور آخرکار فوجی سرداروں کی درخواست پر اس کو اجازت ملی، اس نے باغی سرداروں کو مغلوب کرنے میں جو کچھ خدمات انجام دی تھیں، اس کا کوئی خیال نہ کیا گیا، اور اس کو معمولی خلعت عطا کیا گیا، اس کے بعد ایک دن حیدر شاہ اپنے محل کے سب سے اوپر کی چھت پر شراب پی کر بدمست ہوکر گر پڑا، اور اس کی ناک سے خون بہنے لگا، اس کے منہ سے خون آتا تھا، اور اس کو گٹھیا کی بیماری بھی تھی، کمزوری کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگیا، اس کو اٹھا کر بستر تک لے جایا گیا، اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی، اور جانبری کی امید نہ رہی تو اس کے وزراء احمد اتیو کی سربراہی میں بہرام خان کے پاس گئے، اور اس سے سلطان ہونے کا اعلان کرنے اور حسن کو اپنا ولی عہد بنانے کی درخواست کی[۵۲]، لیکن اس نے دوسری شرط ماننے سے انکار کردیا، احمد نے امراء سے مشورہ سے حسن کے سلطان ہونے کا اعلان کردیا، اور بہرام پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا، بہرام ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا، واقعہ تو یوں ہے کہ بہرام نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیا، اگر اس کے اندر پامردی اور جرأت ہوتی اور اس نے عین موقع پر خزانہ، اصطبل اور محل پر قبضہ کرلیا ہوتا،

لہ ایضاً ص ۱۹۵ و ہیونگ قلمی نسخہ ورق ۸۰ ب، شری ور ص ۲۰۰

۵۲ یہ بات غلط ہے کہ بہرام نے سلطان کو زہر دیا، اور اس کا معقول علاج نہ ہونے دیا، (دیکھو شری ور ص ۲۰۳)

تو اس کو تخت شاہی یقیناً مل جاتا۔[1]

حیدر شاہ کا انتقال ۱۳؍اپریل ۱۴۷۲ھ کو ہوا، اس نے کل ایک سال دس مہینے حکومت کی، اور اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن ہوا۔[2] وہ فیاض اور مہذب تھا، اور علم و فن کی سرپرستی کرتا تھا، وہ خود بھی شاعر تھا، اور فارسی میں نظموں کی ایک کتاب بھی لکھی تھی۔[3] وہ ملا داؤد کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا، ملا داؤد بہت بڑے گویے تھے، ان کے شاگرد خواجہ عبد القادر نے سلطان کو ستار بجانا سکھایا تھا، تمری در کا بیان ہے کہ سلطان نے ستار بجانے کے فن میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ وہ موسیقی کے اساتذہ تک کو سبق پڑھاتا تھا، دربار سے متعلق دوسرے لوگوں سے سلطان نے دوسرے قسم کے ساز بھی اچھی طرح بجانا سیکھا تھا۔[4]

اپنے باپ اور چچا کی طرح حیدر شاہ نے بھی سری نگر میں جھلم پر ایک پل تعمیر کرایا، اور اس کا نام نوکدل رکھا۔[5] وہ متحمل مزاج تھا، اور قابل پنڈتوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا، جو اس کو پران، دھرم شاستر، اور سمنا پڑھ کر سناتے تھے، غریبوں سے فیاضی کا برتاؤ کرتا تھا، اور رقاصوں کو تحفہ اور جاگیر دینے میں بڑا کشادہ دل تھا، لیکن معمولی سے معمولی جرم پر بڑی سخت سزائیں بھی دیتا تھا۔[6] اس کے ساتھ وہ کمزور فطرت انسان بھی تھا، اور اس پر مضبوط ارادے کے لوگ حاوی ہو جاتے تھے، خاص طور سے اس پر پورن حجام کا بڑا اثر تھا، جو لالچی، بے ایمان اور مرتد تھا

---

[1] تمری در ص ۳۰۰-۲۰۴ [2] نوادر الاخبار ورق ۹۴ ب [3] تمری در ص ۲۰۴

[4] ایضاً ص ۱۸۸، [5] نوادر الاخبار ورق ۹۴ ب،

[6] تاریخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ الف،

سازشی تھا سلطان کا زیادہ وقت مے نوشی، عورتون اور گویوں کی صحبت مین گزرتا تھا، اور حکومت کا سارا انصرام وانتظام رشوت خور اور نا اہل لوگون پر چھوڑ دیا تھا، جن کی وجہ سے ملک میں بڑی بد انتظامی رہی،

سلطان حسن شاہ (۱۴۷۲-۸۴ء)

حسن شاہ نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا، اور اپنے باپ کی راج دھانی سکندر پور کو خیرباد کہہ دیا، اور نوشہر میں[۱]، قیام پذیر ہونے کے خیال سے چلا آیا، وہ احمد اتیو کی کوشش سے سلطان ہوا تھا، اس لیے اس کو ملک کا خطاب دیا، ناگام کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا، اور اس کو اپنا وزیر بھی بنایا[۲]، اس کا لڑکا نوروز امیرداد ہوا[۳]، اس کو بہادر ملک کا خطاب ملا، علاقہ اکشیکا جاگیر میں ملا[۴]، جہانگیر ماگرے کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا، اور اور اس کو شوکت جنگ کا خطاب ملا، خواجہ نور الدین کا تقرر شیخ الاسلام اور خواجہ محمد عالم کا صدر کی حیثیت سے ہوا[۵]،

حسن شاہ کے سلطان ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد بہرام نے جو ہندوستان بھاگ گیا تھا بعض امرا کے ورغلانے پر کشمیر پر حملہ کر دیا، اور صوبہ کمراج تک بڑھ آیا،

---

[۱] تہری در ص ۲۰۷ پر نوشہر کو زین نگر بتاتا ہے، [۲] بہارستان شاہی ورق ۸۵ ب میں اس کا نام ملک احمد اتیو درج ہے، لیکن تاریخ حسن جلد ۲ ورق ۱۰۷ الف میں اس کا نام ملک احمد تپو لکھا ہے، نظام الدین اور فرشتہ اس کا نام ملک احمد اسود بتاتے ہیں، فارسی میں اسود کے معنی سیاہ یا طاقت ور ہیں، گوہر عالم ورق ۱۳۵ ب میں لکھا ہے کہ اس کو قطب الدولہ کا خطاب ملا تھا [۳] تہری در دوارپال کا لفظ استعمال کرتا ہے، اور فارسی مورخین نے امیرداد یا حاجب دار کے الفاظ استعمال کئے ہیں [۴] اکشیکا پرگنہ اچھ کا سنسکرت نام ہے، جو پرگنہ ناگام کے جنوب میں واقع ہے داسٹین ج ۲ ص ۴۸۵، [۵] گوہر عالم ورق ۱۳۵ ب،

حملہ کی خبر سن کر حسن شاہ جو اونتی پور میں تھا، فوراً سوپور[1] کے لیے روانہ ہوا، لیکن سلطان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، کیونکہ اس کے فوجی کیمپ میں فریب اور دغابازی کی فضا پیدا ہو رہی تھی، اور وزراء اس کو مختلف مشورے دے رہے تھے، ان میں سے کچھ کہہ رہے تھے کہ مقابلہ بے کار ہے، اور سلطان کو پنجاب کی طرف چلا جانا چاہئے، لیکن ملک احمد نے شکست خوردگی کی باتوں کی مخالفت کی، اور اس کو دشمن سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، سلطان نے آخرکار اس کی بات مان لی، اور تازی بھٹ کو بہرام کے مقابلہ کے لیے بھیجا[2]، جو تازی بٹ پر حملہ کرنے کے خیال سے دولی پور[3] پہنچا، اس کو توقع تھی کہ امراء وعدے کے مطابق اس کی مدد کو آئیں گے، لیکن دولی پور پہنچ کر اس کو بڑی مایوسی ہوئی، کوئی بھی اس کی مدد کو وہاں نہیں پہنچا، اس لیے بے یار و مددگار لڑتا رہا، اس کی فوج کو شکست ہوئی، اور وہ زین گیر بھاگ گیا، جہاں اس کا تعاقب کیا گیا، وہاں سے بھی وہ بھاگ کھڑا ہوا، اور تیر کھاکر اپنے لڑکے سمیت گرفتار ہوا، وہ دونوں سلطان کے سامنے پیش ہوئے، سلطان نے ان کو بہرام کے محل میں قید کر دیا، لیکن بعد میں یہ خیال کر کے کہ کہیں غیر مطمئن امراء بہرام کے گرد پھر سے نہ جمع ہو جائیں، حسن شاہ نے اس کو زنجیر میں بند ہوا دیا، اور اس کی آنکھیں

---

[1] نہری در ص ۲۱۰، [2] ایضاً ص ۲۱۱، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۸،

[3] نہری در ص ۲۱۱ دولی پور جنگل کے کنارے ایک گاؤں ہے، جو سوپور جانے والی سڑک پر شلوار سے دو میل جنوب مشرق میں ہے،

[4] نہری در ص ۳-۲۱۲ طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۹،

نکلوادیں[1]، تین سال کے بعد بہرام مرگیا[2]، وہ کمینہ، احسان فراموش، ابن الوقت اور سازشی تھا، زین العابدین نے اس پر نظرعنایت کی، لیکن اسنے اسکی مخالفت کی اور اس کی آخری بیماری میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اپنی غرض پوری کرنے کے لیئے، اس کے دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑایا، پھر سلطان حیدرشاہ کا تختہ الٹنے[3] اور اس کے بھتیجے حسن شاہ سے تخت چھیننے کی کوشش کی،

اسی اثنا میں ابھیمنیو اور ملک زادہ سلطان کے مقرب بارگاہ ہوگئے تھے، ابھیمنیو حاجی کا حامی تھا، اور اس نے زین العابدین کے خلاف بغاوت میں حاجی کی حمایت کی تھی[4]، پھر وہ حیدرشاہ کی ملازمت میں رہا، اور اب حسن شاہ کو اس پر پورا اعتماد تھا، اور اس کو دیوسر پرگنہ کا نگراں بنادیا تھا[5]، ابھیمنیو بڑا حوصلہ مند انسان تھا، اس کو ملک احمد سے حسد تھا، اس نے اس کو ہٹانے کی سازش کی، ملک احمد نے اس کی سازش کا الٹا جواب دیا، سلطان کے حکم سے اس کی آنکھیں نکلوادی گئیں، اور اس کو قید کردیا گیا، جہاں وہ بڑی مصیبتوں میں دو سال کے بعد انتقال کرگیا[6]،

---

[1] شری ور ص ۱۸۔ ۲۱۰، [2] ایضاً ص ۲۱۶، تاریخ حسن جلد ۲ ورق ۱۰۷ ب طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۴۹، فرشتہ کا یہ بیان کہ بہرام تین دن کے بعد مرا غلط ہے، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۳ ص ۲۸۵ میں فرشتہ کا ہی بیان درج ہے۔ [3] شری ور ص ۱۱۰، [4] ایضاً ص ۲۰۰ تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۰۷ ب۔ [5] ایضاً ص ۲۰۰ تاریخ حسن جلد ۲ ورق ۱۰۷ ب میں اس کا نام زین بدر درج ہے، اور .... اس کو زین العابدین کا وزیر بتایا گیا ہے، دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۹ اور حاشیہ ۴،

اہیمنو کی طرح ملک زادہ کا بھی برا انجام ہوا، وہ بے ایمان تھا، اور غریبوں کو لوٹ کر متمول بن گیا تھا، اس کو پورن حجام سے گہری دوستی تھی، اور اس کی مدد سے اس نے سلطان کا تختہ الٹنے کی سازش کی، لیکن سازش کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے ملک زادہ اور حجام دونوں قید کر دیے گئے، اور قید خانے میں مر گئے، ان کی ناجائز دولت کو سلطان نے ضبط کر لیا[۱]

اپنے حریفوں کو راستہ سے ہٹانے کے بعد ملک احمد نے اپنی حیثیت مستحکم کرنے کی غرض سے اہم خاندانوں میں رشتے کیے، اس نے تازی بٹ[۲] کو جو معمولی گھرانے کا فرد تھا، اپنا متبنیٰ بنا لیا، اور اس کی شادی سپہ سالار جہانگیر ماگرے کی لڑکی سے کرا دی اور اس کو شہزادہ محمد کا ولی مقرر کر دیا[۳] یہ بات ملک احمد کے لڑکوں اور خاص طور سے نوروز کو بری لگی، اور وہ تازی بٹ سے جلنے لگا، انھوں نے تازی بٹ پر خودسری، اقربا پروری اور حرص کا الزام لگایا، اور اپنے باپ کو بتایا کہ تازی بٹ کی ترقی ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ہوگی، ان کے بار بار اشتعال دلانے کا اثر خاطر خواہ ہوا، ملک احمد تازی بٹ کے خلاف ہو گیا، اس نے تازی بٹ کو بیرونی پہاڑیوں کے باج گذار سرداروں کے خلاف ایک مہم پر بھیج دیا، ان سرداروں نے اپنی خود مختاری

---

۱ شری ور ص ۲۲۱، شری ور کے خیال میں ملک زادہ پر دھوکہ بازی کا الزام بے بنیاد ہے،

۲ ایضاً ص ۲۲۳، ۱۴۰۰ء تازی بٹ نے کشمیر سے باہر کی لڑائیوں میں حسن شاہ کی خدمت کی تھی، اس لیے اس پر وہ مہربان تھا، (ایضاً ص ۲۰۸) اور ملکہ کو بھی اس پر اعتماد تھا، (ایضاً ص ۲۴۸)

۳ شری ور ج ۳ نمبر ۷-۲۲۶، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۰، ایک دوسری جگہ شری ور لکھتا ہے کہ تازی بٹ شہزادہ حسین کا ولی تھا، یہ غلط ہے، اصل میں نوروز شہزادہ حسین کا ولی تھا، (دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۰)

کا اعلان کر دیا، اور سلطان کو خراج نہیں ادا کیا تھا، اس طرح وہ تازی بٹ کو سری نگر سے دور رکھنا چاہتا تھا، اور اس کی غیر موجودگی میں اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا،[۵]

تازی بٹ ملک احمد کی چال کو نہ سمجھا، اور فوج لے کر چل پڑا، اس نے جموں، رجوری، اور دوسری آس پاس کی ریاستوں کو زیر کیا، اور اس کے بعد جموں کی فوج کی مدد سے سیالکوٹ کی طرف بڑھا، جو سلطان بہلول لودی کی مملکت میں تھا، سیالکوٹ شہر کا کوئی دفاعی انتظام نہ تھا، اس لیے تازی بٹ نے اس کو لوٹا،[۶] جب بہلول لودی کے والی پنجاب تاتار خاں کو یہ خبر معلوم ہوئی، تو وہ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے، فوج لے کر چل پڑا، اس نے پہاڑ کے زیریں حصہ میں کچھ گانوں پر قبضہ کر لیا، لیکن اونچے پہاڑوں کی وجہ سے جو راستہ میں حائل تھے، آگے نہ بڑھ سکا، اس کے علاوہ کشمیر کے حکمرانوں کا کافی رعب اور دبدبہ تھا، اس کو آگے سخت مقابلہ اور اپنی ناکامی کا خطرہ تھا، یہ واقعہ ہے کہ کشمیر کسی زمانے میں بہت طاقت ور تھا، لیکن اب اس کی حالت سقیم تھی، اور اگر کوئی حوصلہ مند سپہ سالار اس پر حملہ کرتا، تو وہ ضرور فتح یاب ہو جاتا،[۷]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵ کا) سب سے چھوٹے شہزادے کا ولی ملک احمد تھا، (فرشتہ، بمبئی اڈیشن ج ۲ ص ۳۴۳؛ [۳] شری ور ص ۲۲۸؛ [۴] ایضاً ص ۲۳۹،

[۵] بہارستان شاہی ورق ۵۹ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۳ ب، ۱۲۴ الف؛ طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۹ کا بیان کہ تازی اور تاتاری جنگ[۶] فی کشمیری تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتا۔ [۷] بہارستان شاہی ورق ۵۹ الف اب، حسن ورق ۱۲۳ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۳ ب، ۱۲۴ الف،

اسی اثنا میں ملک احمد حسن شاہ کے کان تازی بٹ کے خلاف بھر چکا تھا، اس نے شہزادہ محمد کا ولی اپنے لڑکے نوروز کو بنوا دیا[1]، اور گرچہ تازی بٹ جنگ سے کامیاب اور کافی مال غنیمت لے کر لوٹا تھا، اس نے سلطان کو کوئی خطاب دینے سے منع کر دیا، اس سے بھی اس کی تشفی نہ ہوئی، وہ اب بھی تازی بٹ کو اپنا حریف سمجھتا تھا، اور اس کو تباہ کرنے کی فکر میں تھا، اور اپنی مقصد برآری کے لیے اس نے ہندوستان سے بھی سادات کو بلایا، حالانکہ امرا نے اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ تمام بیرونی لوگوں کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے، اور ان سے ساز باز کیا، آخر کار اس نے سلطان سے وہ فرمان لکھوا لیا جس کی رو سے تازی بٹ کی ملکیت ضبط ہو گئی، اس کو اپنے ہی گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور اس کے گذارے کے لیے معمولی رقم ملا کرتی تھی،

تازی بٹ کو نیچا دکھانے کے لیے ملک احمد نے دوسرے وزرا کی طرف توجہ کی، جو اس کے حریف ہو سکتے تھے، اس نے ان کو برخاست کرا کے ان کی جگہ اپنے آدمیوں کو رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طاقت انتہا سے زیادہ بڑھ گئی، اور ہر آدمی اس سے ڈرنے لگا، یہاں تک کہ سپہ سالار جہانگیر ماگرے بھی اس سے خوفزدہ رہنے لگا،[2]

---

[1] اس سلسلہ میں تری در کا بیان گنجلک ہے، ایک جگہ وہ لکھتا ہے، کہ تازی شہزادہ محمد کا ولی تھا، اور دوسری جگہ اس کو شہزادہ حسین کا ولی بتاتا ہے، حالانکہ تازی شہزادہ محمد کا اور نوروز شہزادہ حسین کا ولی تھا، (دیکھو کتاب ہذا ص ۱۴۶ حاشیہ ۲) جب ملک احمد تازی سے خفا ہوا، اس نے شہزادہ حسین کی ولایت تبدیل کرا کے اپنے لڑکے کو دلا دی، وہ خود اپنے زوال تک شہزادہ یوسف کی تعلیم کا ذمہ دار تھا، [2] تری در ص ۲۹۴ - ۲۹۱ -

حسن شاہ ان تمام باتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا، اس کو احمد کا رویہ پسند نہ تھا، وہ اس کے خلاف ہوگیا، سلطان کے برتاؤ میں تبدیلی دیکھ کر احمد کے دشمنوں کو موقع ملا اور انھوں نے سلطان کو مشورہ دیا، کہ وہ احمد کو شہزادہ یوسف کے ولی کے عہدہ سے ہٹا دے[1] سلطان نے ان کے مشورہ پر عمل کیا، لیکن بغاوت کے ڈر سے اس نے بیہقی سادات کو اپنی طرف ملایا، اور جہانگیر ماگرے کی مدد لے کر احمد کو ختم کرنا چاہا، یہ سن کر احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کی طرف چل پڑا، اور اس میں داخل ہوگیا، اس درمیان میں جہانگیر اپنے علاقہ سے لوٹ آیا، اور تازی بٹ کو آزاد کرایا، تازی بٹ کے ہم نواؤں نے محل کے مغربی پھاٹک میں آگ لگا دی، اور قرب وجوار کے مکانوں کو کافی نقصان پہنچایا، احمد ہر طرف سے گھر گیا تھا، اس نے یہ سوچ کر کہ اس میں جہانگیر ماگرے کی مقابلہ کی تاب نہیں ہے، کیونکہ اس کی فوج اس کو چھوڑ کر بھاگ رہی تھی، اپنے آپ کو حسن شاہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا، حسن شاہ نے اس کی پرانی خدمات کا خیال کر کے اس کو امان دی، ورنہ اس کے دشمن اس کو مار ڈالتے، جہانگیر اور دوسرے درباریوں کے مشورہ سے ملک احمد، اس کے لڑکوں اور اس کے اہم ساتھیوں کو قید کر دیا گیا، اور ان کی جائداد ضبط کر لی گئی[2]، ملک احمد کی جگہ حسن شاہ کے خسر سید حسن بیہقی کو وزیر مقرر کیا گیا، اور نا کام کی جاگیر ان کو دے دی گئی، ملک احمد دس سال وزیر رہا، وہ حسن شاہ کا وفادار تھا، حسن شاہ کو اس پر پورا اعتماد تھا، اور اس کے مشورہ کو مانتا تھا، وہ فیاض اور متحمل مزاج تھا، اس نے برہمنوں کو کئی گاؤں دیے تھے، اور مسلمانوں کے لیے خانقاہیں تعمیر کرائیں، اور ان پر جائداد وقف کی[3]، شروع میں

---

[1] شریور (بمبئی اڈیشن جلد ۳) ص ۲۰۳، [2] ایضاً ص ۴۸ - ۱۴۷، [3] ایضاً ص ۲۰۹،

اس نے حکومت ٹھیک طور پر چلائی، لیکن بعد میں طاقت کے لالچ میں آکر وہ ظالم ہو گیا، حکومت کے انتظام کو نظر انداز کر کے سازش اور اقربا پروری میں لگ گیا۔

بلتستان اور لداخ پھر خود مختار ہو گیے۔ ۱۴۸۳ء میں حسن شاہ نے جہانگیر ماگرے اور سید حسن کو انہیں دوبارہ تسخیر کرنے کے لیے بھیجا، جہانگیر نے سید حسن کو ایک ساتھ کوچ کرنے اور باہمی تعاون کا مشورہ دیا، لیکن سید حسن نے اس بات کو پسند نہ کیا، اور اکیلے ہی فوج لے کر چل پڑا، اس نے بلتستان پر حملہ کیا، اور بلتی سردار کو اطاعت گذاری پر مجبور کر کے سری نگر فتح یاب لوٹا، لیکن جب جہانگیر نے لداخ پر فوج کشی کی، تو اس کو وہاں کے حکمران لاچن بھگن (۱۴۷۰-۱۵۰۰) نے شکست دیدی، خود جہانگیر بڑی مشکلوں سے جان بچا کر سری نگر پہنچا، شکست کشمیری سپہ سالاروں کی باہمی پھوٹ کی وجہ سے ہوئی تھی، اگر وہ مل کر حملہ کرتے، تو جہانگیر کی فوج کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا، جہانگیر کی شکست سے فائدہ اٹھا کر سادات نے سلطان کو جہانگیر کے خلاف ورغلایا، کیونکہ وہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، جہانگیر دربار کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر اور اپنی زندگی کو خطرہ میں محسوس کر کے لوہر کوٹ چلا گیا[۲]،

اپنے باپ کی طرح حسن شاہ بھی بلا نوش تھا، اس کا آگے چل کر، اس کی صحت پر برا اثر پڑا، اور اس کو شدید قسم کا مرض اسہال ہو گیا[۳]، اپنی بیماری سے مایوس ہو کر اس نے اپنے خسر اور وزیر سید حسن کو بلایا، اور اودھم کے لڑکے فتح خان کو جو

---

[۱] انڈین انٹی کواری ج ۲ (۱۹۰۶ء)، ص ۵۱، مزید دیکھو تہری در ص ۵۳، ۲، بیلن تہری در نے سید حسن کا نام سید ناصر بتایا ہے، یہ غلط ہے، سید ناصر تو اس وقت مر چکا تھا،
[۲] تہری در ص ۵۳، ۲، [۳] ایضاً ص ۲۲۲، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰، ۴۸،

پنجاب میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہا تھا، بلانے اور اس کو جانشین مقرر کرنے کو کہا، کیونکہ اس کے لڑکے محمد حسین اور یوسف ابھی نابالغ تھے، لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا، کہ اگر ملکہ اس بات کو پسند نہ کرے، تو وہ خود کسی اور کو جانشین بنا سکتی ہے، پہلے تو ملکہ کو سلطان کے مشورہ پر اعتراض نہ ہوا، لیکن بعد میں اپنے باپ کی وجہ سے اس کو اپنا خیال بدلنا پڑا، اور جب ۱۹ اپریل ۱۴۸۴ء کو سلطان کا انتقال ہوا تو اس نے فوراً ہی اپنے لڑکے محمد کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا، حالانکہ محمد کی عمر ابھی سات سال کی تھی[1]،

حسن شاہ نے شہزادگی کے زمانے میں سرگرمی اور ہمت ضرور دکھائی تھی، لیکن حکمران ہونے کے بعد اس نے عوام کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہ لی، اور نہ کبھی فوج کی سربراہی کی، بلکہ اس نے عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی، شروع میں اس کے وزیر ملک احمد نے ملک کا انتظام معقول طریقہ سے کیا، لیکن بعد میں وہ بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کرنے لگا، اور اس نے ذمہ داری پر اپنے آدمیوں کو رکھنا شروع کیا، جو سب برے اور نااہل تھے، احمد کے اس فعل سے امراء کے اندر غصہ اور حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور بالآخر آپس میں جنگ ہونے لگی، اس سے حکومت کے نظم و نسق میں کمزوری آگئی، اور ملک کے امن و امان میں خلل پڑ گیا، اس سے فائدہ اٹھا کر مملکت کے سرحدی صوبے آزاد ہو گئے، اور صرف وادی کشمیر حسن شاہ کی مملکت میں رہ گئی، لداخ کو مغلوب کرنے کی کوشش شورش بے مدعا بن کر رہ گئی، البتہ بلتستان، جموں، اور رجوری پر از سر نو قبضہ ہو گیا، لیکن جلد انھوں نے

---

[1] طبقات اکبری ص ۵۰۱-۵۰۴، نمبری در ص ۶۹۳ وغیرہ،

وکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا،

یوں تو سیاسی حیثیت سے حسن شاہ کا دور حکومت ناکام تھا، لیکن تہذیبی سرگرمیوں میں اس کی کافی اہمیت تھی، حسن شاہ زین العابدین کے بعد خاندان شاہ میری میں سب سے زیادہ علم نواز حکمران تھا، اس نے اہل علم کی سرپرستی کی، اور اس کی ہدایت سے فارسی کی کچھ کتابیں سنسکرت میں ترجمہ ہوئیں، اس کو تعلیم کی ترویج سے دلچسپی تھی، اس نے مدرسے بنوائے، جن پر کافی جائداد وقف کی، وہ موسیقی کا سرپرست ہی نہ تھا، بلکہ خود اس فن کا ماہر بھی تھا، اس کی آواز سریلی تھی، وہ فارسی، کشمیری اور سنسکرت کے گانے گاتا تھا، موسیقی سے سلطان کے شغف کی خبر پاکر بہت دور سے ماہرین موسیقی آکر اس کے دربار کی زینت بن گئے تھے، اس کے دربار میں کل ملاکر ۱۲ سو ارباب فن تھے،[1]

حسن کے عہد میں تعمیرات کا بھی کافی کام ہوا، اس نے دیدمر[2] میں اور سوپور میں محل بنوائے، اور ان محلوں کی مرمت کرائی جو اس کے پیش رووں نے مختلف مقامات پر بنوائے تھے، سری نگر میں اس نے اپنے باپ کے نام سے ایک خانقاہ بنوائی،[3] اور جب اس کی ماں گل خاتون کا انتقال ہوا تو اس نے اس کی یادگار

---

[1] تُہری در ص ۲-۱۴۰۰، بہارستان شاہی ورق ۸۰ ب، حیدر ملک ورق ۱۲۳ ب

[2] دیدمر کے محل ۱۴۷۷ء میں تعمیر ہوئے (تُہری در) دیدمر کو تُہری در و۔۱ مٹھ بتاتا ہے، یہ اب سری نگر کا ایک محلہ ہے، اور دریا کے داہنے پر ساتویں پل کے نیچے واقع ہے، اسٹائن ج ۲ نمبر ۰۰۰ ۴م حاشیہ پر یہ غلط درج ہے، یہ چھٹویں اور ساتویں پل کے بیچ میں ہے، [3] تُہری در ص ۵۔۲۷۴،

کے طور پر شہاب الدین پور کے قریب کشتیوں کا ایک پل بنوایا، اس نے خانقاہ معلّی اور جامع مسجد کی اہم عمارتوں کو پھر سے بنوایا، ان عمارتوں کو سکندر نے بنوایا تھا لیکن ۱۴۷۹ء میں آگ لگ جانے سے برباد ہو گئی تھیں،[۱]

سلطان کے امراء بھی اس کے نقش قدم پر چلے، وزیر ملک احمد نے ویدمرمیں بہت سی عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں ایک خانقاہ بھی شامل تھی جس کے لیے ستی پوشش کا گاؤں وقف تھا، اس خانقاہ میں باہر سے آنے والوں کے لیے قیام و طعام کا مفت انتظام تھا، اس کی بیوی شاہ بیگم نے بھی کھیری کی سڑک پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔[۳] اس کے لڑکوں، امراء اور شہزادوں نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر خانقاہیں بنوائیں، ہندوؤں اور بودھوں نے بھی کئی مذہبی عمارتیں تعمیر کرائیں، سنیا بھان ڈپٹی نے بیج بہرا میں ایک وہار بنوایا، اور اس کے بھائیوں نے پتھر کا خوبصورت گنیش مندر بنوایا، اس طرح کی کئی اور عمارتیں ہندوؤں نے تعمیر کرائیں،[۵]

سلطان محمد شاہ (بار اوّل) ۱۴۸۴ء – ۱۴۸۶ء

محمد خان محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا، وہ بہت کم عمر تھا، اس لیے

---

۱ تاریخ کشمیر از سید علی ص ۳۹ – ۴۰، واقعات کشمیر از محمد اعظم ورق ۷۰ ب، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۳۵ الف، ب، شری ور ص ۳۳۵، ۲ اس مقام کا کچھ پتہ نہیں، یا تو اس کا نام بدل گیا ہے، یا اب یہ وجود میں نہیں ہے، ۳ کھیری کھر کا دوسرا نام ہے، جس کو کلہن اور شری ور نے استعمال کیا ہے، کھر کا گاؤں وشو کا سے دو میل پر، ۳۳ء ۳۳ عرض البلد اور ۵۰ء ۷۴، طول البلد میں واقع ہے (اسٹائن ج ۲ ص ۴۷۰) ۴ اس شہر کو راجہ وجے نے بسایا تھا، اور اس کا قدیم نام وجیشور تھا، یہ سری نگر سے جنوب مشرق میں ۲۸ میل پر، ۴۵ء ۳۳ عرض البلد اور ۱۰ء ۷۵ طول البلد میں واقع ہے، ۵ شری ور ص ۲۲۷،

امور سلطنت کی دیکھ بھال اس کے نانا سید حسن کرتے تھے،[1] تھوڑے ہی عرصہ میں سید حسن اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد ملک میں ناپسند کیے جاتے لگے، ایک تو وہ غیر ملکی تھے، دوسرے کشمیری امرا[2] کے ساتھ ان کا سلوک اچھا نہ تھا، وہ ذات پات کے[3] مخالف تھے، اور کشمیری اور سنسکرت[4] زبان کی سرپرستی نہیں کرتے تھے،[5]

اسی لیے کشمیری امرا راجہ جموں پرسو رام کی مدد سے جو تاتار خان کے حملہ کے ڈر سے سری نگر بھاگ آیا تھا، سید حسن اور ان کے خاندان والوں کے خلاف ایک سازش کی، رات کے وقت کوئی تین سو آدمی جن میں جموں کے سپاہی بھی شامل تھے، محافظوں کو رشوت دے کر نوشہر کے قلعہ میں داخل ہوئے،[6] دوسرے دن صبح کو جب کہ سید حسن قلعہ کے اندر دربار کر رہا تھا، وہ سب جہاں جہاں چھپے ہوئے تھے، وہاں سے باہر نکل کر سید حسن اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا، سید حسن اور دوسرے ۱۳ آدمیوں کو تیغ کر دیا، ان کا ایک ملازم جو بری طرح زخمی ہوا تھا، کسی طرح قلعہ کی نالی سے جان بچا کر بھاگا، اور سید حسن کے لڑکے سید محمد کو اس الم ناک حادثہ کی خبر دی،[7] سید محمد نے اپنے بھائی ہاشم کے ساتھ مل کر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا، اور اس پر قبضہ کر لیا، قلعہ میں جو خزانہ موجود تھا، اس پر بھی قبضہ کر کے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا،[8]

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۶۱ الف، [2] ایضاً ورق ۶۱ ب، تُمری در ص ۲۵۷، [3] ایضاً ص ۳۱۲ [4] ایضاً ص ۲۲۸، [5] ایضاً ص ۲۲۸-۲۳۰، بہارستان شاہی ورق ۶۱ ب، [6] تُمری در ص ۲۷۰-۱، فرشتہ ۶۶۸، بہارستان شاہی ۶۲ الف ۶۳ الف لیکن اس میں جو حصہ راجہ جموں نے لیا، بہارستان شاہی میں اس کا ذکر نہیں ہے، [7] بہارستان شاہی ورق ۶۲ الف، ۶۳ الف، مرنے والوں کی تعداد تُمری در نے ۳۰ بتائی ہے، تُمری در نے مبالغہ سے کام لیا ہے، [8] بہارستان شاہی ورق ۶۳ ب، وغیرہ

اسی درمیان عیدی رینا نے بہرام خان کے لڑکے یوسف خان کو آزاد اور اس کو تخت نشین کرانے کی کوشش کی لیکن امرائے سادات میں ایک شخص سید علی بیہقی کو اس سازش کا پتہ چل گیا، اس نے یوسف خان کو فوراً قتل کر دیا[1]، یوسف کی ماں ستین دیوی نے اپنے لڑکے کی لاش تین تک اپنے پاس رکھی، پھر دفن کرا دی، اس کی قبر کے پاس اس نے ایک حجرہ بنوایا، اور زندگی کے بقیہ دن اسی میں گذارے[2]،

اس کی اطلاع پاکر کشمیری امرا کی درخواست پر جہانگیر ماگرے سری نگر سے لوہر کوٹ لوٹا، سادات نے اس سے مصالحت کرنے پیش کش کی، لیکن اس نے انکار کر دیا، اور اپنے لڑکے داؤد کو سیف دار کے ساتھ پل کے پار نوشہر میں سادات پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا، داؤد کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، سادات نے مقتولوں کے سروں کا مینار بنا کر اپنی فتح کا جشن منایا[3]، اس سے سادات کی ہمت بڑھ گئی، اور انھوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، اس کی خبر پاکر کشمیری آگے بڑھے اور پل پر دشمن سے نبرد آزما ہوئے، لیکن یکایک پل ٹوٹ گیا، جس کی وجہ سے طرفین کے بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے[4]،

کشمیری امرا کی بڑھتی ہوئی ہمت اور طاقت کو دیکھ کر سادات نے بہلول لودی کے والی پنجاب تاتار خان سے مدد مانگی، تاتار خان نے ان کی مدد کے لیے تھوڑی سی فوج روانہ کی لیکن جب یہ فوج پہنچی تو وہاں کے راجہ نے اس کی پیش قدمی روک کر ان کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا[5]،

---

[1] میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۹ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۲، مزید دیکھو سری ور ص ۵-۲۷۴، سری ور کا ایڈیٹر جانکی اور فارسی تاریخوں کا عیدی رینا ایک ہی آدمی کے نام ہیں، [2] میونخ قلمی ورق ۷۰ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۲، سری ور نے ص ۲۷۶ پر اس کا نام سوبان بتایا ہے، [3] میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۲، [4] ایضاً ص ۴۵۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۰ الف، [5] ایضاً ورق ۱۰۰ الف طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۵۳،

اس خبر سے کشمیریوں کی ہمت اور بڑھی، اور سادات پر ان کے حملے جاری رہے، لیکن یہ حملے فیصلہ کن نہیں تھے، ان کی حیثیت جھڑپوں کی سی تھی جیت کبھی کشمیریوں کی اور کبھی سادات کی ہوتی، دو مہینے کے بعد کشمیری امرا نے ایک بڑی فوج کے ساتھ جہلم کو پار کر کے سادات پر حملہ کیا، سادات تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے شکست کھا کر بھاگے، ان کا تعاقب کر کے ان کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کر دیا گیا، نوشہر کو آگ لگادی گئی،[1] کشمیری امرا قلعہ میں داخل ہوئے، اور انھوں نے محمد شاہ کو سلطان کی حیثیت سے سلامی دی، سادات کو ایک بار پھر ملک بدر کر دیا گیا، ان کی جاگیریں ضبط کر کے ان امرا میں تقسیم کر دی گئیں جنھوں نے ان کا تختہ الٹا تھا،[2] پرسورام نے سادات کے خلاف جنگ میں کافی اہم حصہ لیا تھا، اس کو تحفے تحائف دے کر رخصت کیا گیا،[3] جہانگیر ماگرے وزیر اعظم مقرر ہوا،

ملک میں اتحاد سادات کے دم سے تھا، لیکن جیسے ہی سادات کا خاتمہ ہوا، امرا نے پھر سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا، ان میں سے بعض نے اوہم خان کے لڑکے فتح خان کو جالندھر سے بلایا، اور اس کی مدد کا وعدہ کیا،[4] دعوت نامہ پا کر فتح خان رجوری کی طرف روانہ ہوا، جہانگیر ماگرے نے اس کو کشمیر میں داخل ہونے سے منع کیا، لیکن وسط

---

[1] ایضاً مورخ قلمی نسخہ ص ۸۰ الف ب، [2] ایضاً تری ور ص ۳۰۲-۳۰۳، بہارستان شاہی ورق ۶۵ ب ۶۶ پر سادات کی طرف داری کی گئی ہے، یہ کہنا غلط ہے کہ علمار کی مداخلت سے ایسا ہوا اور کشمیری امرا سید محمد کے باپ کے قتل میں حصہ لے کر پچھتائے [3] تری ور ص ۳۰۲، [4] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۵ پر لکھا ہے کہ تاتار خان کی موت کے بعد فتح خان پنجاب کا والی ہوا، لیکن اس کی کوئی دوسری سند نہیں ملتی، تری ور نے ص ۳۰۶ پر صرف اتنا لکھا ہے کہ تاتار خان کی موت کے بعد

۱۴۹۵ء میں فتح خان وردن کے نگران مسعود نایک سے دوستی کر کے ہیرا پور کے راستے سے کشمیر میں داخل ہو گیا، اس کے حامی اس سے آملے[1] جہانگیر فوراً محمد شاہ کے ساتھ فوج لے کر چل پڑا، اور گوس اودر میں خیمہ زن ہوا،[2] فتح خان کے کلم پور پہونچنے کی خبر پا کر جہانگیر محمد شاہ کو گوس اودر میں چھوڑ کر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا، کلم پور[3] میں سخت جنگ ہوئی، شاہی فوج کو شکست ہو جاتی لیکن جہانگیر نے فتح خان کی گرفتاری کی خبر پھیلا کر ان کو پھر سے اکٹھا کیا اس سے فتح خان کے ساتھیوں کی ہمت پست ہو گئی، فتح سے مایوس ہو کر فتح خان بھی میدان جنگ سے چلا گیا، اور آخر کار پنجاب میں جا کر پناہ لی،[4] اس کے بعد حامیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا، اور ان کے مکانوں کو لوٹ لیا گیا،[5]

کشمیر سے نکالے جانے کے باوجود فتح خان نے بہرام گل[6] میں اپنی فوج کو اکٹھا کیا اور پھر اگلے سال کشمیر پر حملہ کر دیا، جہانگیر ماگرے نے پرگنہ ناگام کے کریوہ پر اس کا مقابلہ کیا، اسی درمیان میں فتح خان کا ایک ساتھی زیرک بٹ چھوٹی سی جمعیت لے کر سری نگر میں داخل ہوا، اور ملک سیف دار اور دوسرے آدمیوں کو جو فتح خان[7]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۵) اس کی ماں کے لڑکے نے فتح خان کو پناہ دی، فتح خان کچھ دنوں کے بعد جالندھر میں رہنے کے لیے چلا گیا،

میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۰ ب پر لکھا ہے کہ تاتار خان کی موت کے بعد فتح خان رجوری گیا، شاید وہ کشمیری سرداروں کی دعوت پر گیا تھا، [1] شری ور ص ۱۱۳ وغیرہ [2] یہ سری نگر کے جنوب میں ایک سطح مرتفع ہے، جس سے ہو کر شوپیان کی سڑک گذرتی ہے، شری ور اس کا نام گسٹی کو دوار بتاتا ہے، (دیکھو اسٹین ج ۲ ص ۴۸۴، ۴۸۹) [3] شری ور اس کا

کی حمایت کے الزام میں قید تھے، آزاد کر دیا، جہانگیر ان باتوں سے سراسیمہ ہو گیا، اور رجوری کے راجہ کی مداخلت سے اس نے فتح خان سے عارضی صلح کر لی[۱]، پھر اندرونی سازش کر کے اس نے راجہ اور فتح خان میں علحدگی کرا دی، اور فتح خان کو اس کے حامیوں سے الگ کرا کے اس پر حملہ کر دیا، فتح خان اپنے کو تنہا محسوس کر کے بھاگ کھڑا ہوا، جہانگیر نے ہیرپور تک اس کا تعاقب کیا[۲]۔

ہیرپور سے فتح خان جموں کی طرف بڑھا، اس نے جموں پر قبضہ کر لیا، اور ایک بار پھر کشمیر کا تخت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا، جہانگیر ماگرے سید محمد اور دوسرے سادات سرداروں کی مدد لے کر فتح خان سے مقابلہ کو بڑھا، سید محمد اور دوسرے سرداروں کو جہانگیر ماگرے نے ہندوستان سے واپس بلا لیا تھا، جہاں وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے[۳]، گوس اُدر میں شکست کھا کر فتح خان اپنے مشیر اور سپہ سالار سیف دار کے ساتھ رجوری واپس چلا گیا، اس نے ہمت نہیں ہاری، چند مہینوں کے بعد اس نے پھر فوج تیار کی، اور وادی میں داخل ہوا، دام در اڈر[۴] میں شاہی فوج سے مقابلہ ہوا، اور اس کو اس مرتبہ فتح نصیب ہوئی، جہانگیر زخمی ہو کر بھاگا، سید محمد فتح خان سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷) نام کلیان پور بتایا ہے، یہ ۴۰ر۳۳ عرض البلد اور ۵ر۷۴ طول البلد میں واقع ہے، درہ پیر پنجال سے سری نگر جانے والی اونچی سڑک پر ہونے کی وجہ سے یہاں پر بہت سی جنگیں ہوئیں، [۱] تحری در ص ۵۰-۳۱۵ [۲] میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۸ الف [۳] یہ ۳۶ر۳۳ عرض البلد اور ۲۷ر۷۴ طول البلد میں بھمبر اور کشمیر کی سڑک پر چھوٹا سا گاؤں ہے، یہ درہ رتن پیر کے نیچے گہری گھاٹی میں واقع ہے، اس کا قدیم نام بھیر و گل تھا، [۶] تحری در ص ۳-۳۲۲ میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۸ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۵۴، [۸] تحری در ص ۵-۳۲۵ [۹] ایضاً میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۸[ب]

مل گیا، محمد شاہ نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن فتح خان کے آدمیوں نے اس کو گرفتار کر لیا، (۲۴ اکتوبر ۱۴۸۶ء[۱]) اس کو اسی کے محل میں قید کر دیا گیا، لیکن اس کے تمام آرام و آسایش کا خیال رکھا گیا، فتح خان کے سلطان ہونے کا اعلان ہوا، اور وہ سلطان فتح شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا، گھس قبیلہ کے لوگوں نے جو اس کے ساتھ آئے تھے، شہر کو لوٹا، یوں تو تین دن کے اندر شہر میں نظم و نسق بحال ہو گیا، لیکن تقریباً چھ مہینے تک ملک ان کے رحم و کرم پر رہا،[۲]

سلطان فتح شاہ (بار اول) ۱۴۸۶-۹۳ء

فتح شاہ دیندار تھا، اس کی عادتیں سادہ تھیں، وہ شراب سے احتراز کرتا، جوا نہیں کھیلتا تھا، اور پاکیزہ زندگی کا سختی سے کاربند تھا،[۳] ذہین، بہادر اور حوصلہ مند تھا، اس نے امراء پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن ناکام رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت میں نام تو اس کا تھا لیکن اصل حکومت امراء کی تھی، اور خاندانی حکومت زوال پذیر ہوتی گئی،

فتح شاہ کو تخت شاہی سیف دار کی کوششوں سے ملا تھا، فتح شاہ نے اس کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا، لیکن جلد ہی فتح خان اس سے غیر مطمئن ہو گیا، کیونکہ وہ ساری طاقت اپنے ہی ہاتھ میں رکھتا تھا، اور سلطان کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا، اس نے نصرت رینا سرنگ رینا، موسیٰ رینا اور شمس چک سے مدد مانگی اور سیف دار کو ہٹانے کا فیصلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷) زیرک بٹ بھی محمد شاہ کو چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن بعد میں جہانگیر ماگری نے اس کو قتل کر دیا، شری ور ص ۳۲۷، [۱] ایضاً ص ۳۲۸ وغیرہ ، میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱ ب

[۲] شہری نگر کے جنوب میں یہ ایک سطح مرتفع ہے، اس کا نام شری ور اور کلہن بالترتیب دامودر اُدر اور دامودر سود بتاتے ہیں [۱] شری ور ص ۳۲۸-۳۳ مزید دیکھو میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱ ب

۸۲ الف، [۲] شری ور ص ۳۳۴-۵، [۳] پراجیہ بھٹ ص ۹-۳۳۸،

کیا، اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے کی خاطر اس نے شہر کے تمام پل توڑ ڈالے اور کچھ دن کے بعد سیف دار پر حملہ کر دیا، وہ اس وقت رلن گانوں میں تھا، دو بدو شدید جنگ ہوئی، سیف دار کو سرہنگ رینا نے مار ڈالا، لیکن وہ خود بھی بری طرح زخمی ہوا، سیف دار کی موت سے اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے، اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی، فتح شاہ اپنی فتح پر مسرور ہوا، اور اس نے موسٰی رینا اور نصرت رینا کو انعام و اکرام دیے، اور شمس چک کو وزیر اعظم بنایا،[۲]

شمس چک ہلمت چک کا لڑکا تھا، ہلمت چک اپنے قبیلہ کے ساتھ گلگٹ کی طرف سے آکر کوپوارہ میں بس گیا تھا، کوپوارہ سری نگر کے جنوب مغرب میں ۵۰ میل پر واقع ہے، شمس چک باری باری سید محمد، ملک نورز اور سیف دار کا ملازم رہ چکا تھا، وہ بہادر تھا، اور خانہ جنگی کے سلسلے میں نمایاں ہوا، اس نے گوارل کے باشندہ[۳] حسین چک کے لڑکے پانڈو چک کی لڑکی سے شادی کی تھی، اس شادی سے دونوں خاندان جو پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اقریب تر ہو گئے، جس سے شمس چک کی حیثیت اور مستحکم ہو گئی، حسین چک کے سارے ساتھی اس کے ساتھ ہو گئے،

ڈھائی سال کے امن وسکون کے بعد امرا میں پھر سے جھگڑے شروع ہو گئے، سید محمد اور شمس چک میں تعلقات کشیدہ ہو گئے، جہانگیر ماگرے کا لڑکا ابراہیم ماگرے اور عیدی رینا بھی شمس چک کے خلاف ہو گئے، اور سید محمد کی مدد سے اس کا تختہ الٹنے کی

---

[۱] یہ سری نگر کے پاس ایک گانوں تھا، لیکن اب اس کا وجود زمین اور نقشہ پر باقی نہیں ہے، [۲] بہارستان شاہی ورق ۸۰ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۴ ب، ۱۲۵ ب، [۳] یہ کسی نقشہ پر نہیں ملتا، البتہ گردہ نام کا ایک گانوں ولر جھیل کے کنارے واقع ہے،

کوشش میں مصروف ہو گئے، انھوں نے بلبل شاہ کے مقبرہ کے پاس اس پر حملہ کر کے اس کو شکست دی، شمس چک علی کدل کے پل کو پار کر کے زیالدکر پہنچا، جہاں آکر کاجی چک اس سے ملا، وہ دشمن کی فوج سے لڑ کر آیا تھا، پہلے تو شمس چک نے دوبارہ لڑنے کا خیال کیا، لیکن اس کی فوج بہت تھوڑی تھی، اس کے بہت سے ہم نوا اس کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، وہ کمراج چلا گیا، چونکہ فتح شاہ نے شمس چک کا ساتھ دیا تھا[1]، اس لیے اس کو اپنے تخت و تاج سے دست بردار ہو کر نوشہرہ[2] جانا پڑا، محمد شاہ کو جو اپنے ہی محل میں مقید تھا، آزاد کر کے دوسری بار سلطان بنا دیا گیا[2]،

سلطان محمد شاہ بار دوم (۱۴۹۳ء–۱۵۰۵ء)

تخت نشین ہوتے ہی محمد شاہ اپنے وزیر اعظم سید محمد، ابراہیم ماگرے، اور موسیٰ رینا کے ساتھ شمس چک پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا، جب وہ ترہگام پہونچا، تو شمس چک دراؤ[3] کی طرف ہٹ گیا، محمد شاہ ترہگام اور اس کے اطراف میں شمس چک اور اس کے حامیوں کے مکانات کو برباد کر کے سوپور کی طرف بڑھا، اس کی خبر پا کر شمس چک ترہگام واپس آیا، اس کی فوج

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۹) ۵ بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف، ب، [1] بہارستان شاہی ورق ۸۰ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۵ ب، نوادر الاخبار ورق ۵۳ ب، یہ درج ہے کہ شمس چک کے خلاف جو اتحاد ہوا تھا، اس میں فتح شاہ بھی شامل تھا، لیکن ابتدائی تاریخوں میں اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ [2] یہ پیرپنچال اور کشمیر کے راستہ میں ہے اور سری نگر سے ۱۲۲ میل جنوب مغرب میں ہے، یہ ۱۰ر۳۳ عرض البلد اور ۱۰ر۷۴ طول البلد میں ہے۔ [3] یہ آج کل تھری سے کرناؤ تک وادی کشن گنگا کا نام ہے، اس کا قدیم نام دراندہ تھا، لیکن فارسی تاریخوں میں اس کو دارد لکھا گیا ہے، اسٹائن ج،

مخالفین سے کم تھی، اس لیے رات کے وقت حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، اس خیال سے وہ سوپور کی طرف چل پڑا، اور صبح ہوتے ہوتے وہاں پہنچ گیا،[۵] محمد شاہ کو بڑا تعجب ہوا، اور اپنا کچھ سامان چھوڑ کر جو دشمن کے ہاتھ لگا، پل کے پار فرار ہو گیا، پھر اس نے پل کو تباہ کر دیا، اور دریا کے دوسرے کنارے پر خیمہ زن ہوا، موسیٰ رینا اصل فوج سے ذرا فاصلہ پر تھا، اس کو رات کے حملہ کی خبر پل کے تباہ ہونے کے بعد لگی، اس لیے وہ دریا پار نہ کر سکا، اگرچہ اس کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی، لیکن اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا، اور جب شمس چک نے اس پر حملہ کیا تو وہ مقابلہ میں بہادری کے ساتھ ڈٹا رہا، اور کاجی چک، عیدی رینا، اور سید محمد کی مدد سے شمس چک کو شکست دی، شمس چک ترہگام بھاگ گیا، اور وہاں سے نوشہرہ جا کر فتح شاہ سے جا ملا،[۱] محمد شاہ تزک و احتشام کے ساتھ راجدھانی واپس آیا، اور موسیٰ رینا کو اس کی خدمات کے صلہ میں جاگیر عطا کی، موسیٰ اس سے خوش نہ ہوا، کیونکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جتنی بڑی جاگیر کا وہ مستحق تھا، اس کو نہ ملی،[۲] اس کے علاوہ اس زمانہ میں شمس الدین دوسری بار کشمیر آیا، موسیٰ رینا اس کا اطاعت گذار پیرو ہو گیا، لیکن سید محمد کو شمس الدین کے خیالات پسند نہ تھے، اور سید محمد نے اس کو اسکاردو جانے پر مجبور کیا، موسیٰ کو سید محمد

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰) تمبر ۲۰۹ حاشیہ بہارستان شاہی ورق ۰، الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۲۷ الف، ب۔ [۵] بہارستان شاہی ۱، الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۲۷ ب وغیرہ تاریخ کشمیر از نرائن کول عاجز ورق ۳۰ الف، ب [۱] حیدر ملک ورق ۱۲۵ الف، [۲] ایضاً،

پر سخت طیش آیا، اس نے ابراہیم ماگرے اور حاجی بدر کو بلا کر فتح شاہ کو واپس آنے کی دعوت دی، فتح شاہ وادی میں داخل ہوا، ہیرا پور پہنچنے پر اس سے موسیٰ، ابراہیم اور حاجی ملے[۱] اس کی اطلاع پاکر محمد شاہ نے سید محمد کی معیت میں ان کے خلاف فوج کشی کی، اور ان کو زین کوٹ میں شکست دی، دوسرے دن اپنی فوج کو منظم کر کے فتح شاہ پھر مقابلہ کے لیے اکٹھا ہوا، اس کی شکست قریب تھی کہ اچانک سید محمد مارا گیا، اس سے شاہی فوج میں انتشار پھیل گیا، وہ بھاگ کھڑی ہوئی، محمد شاہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا، اور جان بچا کر نوشہرہ بھاگا، اس کے بعد فتح شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا[۲]

سلطان فتح شاہ (بار دوم) ۱۵۰۵ء-۱۴ء

تخت نشین ہونے پر فتح شاہ نے شمس چک کو وزیر اعظم بنایا، جو اس کے ساتھ جلا وطن تھا، لیکن کچھ تو حسد اور جلن اور کچھ شمس چک کے برے برتاؤ کی وجہ سے ابراہیم ماگرے اور موسیٰ رینا نے اس بات کو پسند نہیں کیا، کچھ ہی عرصہ بعد انھوں نے فتح شاہ کو اپنی طرف ملا لیا، جو اپنے وزیر اعظم کے ماتحت رہ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا، شمس چک کے خلاف ایک سازش کر کے اس کو گرفتار کر لیا گیا، اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا، چونکہ شمس چک نے سیف ڈار کو قتل کرایا تھا، اور قبیلہ ڈانگرے کا خاتمہ کیا تھا، موسیٰ رینا

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۷۱ ب، ۷۲ الف تحفۃ الاحباب ص ۲۰۹، مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر ورق ۱۱۱ ب۔ [۲] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف وغیرہ، حیدر ملک ورق ۱۲۹ ب۔

نے بہرام ڈار اور دوتی ملک کو شمس چک کو قتل کرنے پر مامور کیا[۱]، اگرچہ شمس پابزنجیر تھا، اس کے پاس اپنے دفاع کے لیے ایک چھوٹے چاقو کے سوا کوئی اور ہتھیار نہ تھا، لیکن وہ اپنے قاتلوں سے شیر کی طرح لڑا، تین کو مار ڈالا، اور کئی ایک کو زخمی بھی کر دیا، آخر کار اپنے اوپر تیروں کی بوچھار سے اپنے لڑکے سمیت مارا گیا، وہ صرف چار مہینے وزیر رہا[۲]،

شمس چک کی جگہ وزیر اعظم ہو کر موسیٰ رینا نے سب سے پہلے قبیلہ ڈانگرے کو ملک بدر کیا، یہ قبیلہ اس کے خلاف ہو گیا تھا[۳]، پھر اس نے شمس الدین کو اسکاردو سے واپس بلایا، اور اس کی تبلیغی سرگرمیوں میں مدد دی، موسیٰ رینا قابل اور محنتی تھا، اور کشمیر پر اس نے مضبوطی کے ساتھ حکومت کی[۴]، لیکن ابراہیم ماگرے جو ابھی تک اس کا دوست تھا، اس کے خلاف ہو گیا، اس نے فتح شاہ اور ان امرا کو اپنی طرف ملا لیا، جو موسیٰ کی مذہبی حکمت عملی کو ناپسند کرتے تھے[۵]، وہ اپنے حامیوں کے ساتھ سکندر پور (سری نگر) کے محل کی طرف چل پڑا، پل کو برباد کرنے کے بعد موسیٰ پر حملہ کرنے کی تیاری

---

۱ بہارستان شاہی ورق ۷۷ الف، ۲ بہارستان شاہی ورق ۷۷ الف ب، حیدر ملک ورق ۱۳۰ الف، پر رقم طراز ہے، کہ شمس چک دو مہینے وزیر رہا، ۳ بہارستان شاہی ورق ۸۰ الف،

۴ ایضاً حیدر ملک ورق ۱۳۱ الف ب، ان تاریخوں میں لکھا ہے کہ موسیٰ ۹ سال تک برسر اقتدار رہا، لیکن یہ غلط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ خود فتح شاہ ۹ سال تک سلطان رہا، اور اس درمیان میں سات مرتبہ وزیر بدلے گئے تھے ۵ تاریخ حسن ج ۲ ص ورق ۱۱۵ الف،

کرنے لگا، دوسری طرف موسیٰ ذیالدر میں خیمہ زن ہوا، لیکن دشمن کے مقابلہ
میں اپنی فوج کم تعداد میں دیکھ کر وہ ہندوستان چلا گیا۔[1] اسی درمیان میں قبیلہ
ڈانگرے کے سردار ملک عثمان اور دتی ملک جن کو موسیٰ رینا نے ملک
بدر کر دیا تھا، ابراہیم ماگرے کے بلانے پر ہیرا پور کے راستہ سے سری نگر
روانہ ہوئے، موسیٰ ان سے لڑنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اس نے چیرا بار
کا راستہ اختیار کیا، لیکن راستہ میں اس کو ایک سپاہی نے مار ڈالا۔[2]
فتح شاہ نے اب ابراہیم ماگرے کو اپنا وزیر اعظم بنایا، لیکن ابراہیم صرف
۴۰ دن تک برسر اقتدار رہا، کیونکہ قبیلہ ڈانگرے کے سردار جن کو اس نے
ہندوستان سے اپنی مدد کے لیے واپس بلایا تھا، اس کے خلاف ہو گئے
اور کچھ امرا کی مدد سے اس کو ہٹانے میں کامیاب ہو گئے، ابراہیم ہندوستان
بھاگ گیا، وہ سازش کرنے کا ڈھنگ خوب جانتا تھا، لیکن حاکم کی حیثیت
سے نااہل تھا، اور جتنے عرصہ تک وہ وزیر اعظم کے عہدہ پر مامور رہا،
ملک میں انتہائی بدامنی پھیلی رہی۔[3]

ابراہیم کے فرار ہونے کے بعد ملک عثمان وزیر ہوا، لیکن دو مہینے کے بعد
کاجی چک، جہانگیر پدر اور گدا ے ملک نے فتح شاہ کی مدد سے اس کے

۱؎ بہارستان شاہی ورق ۸۰ ب ۸۱ الف، حیدر ملک ورق ۱۳۱ الف، ۲؎ حیدر ملک
ورق ۱۲۱ ب، بہارستان شاہی ورق ۸۱ الف ب پر لکھا ہے کہ اس کی موت گھوڑے
پر سے گرنے سے واقع ہوئی تھی، بموجب تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۱۵ ب، اس کی گردن انگور کی
شاخ میں پھنس گئی تھی، وہ گھوڑے سے گر کر وہیں ہلاک ہو گیا، حیدر ملک اور نرائن کول اس کی

خلاف سازش کی، انھوں نے دتی ملک پر اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا کہ وہ محل میں مقدموں کا فیصلہ کر رہا تھا، انھوں نے ملک عثمان کو جو دوسرے کمرے میں فتح شاہ کے ساتھ تھا، گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا، اس کے بعد جہانگیر پدر وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا لیکن ایک مہینے کے اندر ہی ابراہیم ماگرے پنجاب سے فوج لے کر آ پہونچا، اور جہانگیر پدر اور کاجی چک کو شکست دی، کاجی چک کی مدد فتح شاہ نے کی تھی، اس پر وہ دونوں پنجاب کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ابراہیم نے فتح شاہ کو جو ہیرا پور تک پہونچ چکا تھا، واپس بلایا، اور اس کی حکمرانی تسلیم کر لی، اس کے نام سے سکے بنے اور جمعہ میں خطبہ پڑھا گیا[۱۵]

ابراہیم ماگرے کو اپنے عہدہ پر فائز ہوئے، ابھی ایک ہی سال ہوا تھا کہ ملک عثمان نے جس کو ابراہیم نے جیل سے چھڑایا تھا، شنکر رینا، نصرت رینا کے ساتھ فتح شاہ کے ایما سے ایک سازش کی، اور ابراہیم کے دونوں لڑکوں ابدال اور فیروز کو گرفتار کر لیا، اس سے ابراہیم اتنا گھبرایا، کہ پونچھ بھاگ گیا، اس کے بعد ملک عثمان وزیر ہوا، اور مملکت عثمان شنکر اور نصرت میں تقسیم ہو گئی،[۱۶]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۴) اس طرح کی موت کی ذمہ داری عیدی رینا پر رکھتے ہیں،

۱۵ بہارستان شاہی ورق ۱۰ب، حیدر ملک ورق ۱۳۱ ب، انڈین انٹی کواری ج ۳۰، ص ۱۹۲

۱۶ بہارستان شاہی ورق ۱۰ ب ۸۲ الف، حیدر ملک ورق ۲۱، ب ۱۳۲ الف،

۱۷ بہارستان شاہی ورق ۸۳ الف ب، حیدر ملک ۱۳۲ الف، پراجیہ بھٹ ص ۴۲-۴۳، ۱۳

ملک میں پانچ مہینے تک امن وسکون رہا، ابراہیم ماگرے اور خاندان چک کے لوگوں نے جو پنجاب میں تھے، اپنے جھگڑے طے کر لیے اور محمد شاہ کو پھر سے تخت نشین کرنے کا فیصلہ کیا، وہ پونچھ سے بارہمولہ آئے، اور سوپور میں آکر جم گئے، اس پر ملک عثمان فتح شاہ کے ساتھ سوپور روانہ ہوا، اور دشمن کی فوجوں کے سامنے ڈٹ گیا، دونوں فوجوں کے درمیان دریائے جہلم حائل تھا، لیکن چونکہ عثمان دریا کو پار کرکے دشمن پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا، اس نے فتح شاہ اور شنکر رینا کو دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے پیچھے چھوڑ دیا، اور خود کو کھویا ٹھوم کے راستہ سے دشمن پر عقب سے حملہ کرنے چلا، لیکن لوہر ماگرے اور رنگی چک کو اس کا پتہ چل گیا، اور انھوں نے اس کو راستہ میں روکنے کی کوشش کی[۲]، ان کو پنشکرناگ[۳] کے گانوں میں شکست ہوئی، اور وہ محمد شاہ کی فوج سے آملے، جب ملک علی سرخیل کو شکست کی خبر ملی، تو وہ ایک چال چلا، اس نے فتح شاہ کے کچھ معتبر آدمیوں کے ذریعہ یہ افواہ پھیلادی کہ ملک عثمان شکست کھاکر مارا گیا، اور

---

[۱] یہ ولر جھیل کے شمالی کنارے پر ایک پرگنہ ہے، تھری وڈ نے اس کا نام کھویا ہرم لکھا ہے،

[۲] بہارستان شاہی ورق ۸۳ ب ۸۴ الف،

[۳] ایضاً ورق ۸۴ الف، حیدر ملک ورق ۱۳۲ الف، پنشکرناگ کا گانوں ۲۴ ۲۳، عرض البلد اور ۷ ۷۴ ۳۳ طول البلد، اسی نام کے پہاڑ کے دامن میں ہے، جو مشرق میں ہے،

محمد شاہ کی فوجیں کل صبح دریا کو پار کر کے فتح شاہ کو گرفتار کریں گی، اس لیے فتح شاہ کو وقت کے اندر پونچھ بھاگ جانا چاہیے، اس کی خبر پاکر فتح خان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور اپنا کچھ سامان چھوڑ کر رات ہی میں توش میدان کے راستہ سے جان بچاکر بھاگ نکلا، فتح شاہ کی بزدلی سے لوہر ماگرے پر ملک عثمان کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی،[۱] اس سے ملک عثمان کی ہمت پست ہو گئی، اور وہ بھاگ نکلا۔ لیکن ابراہیم ماگرے نے اس کا تعاقب کر کے اس کو گرفتار کر لیا، وہ قید خانے میں بھیجدیا گیا، اور وہیں اس کا کام تمام کر دیا گیا،[۲] شنکر اور نصرت نے خود سے آکر اطاعت قبول کر لی، اس لیے انہیں معاف کر دیا گیا،[۳]

محمد شاہ بار سوم ۱۵۱۴-۱۵ء

فتح شاہ کے بھاگ جانے پر محمد شاہ تیسری بار سلطان ہوا، اس نے ابراہیم ماگرے کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا، کیونکہ اس کی کوششوں سے اس کو تخت ملا تھا، اسی درمیان میں فتح شاہ نے کشمیر پر پھر سے حملہ کرنے کا تہیہ کیا، اور اپنی کامیابی کے امکانات معلوم کرنے کے لیے اپنے

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۱۰۴ ب ۱۰۵ الف، بہارستان شاہی میں لکھا ہے کہ فتح شاہ جوہل کے راستہ سے بھاگا تھا، راقم الحروف کو یہ مقام نقشہ میں نہیں مل سکا، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۱۷ الف، توش میدان کا راستہ درج ہے اور شک ص ۲۶۸ پر ہیرا پور کا راستہ لکھا ہے۔ [۲] بہارستان شاہی ورق ۱۰۵ الف، حیدر ملک ورق ۱۳۲ ب، شک نے ص ۲۶۹ پر ملک عثمان کا نام اتس ملک لکھا ہے۔ [۳] نوادر الاخبار ورق ۵۰ ب۔

رہا کے حبیب خان کو بھیجا، حبیب خان سے جہانگیر بدر ملا، اور چک امرا کی حمایت کا وعدہ کیا، جو اُس کی ماں کے رشتہ دار ہوتے تھے[۱] ان یقین دہانیوں کے ساتھ فتح شاہ وادی میں داخل ہوا، بہت سے امرا اس سے آملے، جس میں چک سردار شامل تھے، ان کا سربراہ کاجی چک تھا، اس سے آملے، ان غداریوں کی وجہ سے محمد شاہ اور ابراہیم ماگرے نے اس کا مقابلہ نہیں کیا، اور کشمیر چھوڑ کر پنجاب چلے گئے[۲] اس طرح نو مہینے کے بعد فتح شاہ نے پھر سے تخت حاصل کر لیا،

فتح شاہ بار سوم ۱۵-۱۷ء

اگرچہ فتح شاہ حکمران تھا لیکن اس کی حیثیت برائے نام تھی، اور اصل طاقت امرا کے ہاتھ میں تھی، اس کے علاوہ اس کے وزیر اعظم جہانگیر بدر اور دو سردار دن شنکر رینا اور کاجی چک اس کو صرف شاہی زمینوں کی لگان دیا کرتے تھے، اور بقیہ ساری وادی کو آپس میں بانٹ رکھا تھا[۳]،

۱۵۱۵ء کے موسم خزاں میں محمد شاہ ابراہیم ماگرے کے ساتھ تخت حاصل کرنے کے لیے کشمیر میں داخل ہوا، بانگل میں شاہی فوج سے ان کا مقابلہ ہوا، اس میں ابراہیم ماگرے اور اس کے دونوں لڑکے کام آئے، اور محمد شاہ کسی طرح سے جان بچا کر

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۳۱ ب [۲] ایضاً ورق ۸۵ ب،

[۳] ایضاً حیدر ملک ورق ۱۳۲ ب،

پونچھ بھاگ گیا، دو سال تک اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد سلطان سکندر لودی (۱۴۹۹ یا ۱۵۰۰ء) کے دربار میں مدد کے لیے حاضر ہوا، سلطان اُس سے عزت سے پیش آیا، اور اس کو تین ہزار سپاہی دیئے اُن کو لے کر محمد شاہ کشمیر کی طرف چل پڑا،[1] دنور[2] پہنچنے پر اس کو کاجی چک، شنکر رینا، اور نصرت رینا کی وفاداری اور مدد کا پیغام ملا،[3] کچھ ہی عرصہ کے بعد ان امرا نے فتح شاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور ہیرشین[4] کے قلعہ پر قبضہ کر لیا،[5] فتح شاہ اور جہانگیر پڈر نے ان کا محاصرہ کیا، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، فتح شاہ پنجاب بھاگ گیا،[6] جہاں اگست ۱۵۱۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا، اس کی میت وادی لائی گئی، اور محمد شاہ نے اس کو سلطان زین العابدین کی قبر کے پاس تمام رسوم کے ساتھ دفن کرایا،[7]

محمد شاہ بار چہارم ۱۵۱۷-۱۹ء

اسی درمیان میں فتح شاہ کے اقتدار کے خاتمہ کی خبر سن کر اور اپنے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۳۳، شک صفحہ ۹۵، ۹۴، ۳،
میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۳ الف، اور طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۰، ۴۹۴ پر یہ غلط درج ہے کہ محمد شاہ سکندر لودھی کے دربار میں گیا تھا، طبقات اکبری نے یہ بات میونخ قلمی نسخہ سے لی ہے [2] اسٹائن کے نقشہ میں سکورجوری کے شمال مشرق میں دکھایا گیا ہے، (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج اول ۱۸۹۹ء)، [3] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف، [4] ہیرشین ایک گاؤں ہے جو شوپیان کے جنوب مغرب میں اہبل پر واقع ہے، [5] حیدر ملک ورق ۱۳۳ الف، بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف پر لکھا ہے کہ فتح شاہ کو تخت سے شمس الدین نے ہٹایا، [6] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف، حیدر ملک ورق ۱۳۵ الف، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۴ الف،

حامیوں کی مدد پر یقین کر کے محمد شاہ نے غیر ملکی فوج کو واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ وادی میں ان کی موجودگی سے لوگوں کی مخالفت کا خطرہ تھا، اس کے علاوہ ملک پر اس کا غیر ضروری بوجھ بھی پڑتا، اس نے ہندوستانی فوج کو ڈنوری میں چھوڑ دیا، اور اپنے دو ہزار ساتھیوں کو لے کر کشمیر کی طرف چل پڑا، وہاں پہنچ کر اس نے کاجی چک کو اپنا وزیر بنایا، لیکن شنکر رینا کی طرف سے غداری کا شبہ کر کے قید خانہ میں ڈال دیا[۵۱]،

اس کے بعد ہندوستانی فوج کو واپس کرنے کے لیے وہ ڈنور لوٹا، وہ نوشہرہ تک ان کے ساتھ گیا، اور پھر ان کو خدا حافظ کہا، لیکن موسم سرما شروع ہو جانے کی وجہ سے کشمیر جانے کے تمام راستے برف سے ڈھک گئے تھے، اس لیے اس نے نوشہرہ ہی میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا[۵۲]،

محمد شاہ کی غیر موجودگی میں وادی میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، نصرت رینا شنکر کے قید کیے جانے اور کاجی چک کے وزیر اعلیٰ بنائے جانے پر برہم تھا، اس لیے اس نے لوہر ماگرے کی مدد سے علم بغاوت بلند کیا، دوسری طرف کاجی سے جہانگیر پڈر آکر مل گیا، جو اس کا ابھی تک حریف تھا، اس طرح ہر گروہ آمادۂ پیکار تھا، نصرت رینا اپنی کمزوری محسوس کر کے اپنے آپ کو کاجی چک سے جم کر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں سمجھتا تھا،

---

۵۱ بعد میں شنکر رینا قید خانے میں مار ڈالا گیا، (نوادر الاخبار ورق ۱۶۰ الف) لیکن شک ص ۳۵۵ پر لکھا ہے کہ وہ فطری موت مرا تھا، سنسکرت کی تاریخوں (جین شری نگاری) شنکر رینا کے وہ کوئی دوسرا نہیں ہے،

۵۲ بہارستان شاہی ورق ۸۶ ب، ۸۰ الف حیدر ملک ۱۳۳ الف، ب اور شک ص ۳۵۱۳۵۳،

اس لیے اس نے شبخون مارنے کا ارادہ کیا، لیکن اس کا منصوبہ غلط ثابت ہوا، کیونکہ کاجی کو اس کی خبر لگ گئی، اور وہ مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا، مقابلہ ذیالدگر میں ہوا، کاجی زخمی ہوا، لیکن میدان جنگ میں نصرت کے مارے جانے سے اس کے حامی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس طرح چک فتحیاب ہو گئے، موسم بہار کے ابتدائی دنوں میں سید محمد بیہقی کے لڑکے سید ابراہیم کے ساتھ محمد شاہ کشمیر میں داخل ہوا،[1] کاجی چک اور جہانگیر پدر کی دوستی چند روزہ ثابت ہوئی،

۱۵۲۰ء کے ابتدا میں کاجی چک نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے لڑکے مسعود کو جہانگیر پدر کو گرفتار کرنے کو بھیجا، جو ان دنوں موضع بام پور[2] میں تھا، جہانگیر کو اس کی خبر لگ چکی تھی، وہ دار دو بھاگ کر گدا ے ملک سے مل گیا، مسعود اس کا گھر لوٹ مار کر سری نگر واپس چلا آیا،[3]

دوسرے سال مئی ۱۵۲۱ء میں ایک دوسری بغاوت ہوئی، جس میں ابراہیم ماگرے کے لڑکے ملک ابدال لوہر ماگرے اور عیدی رینا کا ہاتھ تھا، انھوں نے فتح شاہ کے لڑکے سکندر سے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف ب، حیدر ملک ورق ۱۳۴ الف، ۱۳۵ ب، شک ص ۵۲، ۵۳ [2] حیدر ملک ورق ۱۳۵ الف، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۱۹ الف، بام پور سری نگر سے میل جنوب مشرق میں جہلم کے داہنے کنارے پر واقع ہے، اس کا قدیم نام پدم پور تھا، [3] حیدر ملک ورق ۱۳۵ ب، نوادر الاخبار ورق ۷۰ ب، بہارستان شاہی ورق ۸۰ ب پر لکھا ہے کہ جہانگیر بھاگ کر کمراج گیا تھا،

دوستی کی، اور اس کے حکمران ہونے کا اعلان کر کے ناگام کے قلعہ پر قبضہ کر لیا، جہانگیر پڈر اور گدائے ملک جو دارد میں تھے، سکندر کی مدد کو ناگام کی طرف چل پڑے، کاجی چک نے دولت اور مسعود کو انہیں روکنے کے لیے بھیجا، اور خود سکندر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، اس نے لل پورہ[۱] کے مقام پر سکندر کو شکست دی، اور جب شکست کھا کر سکندر ناگام کے قلعہ میں واپس آیا، تو کاجی چک نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اسی درمیان میں دولت چک نے شادی پور کے قریب گدائے ملک پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا،[۲] لیکن جہانگیر پڈر کے خلاف مسعود چک کامیاب نہ ہو سکا، اس کی آنکھ میں تیر لگا، اور اپنے گھوڑے سے گر کر مر گیا،[۳] لیکن اس عارضی پسپائی کے باوجود فتح چکون کی ہوئی، گدائے ملک کے خاتمہ کے بعد دولت شادی پور میں دریا کو پار کر کے سید ابراہیم اور تازی چک سے ملا ملک جنجین کاجی چک نے مسعود کی مدد کے لیے بھیجا تھا، انھوں نے مل کر جہانگیر پڈر کو دریا پار کرنے اور ناگام کے قلعہ میں سکندر سے ملنے سے روک دیا،[۴] اسی درمیان میں سکندر نے کوئی مدد نہ ملنے کی وجہ سے اپنی حالت مخدوش دیکھ کر کاجی سے صلح کی بات چیت شروع کر دی، اور پھر پنجاب بھاگ گیا،

---

[۱] یہ ایک اہم مقام ہے، بڈگام تحصیل میں چرار شریف کے قریب سری نگر سے ۹ میل جنوب میں واقع ہے، یہ چشموں کے لیے مشہور ہے [۲] بہارستان شاہی ورق ۹۶ ب، مورخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۴ الف ب، شک ص ۳۵۵، ۳۵۵ [۳] ایضاً حیدر ملک ورق ۱۳۵ ب،

[۴] بہارستان شاہی ورق ۹۰ ب،

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جہانگیر ڈر بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔[۱] لوہر
ماگرے اور عیدی رینا نے معافی مانگ لی، اور انہیں محمد شاہ نے معاف
کر دیا، کاجی کے بھانجے دولت چک کو جہانگیر اور گدائے ملک کے خلاف
کامیابی حاصل کرنے کے صلہ میں مسعود چک کی جاگیر عطا ہوئی۔[۲]

۱۵۲۲ء میں ماگروں نے پھر حملہ کیا، اور اس مرتبہ وہ فتح شاہ
کے دوسرے لڑکے حبیب خان کو تخت کا دعویدار بنا کر لائے،
لیکن، چونکہ ان کی فوج بہت کم تھی، انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی،
اس کے علاوہ عیدی رینا دشمن سے مل گیا تھا، اس سے ان کی ہمت چھوٹ
گئی، اور وہ وادی سے واپس چلے گئے، راستہ میں حبیب کا انتقال
ہوگیا، اس کی میت سری نگر لاکر اس کے باپ کے بغل میں دفن کر دی
گئی، اس کے فوراً ہی بعد کاجی نے ماگرے سرداروں کو پھر سے
ملاکر، ان کے خاندانوں میں شادی بیاہ کے رشتے قائم کیے۔[۳]

اپنے دشمنوں کو اپنا حامی بنا کے کاجی چک بہت طاقت ور
ہو گیا، اس سے محمد شاہ ناراض ہوا، کیونکہ وہ اپنے کو برائے نام
حکمراں محسوس کرتا تھا، اس نے کچھ اہم امرا، مثلاً ملک ابدال، لوہر
ماگرے، ملک علی چادورا اور رنگی چک کو اپنی طرف ملاکر کاجی کا تختہ
الٹنے کی سازش کی، اس نے شہر چھوڑ دیا، اور کاجی کے چچازاد بھائی،

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۳۶ الف، ۲؎ ایضاً شک ص ۸۵۳،
۳؎ ایضاً ص ۵۲ – ۸۵۳،

نوروز چک کے ساتھ حملہ کی مدافعت کی تیاری کرنے کے لیے لار چلا گیا، لیکن جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی، کیونکہ جب کاجی نے دیکھا، کہ وہی امرا جن پر وہ بھروسہ کرتا تھا، اس کو چھوڑ کر چلے گئے، تو اُس کو بہت دکھ ہوا، اور وہ ۹۲۷ھ میں نوشہرہ چلا گیا۔[۱]

ان واقعات کے فوراً بعد کشمیر کو چک بیگ اور شیخ علی بیگ کے ماتحت مغلوں کی جو فوج تھی اس کے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا جن کو بابر نے سکندر کی مدد کے لیے بھیجا تھا،[۲] کاجی چک کو اس کی خبر ہوئی تو اس کا جذبۂ حب الوطنی ابھر آیا اور حالانکہ اس کو محمد شاہ کا کوئی حکم نہیں ملا تھا، اس نے حملہ آوردں کو پسپا کرنے کی تیاری شروع کر دی، آس پاس سے ایک فوج اکٹھا کی اور تازی چک حسین چک، اور اس کے لڑکے غازی کو جس کی عمر ۱۸ سال کے قریب تھی، ان کے خلاف بھیجا، غازی اور تازی دونوں بہادری سے لڑے، اور نوشہرہ کے قریب حملہ آوروں کو شکست دی، کاجی نے سکندر کو گرفتار کر لیا، کیونکہ اسی نے مغلوں کو آنے کی دعوت دی تھی،[۳]

محمد شاہ کو اس فتح کی خبر ہوئی تو وہ کاجی کا شکر گذار ہوا،

---

[۱] بہارستان شاہی ۱۰۱ الف، حیدر ملک ورق ۱۳۶ الف [۲] بابر نے تزک بابری میں اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۰۷ پر درج ہے کہ سکندر مغلوں کی ایک جمعیت کے ساتھ لوٹا تھا، اور فرشتہ (۲، ۳) رقمطراز ہے کہ مغل بابر ہی کے آدمی تھے، دیکھو مزید بہارستان شاہی ورق ۱۰۱ الف، [۳] بہارستان شاہی ورق ۱۰۱ الف ب، حیدر ملک ورق ۱۳۷ الف، مزید دیکھو نوادر الاخبار ورق ۱۲۱ب ۱۲۲ الف، نصرت کھوکر ورق ۱۳۲ الف، ب،

اور اس سے ماضی کو بھول جانے اور سری نگر واپس آنے کی درخواست کی، چنانچہ کاجی ۱۵۲۷ء میں واپس آیا، اور سکندر کو بھی ساتھ لایا، اور اس کو محمد شاہ کے حوالہ کر دیا، سلطان کے حکم سے سکندر کو اندھا کر دیا گیا، حالانکہ کاجی نے اتنی سخت سزا کی مخالفت کی تھی، کچھ دنوں بعد سکندر قید خانہ میں انتقال کر گیا[1]

محمد شاہ نے کاجی کو پھر اپنا وزیر بنایا لیکن اس سے جاگیرداروں میں رقابت کی دبی ہوئی آگ پھر سے بھڑک اٹھی، ماگروں اور ملک علی چادورا نے محمد شاہ کے خلاف کاجی پر عنایت کرنے کی وجہ سے علم بغاوت بلند کیا، انھوں نے موضع کچھاما[2] میں اپنے آپ کو چند دنوں میں محصور کر لیا، اور دفاع کی تیاری کی، محمد شاہ نے کاجی اور سید ابراہیم کو باغیوں کے خلاف روانہ کیا، ماگروں کی فوج کو شکست فاش ہوئی، اور ملک علی گرفتار ہوا، اور اس کو تاجی چک کے حوالہ کر دیا گیا، جس نے اس کو اسی کے گھر میں مقید کر دیا، لیکن کچھ ہی عرصہ میں وہ تاجی کی مدد سے پنجاب بھاگ نکلا، اس درمیان میں کاجی اور محمد شاہ میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ کاجی نے محمد شاہ کو اس کے لڑکے ابراہیم کے حق میں معزول کر دیا، محمد شاہ اور اس کے ساتھ کچھ

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۹۱ الف، ب میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۰ الف، تشک ص ۳-۶۱-۶۲ [2] یہ بارہ مولہ سے ۵ میل جنوب مغرب میں ہے، اسی جگہ دریائے جہلم وادی سے باہر نکلتا ہے،

امراء کو موضع لدہ[1] میں قید کر دیا گیا،

سلطان ابراہیم شاہ اوّل (۲۹-۱۵۲۸ء) اور نازک شاہ (۳۰-۱۵۲۹ء)

ابراہیم شاہ[2] برائے نام حکمراں تھا، کیونکہ اصل حکومت تو کاجی کے ہاتھ میں تھی، فوراً ہی ملک علی چادورا، ریگی چک اور ماگرے سردار جو جلاوطنی کے دن گذار رہے تھے، نوشہرہ میں اکٹھا ہوئے، اور انھوں نے ابدال ماگرے کو کاجی چک کے خلاف کمک حاصل کرنے کے لیے شہنشاہ بابر کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا، ابدال دہلی کے لیے روانہ ہوا، اور شہنشاہ نے اس کا خیر مقدم بڑی تعظیم کے ساتھ کیا، اور اپنے دو سپہ سالاروں شیخ علی بیگ اور محمد خان کی سرکردگی میں ایک فوج بھی دی[3] اس مغل فوج کو لے کر کشمیری سردار کشمیر پر حملہ کرنے چلے، لیکن یہ سوچ کر کہ کشمیر کے عوام مغلوں کی آمد کو ناپسند کریں گے، ابدال ماگرے نے فتح شاہ کے لڑکے نازک شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا، اس کا نام نادر شاہ تھا،

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۹۲ الف، حیدر ملک (Bibliothèque Nationale) ورق ۳۷، ۱ الف، مزید دیکھو شک ص ۴۶۲ جس نے لدہ کا نام گگد لکھا ہے، لیکن میوہ نخ قلمی نسخہ ورق ۸۶ الف پر لکھا ہے کہ محمد شاہ کو لوہرکوٹ میں قید کیا گیا تھا، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۶۲، میونخ قلمی نسخہ ہی کو مانا ہے [2] ابراہیم شاہ اپنے باپ کے ساتھ ابراہیم لودی کے پاس گیا تھا، محمد شاہ مدد ملنے پر واپس چلا آیا لیکن ابراہیم لودی سلطان کے پاس رہا، پانی پت کی جنگ کے بعد جس میں وہ لودیوں کی طرف بابر کے خلاف لڑا تھا، ابراہیم کشمیر واپس ہوا، (میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵ الف، فرشتہ ورق ۴۷، ۶، شک ص ۳۶۳) [3] بہارستان شاہی ورق ۹۲ الف

۱۵۲۹ء کے موسم بہار کے شروع میں باغی سردار نازک شاہ اور مغل فوج کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوئے، یہ خبر سن کر کاجی چک نے ان کے خلاف فوج کشی کی، اور ان سے تاپر کے مقام پر نبرد آزما ہوا، اگرچہ وہ اور اس کے ساتھی بڑی بہادری سے لڑے لیکن ہار گئے، اس میں بہت سے چک امرا، نازی چک کے ساتھ کام آئے، کاجی بچ کر نمک کے پہاڑ کی طرف بھاگ گیا، اور سید ابراہیم، غازی چک اور دولت چک گرفتار کر لیے گئے، اور محافظ دستہ کی نگرانی میں شہر بھیج دئے گئے، لیکن راستہ میں رات کی تاریکی شروع ہوتے ہی دولت چک ایک کشتی میں بھاگ نکلا، اور قریب ہی پانی میں اپنے سر کو کنول کے پتوں سے ڈھانپ کر چھپا دیا، اس کے محافظوں نے بہت سی کشتیاں لے کر آدھی رات تک اس کی تلاش کی، لیکن اس کا پتہ نہ چلا، جب محافظ چلے گئے، دولت چک نکل کر بھاگا، غازی اور سید ابراہیم حراست میں رہے، اور ان کو لے کر باگرے

(بقیہ حاشیہ ۱۶۷) حیدر ملک ورق ۱۳۷، الف، مونخ قلمی نسخہ ورق ۱۸۵ الف، ب، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۷۰ ب پر درج ہے کہ بابر بادشاہ نے ان کو ۲۰ ہزار کا لشکر دیا، لیکن یہ غلط ہے، شک ص ۳۷۴ پر اس تعداد کو ایک ہزار بتاتا ہے، طبقات اکبری اور فرشتہ نے کوئی تعداد نہیں بتائی ہے، مونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵ الف، شک ص ۳۲۵، حیدر ملک اور بہارستان شاہی میں نازک شاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، فرشتہ نے غلطی سے لکھا ہے کہ نازک شاہ ابراہیم شاہ کا لڑکا تھا، برگس (Briggs) ج ۴ ص ۴۹۱، تاپر ایک اہم گاؤں ہے، جو بارہ مولہ سے سری نگر جانے والی سڑک پر عرض البلد ۱۲، ۳۴ اور طول البلد ۴۳، ۷۴ میں واقع ہے، اس کا قدیم نام پرتاپ پور تھا، (اسٹائن ج ۲ ص ۴۸۲)

اور مغل فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے راجدھانی میں داخل ہوئے [1]

ماگروں کی فتح کے بعد ابراہیم شاہ کو جس کو کاجی نے سلطان بنایا تھا، اور جو اس کی بہن صالح حاجیؒ کا لڑکا تھا، معزول کر دیا گیا، اور اس کی جگہ نازک شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا، نازک شاہ نے راجدھانی نوشہر منتقل کر دی اور کشمیریوں کو جو مغلوں کے مخالف تھے، امن و سلامتی کا یقین دلایا، ابدال ماگرے نے وزیر کا عہدہ سنبھالا [3] لیکن نازک شاہ صرف ایک سال برسر اقتدار رہ سکا [4] کیونکہ محمد شاہ کو جو لڑ میں قید تھا، وہاں سے واپس لا کر ۱۵۳۰ء کے موسم گرما میں پھر سے تخت پر بٹھایا گیا، لیکن وہ صرف نام کا حکمران تھا، کیونکہ اصل طاقت اُن امراء کے ہاتھ میں تھی، جو اس کو واپس لائے تھے، اس کو صرف خاص کے لیے شاہی زمینیں دے دی گئی تھیں۔ اور بقیہ مملکت ابدال

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) (۱) شک ص ۳۷۵ پر جنگ کی نیلہ آشوا بتاتا ہے، اس جگہ کا پتہ نہ چل سکا، لیکن بقول اسٹین ج، نمبر ۱۲۳ احواشی میں یہ ہے کہ یہ مملکت کشمیر کا ایک جزو تھا، فرشتہ اور طبقاتِ اکبری میں اس کا نام سیلاہ لکھا ہے، لیکن در حقیقت یہ نیلا ہے، بہارستان شاہی اور حیدر ملک نے صرف اتنا لکھا ہے کہ جنگ پرگنہ بانگل میں ہوئی تھی، نیلا یقیناً نابر کے قریب واقع ہوگا،

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۸۲ الف وغیرہ، حیدر ملک ورق ۱۳۷ ب ۱۳۸ الف، میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵ الف ۸۶ الف، [2] واقعات کشمیر ورق ۷۲ ب [3] میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۶ الف ب طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۶۲، [4] میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۶ ب

ماگرے، لوہر ماگرے، رینگی چک اور ملک علی چادورا نے آپس میں مساویانہ طور پر تقسیم کر لی تھی[1]

محمد شاہ (بار پنجم) ۹۳۷ھ-۱۵۳۰ء

ان تبدیلیوں کے بعد مغلوں کی فوج کو تحفے تحائف دے کر واپس جانے کو کہا گیا، کیونکہ ان کا مستقل قیام ملک کے لیے سود مند نہ تھا، ان کو نوشہرہ تک لے جاکر چھوڑنے کا کام ملک علی کے سپرد کیا گیا، اس درمیان میں بابر کا انتقال ہو گیا، اور ہمایوں اس کا جانشین ہوا، لاہور واپس آکر مغل سپہ سالاروں نے ہمایوں کے والی پنجاب کامران کو بتایا، کہ آپس کی نااتفاقی کے سبب کشمیر کو فتح کرنا مشکل نہیں ہے[2]، چنانچہ ۱۵۳۱ء میں کامران محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کی معیت میں وادی کی طرف چل پڑا، نوشہرہ پہنچکر کامران خود تو پیچھے رہا، لیکن اپنے دو سپہ سالاروں کو ۳ ہزار گھوڑسواروں کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا[3]، وادی میں کوئی طاقتور حکومت نہ تھی، اور درون کی مناسب حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اس لیے مغل آسانی سے

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۳۰ ب، [2] سیونخ قلمی نسخہ ورق ۸۶ ب، بہارستان شاہی ورق ۹۵ ب حیدر ملک ورق ۱۳۰ ب، بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۲۳، نوادر الاخبار ورق ۴۷ ب پر یہ غلط لکھا ہے، کہ بابر نے کامران کو بھیجا تھا کیونکہ بابر کا انتقال دسمبر ۱۵۳۰ء میں ہو چکا تھا، [3] بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف حیدر ملک ورق ۱۳۰ ب، بہارستان شاہی اور حیدر ملک کی دی ہوئی تاریخ ۱۵۳۰، ۹۳۷ غلط ہے کیونکہ اس حملہ کے وقت بابر بقید حیات نہیں تھا، (دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۲۳) اس لیے حملہ ۱۵۳۱ء میں ہوا ہوگا،

ملک کے اندر داخل ہو گئے، کشمیریوں نے راجدھانی کی طرف پیش قدمی روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے، اور مجبوراً پسپا ہو کر جیراؤدر[1] کے قلعہ میں چلے گئے[2]۔ مغل سری نگر کی طرف بڑھے، اور اس پر قبضہ کر لیا، انھوں نے شہر میں لوٹ مار کی، آگ لگائی، اور ان کشمیریوں کو قتل کر دیا، جو پہاڑیوں سے اُن سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے[3]۔ اس کے بعد وہ جیراؤدر کے قلعہ کی طرف بڑھے، اور اس پر بھی قبضہ کر لیا، کشمیری فوجیں لڑے بغیر، اٹھواجن کی طرف چلی گئیں[4]، کامران نے جو ابھی تک نوشہرہ میں تھا، ان فتوحات کی خبر سنی تو یہ یقین کر کے کہ کشمیر اب فتح ہو گیا، اور کوئی مزید جنگ نہیں ہوگی وہ لاہور چلا گیا[5]۔

پہلے تو کشمیری امرا نے سوچا تھا، کہ کاجی چک مغلوں کا حامی ہے، لیکن یہ جان کر کہ وہ غیر جانبدار ہے، انھوں نے اس سے ملک کے مفاد اور اس کو بیرونی قبضہ سے بچانے کی خاطر نمک کے پہاڑ سے واپس آنے کی درخواست کی، جہاں وہ ان دنوں مقیم تھا، اس درخواست پر کاجی فوراً ہی وادی کی طرف روانہ ہوا، اور کشمیری فوجوں سے اٹھواجن میں ملا[6]، اس کی آمد سے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۹۰ الف جیراؤدر ایک کریوہ ہے، جو شوپیاں جانے والی سڑک پر سری نگر سے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ [2] تنک ص ۳۷۰، طبقات اکبری ج ۳ ورق ۴۶۳۔ [3] یہ جہلم کے داہنے کنارے پر تخت سلیمان کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گانوں ہے، [4] بہارستان شاہی ورق ۹۷ الف، ب حیدر ملک ورق ۱۳۹ الف، [5] مورخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ الف طبقات اکبری ج ۳ ص ۴-۴۶۳، نوادر الاخبار ورق ۱۲۵ الف، ب،

اُن کا جوش اور ولولہ بڑھا، اور جب مغلوں نے اٹھو اجن میں ان پر حملہ کیا، تو انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور ان کو شکست دیدی، اس کامیابی سے کشمیریوں کی ہمت بڑھی اور انھوں نے تخت سلیمان پر اپنے قدم جما لیے، اور وہاں سے شہر میں دشمن پر حملہ کرنا شروع کر دیا، مغلوں نے کچھ عرصہ تو مقابلہ کیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کو صلح کی بات چیت کرنی پڑی[۵]، دریائے جہلم پر ایک کشتی میں کاجی چک اور محرم بیگ کے درمیان ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوئی، مغل کشمیر چھوڑنے پر رضامند ہو گئے، ان کو تحفے تحائف ملے، اور کچھ دن کے بعد وہ بارہ مولہ کے راستہ لاہور چلے گئے، دولت چک اور جہانگیر ماگرے ان کو پکھلی تک چھوڑنے کو گئے[۶]،

مغلوں کے چلے جانے کے بعد امرار نے وادی کو شاہی زمین اور سید ابراہیم کی جاگیر کو چھوڑ کر پانچ حصوں میں تقسیم کر لیا، ابدال ماگرے بدستور وزیر رہا، لوہر ماگرے کاجی چک اور ملک علی جادورا کو ایک ایک حصہ ملا[۷]،

---

۵ بہارستان شاہی ورق ۹۶ ب، حیدر ملک ورق ۱۳۶ الف

۶ بہارستان شاہی ورق ۹۷ الف، ٹنک نے حملہ کا بہت مختصر ذکر کیا ہے،

۷ بہارستان شاہی ورق ۹۷ ب،

لیکن مغلون کے حملہ سے ابھی کشمیر نے مشکل سے نجات پائی تھی، کہ ایک سال کے اندر ان پر دوسرا حملہ ہو گیا، اس بار یہ حملہ کاشغر سے شمال مشرق کی جانب سے ہوا تھا، جس کا سربراہ مرزا حیدر دوغلت تھا،

ساتواں باب (۷)

مرزا حیدر دُغلت کی فتحِ کشمیر

مرزا محمد حیدر دُغلت ۱۴۹۹-۱۵۰۰ءمیں صوبہ شاش کے صدر مقام تاشقند میں پیدا ہوا، جہان اس کا باپ والی تھا، وہ قبیلہ دُغلت سے تھا، یہ قبیلہ منگولوں کی چغتائی شاخ سے تھا، اپنی ماں کی طرف سے وہ بابر کا رشتہ دار ہوتا تھا، بابر کی ماں اور اس کی ماں سگی بہنیں تھیں۔

مرزا حیدر کا باپ چالباز اور سازشی تھا، اور اسی وجہ سے ازبک سردار شیبانی خان نے اس کو ہرات میں قتل کروادیا، مرزا حیدر اپنے باپ کے ساتھ تھا، اس کے کچھ رشتہ دار اُس کی زندگی کو خطرہ میں دیکھ کر اس کو بخارا لے گئے۔ بخارا سے اس کو بدخشان لے جایا گیا، اور پھر ایک سال کے بعد اس کو کابل لایا گیا، جہان وہ دو سال تک بابر کے ہم رکاب لڑائیوں میں رہا، پھر ۱۵۱۴ء کے شروع میں اس کے چچا مغلستان کے خان سلطان احمد نے اپنے پاس بلا لیا، تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان احمد کا انتقال ہوگیا، اور مرزا حیدر

نے خان کے لڑکے سلطان سعید خان کی ملازمت کر لی، اور اس کے ساتھ ۱۹ سال تک رہا[1]

سلطان سعید کرغیزوں، ازبکوں اور دوسرے قبائل کے خلاف لڑا، تو مرزا حیدر اس کے ساتھ شریک رہا، اور دور دراز مہموں پر بھی گیا، لیکن ان تمام لڑائیوں میں سب سے اہم وہ لڑائی تھی جس میں سلطان سعید کے لڑکے کے ساتھ اس کو لداخ فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، اس سے پہلے بھی سلطان سعید کئی بار حملہ کرنے کے لیے لداخ پر فوج کشی کر چکا تھا[2]

اس مہم کے لیے مرزا حیدر جولائی ۱۵۳۳ء میں نکلا، اس نے لداخ کے صوبہ نبرا پر قبضہ کیا، اور لہیہ کے قریب ماریول کی طرف پیش قدمی کی، اسی اثنا میں سخت سردی کا موسم شروع ہو گیا، اور چونکہ لداخ میں سردی سے بچنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں تھی، اس لیے کشمیر میں جا کر پناہ لی، اس وقت مرزا حیدر کو معلوم ہوا کہ خان ماریول کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، اور اس کو دم گیر کا عارضہ ہو گیا ہے، چنانچہ مرزا حیدر اپنی فوج کو چھوڑ کر اس سے ملنے گیا، اور پھر دونوں ایک ساتھ نبرا میں داخل ہوئے، مرزا حیدر نے بتایا کہ لداخ میں کوئی بھی ضلع ایسا نہیں ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ لشکری سردی میں سر چھپا سکیں، دوسری طرف کشمیر میں اس سے کہیں

[1] مرزا حیدر کی زندگی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو تاریخ رشیدی، دیباچہ ۲-۱۰۷ [2] ایضاً ص ۴۰۳، ۴۱۷

فوج بھی رہ سکتی تھی، لیکن چونکہ خان عارضہ کی وجہ سے کشمیر میں جانے والے اونچے دروں کو پار کرنے کے لائق نہ تھا، اس لیئے اس کو مشورہ دیا گیا، کہ ایک ہزار لشکریوں کے ساتھ بلتستان چلا جائے، جہاں پہنچنا آسان تھا، اور دم گیر کا عارضہ ہونے کا کوئی خطرہ بھی نہیں تھا، بقیہ فوج کو مرزا کی رائے کے مطابق کشمیر میں اس کی کمان میں رہنے دیا جائے۔[1]

اس وقت منگولوں کی فوج کی کل تعداد پانچ ہزار تھی، اس میں تین ہزار خان اور دو ہزار مرزا حیدر کی فوج تھی، مرزا حیدر کے مشورہ سے خان ایک ہزار فوج لے کر بلتستان کی طرف روانہ ہوا، اور اس کی دو ہزار فوج لے کر اپنے دو ہزار لشکر سے جا ملا، اور پھر کشمیر کی طرف روانہ ہوا،[2] راستہ میں لداخی سرداروں نے اطاعت قبول کر لی، اور اس کی فوج میں مل گئے، اور کشمیر کے گاؤں میں رہنے والے ملتجی تھی اس کے رہنما ہوئے، مرزا حیدر نے زوجی لا کو پار کیا، اور جنوری ۱۵۳۳ء کے شروع میں کشمیر میں داخل ہوا،[3] پھر اس نے چار سو تجربہ کار سپاہیوں

---

[1] تاریخ رشیدی (نسخہ قلمی) ج ۲ ورق پر ختم ذی الحجہ ۹۳۸ھ مطابق ختم جولائی ۱۵۳۲ء ۔۔۔۔ ہے لیکن تاریخ رشیدی (ترجمہ) میں ص ۴۱۷ پر صرف ذی الحجہ ۹۳۸ھ ہے

[2] تاریخ رشیدی .... ص ۴۲۱ حیدر ملک ورق ۱۳۶ الف کے مطابق مرزا حیدر کے پاس ۱۴ ہزار سوار اور ۲۰ ہزار پیدل سپاہ تھی، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۶۴ اور فرشتہ ص ۶۴۰، اور میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۸ ب کے مطابق اس کے پاس ۱۲ ہزار سپاہی تھے،

[3] تاریخ رشیدی ص ۴۲۳، بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز ج ص ۹۹۸

کو طومان بہادر قابوچی کی کمان میں کشمیری فوج کے خلاف بھیجا، جو مقابلہ کے لیے لار[۲] کے تنگ راستہ کے پاس جمع ہو گئی تھی، انھوں نے تنگ راستہ کے اوپری حصہ میں چوکی جمائے ہوئے کشمیریوں پر صبح کے وقت دھاوا بول دیا، کشمیری اچانک حملہ سے گھبرا گئے، اور بھاگ کھڑے ہوئے، اور منگولوں نے ان کا پیچھا کیا، جب اصل فوج نے یہ ماجرا دیکھا، تو اس کے بھی پاؤں اکھڑ گئے، اسی درمیان میں حیدر کی بقیہ فوج بھی آگئی، اور کشمیری فوج کا پیچھا کرنے میں شامل ہو گئی[۳] کشمیریوں نے پانچک کے قلعہ میں بھاگ کر پناہ لی[۴]

لار کے تنگ راستہ کو پار کر کے مغل نوشہرہ کی طرف بڑھے، اور اس پر انھوں نے کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا، مرزا حیدر زین العابدین کے راجدان کے محل میں مقیم ہوا، اور اس کو قلعہ کی طرح استعمال کیا[۵] وہاں چوبیس (۲۴) روز قیام کرنے کے بعد اس نے مراج کی طرف قدم بڑھائے، اس کے ساتھیوں نے گاؤں اور قصبوں میں آگ لگا دی،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵) کے مطابق مرزا حیدر کشمیر میں ۲۰ر جمادی الثانی ۹۳۹ھ مطابق ۲۶ر دسمبر ۱۵۳۲ء کو داخل ہوا، لیکن چونکہ ار جمادی الثانی ۹۳۹ھ ۲۹ر دسمبر ۱۵۳۲ء کو پڑتی ہے، مرزا نے جنوری ۱۵۳۳ء کے شروع میں کشمیر پر حملہ کیا ہوگا، اکبر نامہ ج ا ص ۴۴۴ میں ۴ر شعبان ۹۳۲ھ مطابق ار مارچ ۱۵۳۳ء کی تاریخ درج ہے، یہ غلط ہے[۱] تاریخ رشیدی (قلمی نسخہ) ج ۲ ورق ۴۱۹ اب لیکن تاریخ رشیدی ص ۴۴۳ پر کلوچی درج ہے، [۲] یہ تنگ راستہ گگن گیر کے گاؤں سے ۳ میل اوپر ہے، [۳] تاریخ رشیدی ص ۴۴۲-۴۴۳، [۴] یہ سری نگر سے ۴۴ میل مغرب میں عرض البلد ۳۴ء۵ اور طول البلد ۷۴ء۴ میں ایک گاؤں ہے، [۵] تاریخ رشیدی ص ۴۴۳،

اور ملک کے سابق حکمرانوں کی بنوائی ہوئی بڑی بڑی عمارتوں کو برباد کر دیا،[1] مردوں کا قتل عام کیا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا، مسلموں اور غیر مسلموں میں کوئی امتیاز نہیں کیا، اور سبھی کو ان کے ہاتھوں یکساں مصیبت اٹھانی پڑی، ان سفاکیوں کی وجہ سے ملک کے بہت سے باشندے وادی کو چھوڑ کر حفاظت کے خیال سے پہاڑوں میں جا چھپے،[2]

جنوری سے مارچ ۱۵۳۳ء تک مرزا حیدر کی فوجیں ظلم و ستم ڈھاتی[3] رہیں، اسی درمیان میں کشمیری حملہ آور شکست کے پہلے دھکے سے سنبھل چکے تھے، ان کے اندر علمار نے نئی روح پھونکی، اور انھوں نے ولر جھیل کے جزیرہ کی پناہ گاہ سے یہ اعلان کر دیا، کہ حملہ آوروں کو مارنے کی صرف اجازت ہی نہیں، بلکہ یہ ہر کشمیری کا فریضہ بھی ہے اور جو ان سے لڑتا ہوا مارا جائے گا، شہید ہوگا،[3] اس اعلان سے کشمیری موثر اقدام کے لیے تیار ہو گیے، اور انھوں نے مدافعت شروع کی، وہ مغل فوج کے پیچھے پڑ گیے، اور ان کے جھنڈ کے جھنڈ کاٹ ڈالے، اور ان کے سامان کو چھین کر ان کو آگے بڑھنے سے روکا، مرزا حیدر دشمن سے بچنا چاہتا تھا، لیکن موسم بہار کی ابتدا میں اس کی فوج کو

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۹۸ الف، مورخ قلمی نسخہ ورق ۷۰ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۴، [2] بہارستان شاہی ورق ۹۸ الف، مزید دیکھو شک ص ۱۷۰، [3] بہارستان شاہی ورق ۹۸ ب و ۹۹ الف،

باغ بون میں دشمن کا سامنا کرنا پڑا[1]، اس کا سپہ سالار بابا شرق مرزا ۵۰۰ سوار لے کر علی چادورہ سے نبرد آزما ہوا، لیکن اس کو زخمی ہو کر بھاگنا پڑا، اس کو دیکھ کر دائم علی دائیں طرف سے اور مرزا حیدر بائیں طرف سے ایک ہزار سواروں سے حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے، کشمیری بڑی دلیری سے لڑے، لیکن ملک علی چادورا اور بعض دوسرے سرداروں کے مارے جانے کے بعد ان کی ہمت ٹوٹ گئی، اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے[2]،

اس شکست سے کشمیریوں نے ہمت نہیں ہاری، اور کاجی چک اور ابدال ماگرے کی قیادت میں پھر سے مدافعت کی تیاری شروع کی، انھوں نے میدان میں جم کر لڑائی لڑنے سے احتراز کیا، اور اس کے بجائے پہاڑوں سے اتر کر اچانک حملہ کر کے مغلوں کو ہراساں و پریشان کرنا شروع کیا، تدبیرین کامیاب رہیں، کیونکہ اس سے مرزا حیدر اور اس کے ساتھی عاجز آ گیے[3]،

ان باتوں سے گھبرا کر مرزا حیدر نے اپنے افسروں سے مشورہ

---

[1] تاریخ رشیدی (قلمی نسخہ) ج ۳ ورق ۱۲ ب، باغ بون مارتنڈ کی سطح مرتفع پہ واقع تھا، بون کا گاؤں جس میں ایک خوشنما چشمہ ہے، لیدر کے بائیں کنارے پر واقع ہے، یہ ۶ھ ۳۳ ۳۳ عرض البلد اور ۵۰ ۱۰ طول البلد میں ہے، اس سطح مرتفع کو فارسی تاریخوں میں صحرائے بابل کہا جاتا ہے، تاریخ رشیدی ص ۴۳۸ ۴۸ مترجمہ راس اس کو غلطی سے باغ نوین لکھا ہے۔ [2] بہارستان شاہی ورق ۹۹ ب ۱۰۰ اب، حیدر ملک ورق ۱۴۰ الف ۱۴۱ ب ہیو نخ، قلمی نسخہ ورق ۱۸۸ الف، [3] بہارستان شاہی ورق ۱۰۱ الف اب،

کیا، دائم علی نے ان کشمیری سرداروں پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، جو پہاڑوں پر قدم جمائے ہوئے تھے، اور وہاں سے مغلوں کو پریشان کرنے کے لیے حملہ کرتے رہتے تھے، لیکن ایک دوسرے امیر مرزا علی تغائی نے اس مشورہ کی مخالفت کی، کیونکہ کشمیریوں کی حیثیت مستحکم ہو چکی تھی، اُوان کے خلاف پیش قدمی کرنا مغلوں کی تباہی کے مترادف ہوتا، اس کا مشورہ تھا، کہ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ وادی میں ان کے خاندانوں پر حملہ کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے خاندان وادی میں رہ گیے ہیں، وہ ان کو بچانے کے لیے ضرور پہاڑ سے نیچے اتریں گے، اور جن کے خاندان پہاڑوں پر ہیں، وہ وہیں رہیں گے، اس طرح دشمن کی طاقت تقسیم ہو جائے گی، اور ان پر آسانی سے غلبہ حاصل کیا جا سکے گا، مرزا حیدر نے علی تغائی کے مشورہ پر عمل کیا، اور دائم علی کی رائے کو رد کر دیا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک کشمیری اس کا تعاقب کرتے رہے، آخر کار اس نے جادورا میں جا کر قیام کیا[1]

اسی درمیان میں علی تغائی نے یہ مشورہ دینا شروع کیا، کہ کشمیر کی تسخیر ناممکن ہے، اس لیے مغلوں کو یہاں سے واپس چلا جانا چاہیے، سپاہی مسلسل جنگ سے تھک گیے تھے، اور گھر واپس چلنے کے آرزومند تھے، وہ اس بات کے لیے رضامند کیے گیے، مرزا حیدر اگر چاہتا تو

---

[1] تاریخ رشیدی (قلمی نسخہ) ج ۳ ورق ۲۲ الف، ترجمہ جدورا لکھا ہے، جو غلط ہے،

دایم علی کے مشورہ کے مطابق علی تغائی کو اس معاملہ میں سازش کرنے کی وجہ سے قتل کرکے تسخیر کشمیر کو مکمل کر سکتا تھا، لیکن اس نے ملک کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا، اور کشمیری امراء سے صلح کی بات چیت کرنی چاہی[۳] اور یہ طے پایا کہ سعید خان[۲] کے نام سے خطبہ پڑھا جائے، محمد شاہ کے بھائی کی لڑکی کی شادی شہزادہ سکندر سلطان[۳] سے ہو، سعید خان کو تحفے تحائف دیے جائیں۔ کشمیری جو مغلوں کی قید میں تھے۔ چھوڑ دیے جائیں[۴] اور اس کے بدلے میں مغل محمد شاہ[۵] کو اونی کپڑے اور دوسری چیزیں تحفے میں دیں، اس صلح نامہ کو مکمل کرکے مرزا حیدر رمئی ۱۵۳۳ء کے آخر میں جس راستے سے کشمیر آیا تھا، اسی راستہ سے واپس چلا گیا[۶]

مغلوں کی واپسی کے بعد کشمیر میں سخت قحط پڑا، کیونکہ مستقل جنگ کی وجہ سے اور مغلوں کی لائی ہوئی بربادی سے کچھ زیادہ کاشت نہ ہو پائی تھی، خوش قسمتی سے یہ قحط صرف ایک ہی سال رہا،

[۱] تاریخ رشیدی ص ۴۴۱-۴۳۹، [۲] ایضاً،

[۳] ایضاً بہارستان شاہی ورق ۱۰۱ ب،

[۴] تاریخ قلمی نسخہ ورق ۱۰۹ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۶۵،

[۵] ایضاً مزید دیکھو شک ص ۳۷۳ برائے شرائط صلح،

[۶] تاریخ رشیدی ص ۴۴۳، ایس او ایس بلیٹن ج، ص ۱۰۰۹ شک ۳۷۳

[۷] بہارستان شاہی ورق ۱۰۲ الف ب، شک ص ۳۷۴-۳۷۳،

اور اس عرصہ میں امرا متحد رہے، اور عوام کی فاقہ مستی اور قحط کی پریشانیوں میں خانہ جنگی کی وجہ سے اضافہ نہیں ہوا، ملک میں تین سال تک مکمل امن وامان رہا[1]،

سلطان شمس الدین (۱۵۳۷-۴۰ء)

۱۵۳۷ء کے تقریباً وسط میں محمد شاہ کا انتقال ہوگیا، اور اس کی جگہ اس کا دوسرا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا[2]، کچھ ہی عرصہ کے بعد خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھی، کاجی چک جو زین پور میں اپنی جاگیر میں تھا، اپنے ساتھیوں کو لے کر ماگردن اور ریگی چک پر حملہ کرنے کے لیے چلا، لیکن موخرالذکر، اس کی آمد کی خبر سن کر بارہ مولہ کی طرف ہٹ کر چلا گیا، کاجی چک نے اس کا تعاقب کیا، لیکن چونکہ دولت چک اور دوسرے سردار جو اس کے حامی تھے، دشمن سے مل گئے، اس لیے ریگی چک پنجاب کی طرف روانہ ہوگیا[3]،

۱۵۳۹ء کے موسم بہار کے شروع میں ریگی چک جموں کے حکمراں کی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے گیا، اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کاجی چک گکھر قبیلہ کی مدد سے ماگرے کی جماعت بندی کا خاتمہ کرنے کے لیے وادی میں واپس لوٹ آیا، وہ

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۲ الف، ب، [2] ایضاً شک ص ۵، ۳

[3] بہارستان شاہی ورق ۱۰۲ ب،

[4] بہارستان شاہی (برٹش میوزیم) ورق ۷۷ الف،

گیسوٹ کے گانوں میں خیمہ زن ہوا، اور پھر وہاں سے سوپور کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لیے بڑھا، جہاں ابدال ماگرے، لوہر ماگرے، اور جادو را کے سرداروں نے اپنے آپ کو بند کر رکھا تھا، کیونکہ ریگی چک کی مدد کے بغیر وہ اپنے آپ کو کاجی چک سے دو بدو لڑنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے، ابھی محاصرہ جاری تھا کہ ریگی چک جموں سے واپس آگیا، کاجی نے دولت چک، غازی خان اور سید ابراہیم کو قلعہ کی ناکہ بندی جاری رکھنے کے لیے چھوڑ دیا، اور خود ایک بڑا لشکر لے کر ریگی کے خلاف چل پڑا، جو سری نگر پہنچ چکا تھا، ریگی نے علاء الدین پور میں مدافعت کی تیاری کی، لیکن سخت جنگ کے بعد اس کو شکست ہوئی، اس درمیان میں ماگروں نے یہ سن کر کہ کاجی شہر کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، سوپور سے کوچ کر دیا، لیکن ان پر کاجی کے پیچھے چھوڑی ہوئی فوج نے حملہ کر کے ان کو شکست فاش دے دی، ماگرے سرداروں نے اپنی فوج کو پھر سے منظم کرنا چاہا، لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے، اور رجوری کی طرف فرار ہو گئے،

ابدال ماگرے کے زوال کے بعد کاجی چک وزیر اعظم بنا، کچھ ہی عرصہ کے بعد شمس الدین خان کا انتقال ہو گیا، اس نے محمد شاہ کے دوسرے لڑکے اسمٰعیل کو جو اس کا داماد بھی تھا، تخت پر بٹھایا،

لہ ناگام کے جنوب مشرق میں ایک گانوں ہے،

کہ بہارستان شاہی ورق ۱۰۳ الف وغیرہ، حیدر ملک ورق ۱۴۲ وغیرہ

کاجی نے اپنی محبت اور قابلیت سے ملک پر انصاف سے حکمرانی کی، اس نے کسانوں کی فلاح وبہبود کے کام کیئے، اور امرا سے اچھا برتاؤ کیا، لیکن اس کے باوجود امرائے اس کے قتل کرنے کی سازش کی، لیکن ان کی چال کا پتہ چل گیا، اور ان کو گرفتار کر لیا گیا، کچھ عرصہ کے بعد کاجی نے ان کو آزاد کر کے ان کی ضبط شدہ جائدادوں کو واگزار کر دیا[1]، اس کے بعد اس نے مملکت کو اپنے اور سید ابراہیم اور سلطان اسماعیل شاہ کے درمیان تین برابر حصوں میں تقسیم کر دیا، لیکن کاجی زیادہ عرصہ تک برسر اقتدار نہ رہ سکا، کیونکہ کشمیر کو مغلوں سے ایک نئے حملہ کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا،

مرزا حیدر کی تسخیر کشمیر

کشمیر سے واپسی کے بعد مرزا حیدر تبت اور لداخ میں برسرپیکار رہا، اسی اثنا میں اس کو سلطان سعید کے انتقال اور اس کے لڑکے رشید سلطان کی جانشینی کی خبر ملی، رشید سلطان نے اپنے اقتدار کی ابتدا اُن تمام لوگوں کے قتل سے کی، جن پر اس کو اپنے بھائی سکندر کے ساتھ مل کر سازش کرنے کا شبہ تھا، مرزا حیدر بھی شہزادے کے دوستوں میں شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اس کو رشید سلطان کی ناراضگی کا خطرہ تھا، اس نے کاشغر لوٹنے اور جنگ جاری رکھنے کا خیال ترک کر دیا، لداخ کو خیرباد کہا اور بڑے مشکل سفر کے بعد بدخشان

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۴۴ اب

پہنچا[1]، وہاں سے لاہور کے لیے کوچ کیا، اور کچھ دن کامراں کی ملازمت میں رہا، پھر وہ ہمایوں کا ملازم ہوا، ہمایوں اس سے عزت سے پیش آیا، اور مغل آداب کے مطابق اس کو بھائی کہا[2]

لاہور میں مرزا حیدر کو ابدال ماگرے اور رنگی چک کی طرف سے خواجہ حاجی کے ذریعہ کاجی چک کے خلاف مدد کرنے کی درخواست ملی تھی[3]، خواجہ حاجی مغل دربار میں ان کی طرف سے سفیر تھا، مرزا حیدر ان کی مدد کرنا چاہتا تھا، اور کامران سے ان کی وکالت بھی کرتا رہا، لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، جب کامران اپنے بھائی ہندال کی بغاوت فرد کرنے کے لیے گیا، تو مرزا حیدر بھی اس کے ساتھ آگرہ گیا، اور وہاں اس نے ایک فوج تیار کی[4]، یہ فوج کامراں کے ایک اچھے افسر[5] بابا جچک کے سپرد کر دی گئی، اور اس کو خواجہ حاجی کے ساتھ چلنے کی ہدایت دی گئی، لیکن چونکہ بابا جچک نہ تو ہمت ور تھا، اور نہ اس کے پاس نئے کام کرنے کا حوصلہ تھا، وہ لاہور سے آگے نہ بڑھ سکا، اور بہانہ ڈھونڈ کر پیش قدمی کرنے سے ٹال مٹول کرتا رہا، اور جب اس کو گنگا کے کنارے

---

[1] تاریخ رشیدی ص ۴۷۰ وغیرہ [2] ایضاً

[3] ایضاً ص ۴۸۱، اکبرنامہ ج ا میں یہ غلط لکھا ہے کہ کشمیری سردار رجوری سے لاہور آئے تھے [4] تاریخ رشیدی ص ۴۸۲، اکبرنامہ ج ا ص ۳۵۹،

[5] آئین اکبری ج ا ص ۳۵۹،

قنوج میں شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کی شکست کی خبر ملی، (۱۷ مئی ۱۵۴۰ء)
تو اُس نے حملہ کا خیال ترک کر دیا،[1]

ہمایوں کی پسپائی کے بعد جب مغل قنوج سے لاہور واپس آئے، تو ابدال ماگرے اور ریگی چک نے خواجہ حاجی کے ذریعہ ایک بار پھر مدد مانگی، اور مرزا حیدر کو کشمیر کے آسانی سے فتح ہو جانے، کا یقین دلایا، اور اس فتح کے فوائد بھی بتائے،[2] اس وقت مغل امرا، ہمایوں کے ساتھ مل کر اپنی اپنی حکمت عملی بنانے میں مشغول تھے مرزا حیدر نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اس کو کشمیر پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ اپنے ذاتی تجربہ اور ابدال اور ریگی کی یقین دہانی پر اس کو گمان تھا کہ کشمیر پر دو مہینے کے اندر قبضہ ہو جائے گا، وادی کی فتح کے بعد مغل اپنے خاندان اور مال و اسباب کو وہاں حفاظت کے خیال سے بھیج دیں، اور وہ خود سرہند سے نمک کے پہاڑ تک پھیلی ہوئی، بردنی پہاڑیوں میں مستحکم فوجی اڈے بنائیں، یہ بڑی محفوظ جگہ ہوگی، کیونکہ راستہ کی دشواریوں کی وجہ سے شیر شاہ اپنی پیدل سپاہ وہاں نہیں لا سکے گا،[3] مرزا حیدر اور مغل امرا نے عام طور پر اس تجویز کو منظور کر لیا،

---

[1] تاریخ رشیدی ص ۴۸۲، اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۵۹، [2] تاریخ رشیدی ص ۴۸۲، اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۶۰، بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف، راس (Ross) اپنے ترجمہ میں ریگی چک کو غلطی سے زنگی چک بتاتا ہے، حالانکہ تاریخ رشیدی (قلمی نسخہ) ج ۳ ورق ۵۰ الف میں ریگی چک درج ہے،
[3] تاریخ رشیدی ص ۴۸۰-۴۷۵،

لیکن کامران نے اس کو رد کر دیا، اور یہ مشورہ دیا، کہ عورتیں مال و اسباب کے ساتھ کابل بھیج دی جائیں، اور مرد پہاڑیوں میں مقیم رہیں، یا کشمیر چلے جائیں، اس درمیان میں یہ اطلاع ملی کہ شیر شاہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچ گیا ہے، اس کی وجہ سے مغلوں میں سراسیمگی پھیل گئی، ہمایوں کے مشورہ طلب کرنے پر مرزا حیدر نے کشمیر پر حملہ کی دوبارہ رائے دی، ہمایوں راضی ہوگیا، اور اس کو ۴۰۰ آدمی دے کر نوشہرہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دیدی، مرزا حیدر کو یقین تھا، کہ کشمیری امراء اس سے آملیں گے، اور پڑہ دس کا جاگیر دار سکندر توپچی اس کی مدد کو آئے گا، اور اس کو بھی یہ اندازہ تھا، کہ وہ جب درہ کے پاس پہنچے گا، تو ہمایوں کا ایک بڑا افسر خواجہ کلاں نوشہرہ میں داخل ہوگا، اور جب وہ خود کشمیر میں داخل ہوگا تو خواجہ کلاں درہ کے دامن کی طرف پیش قدمی کرے گا، اس کے بعد ہمایوں وادی کی طرف بڑھے گا، [۱]

اس منصوبہ کے مطابق مرزا نے نوشہرہ کی طرف کوچ کیا، اور اس سے ابدال اور ریگی ملے، لیکن نہ تو سکندر توپچی اور نہ خواجہ کلاں ہی اس کی مدد کو آگے بڑھے، [۲] واقعہ تو یوں ہے کہ جب ہمایوں نے اکتوبر ۱۵۴۰ء کے اختتام پر کشمیر جانے کے خیال سے لاہور سے سیالکوٹ کی طرف پیش قدمی کی تو انھوں نے اس کی بھی کوئی مدد نہیں کی، خواجہ کلاں سیالکوٹ

---

۱ تاریخ رشیدی ص ۳۸۴ اکبر نامہ ج ۱ ص ۳۷۰، ۲ تاریخ رشیدی ص ۳۸۴،

سے چلا گیا، اور بہرا کے مقام پر کامران سے جا ملا، اور سکندر تو بھی لاہور کے قریب شیر شاہ کی آمد کی خبر سے خوف زدہ ہو کر سارنگ[۲] کی پہاڑیوں میں جا چھپا، ہمایوں کو اپنے افسروں کے بزدلانہ اور عیارانہ برتاؤ سے بہت تکلیف ہوئی، اس نے کشمیر جانے کا خیال ترک کر دیا، اور مغرب کی طرف رخ کیا[۳]، اب مرزا حیدر کے پاس تھوڑے سے ذاتی تنخواہ دار اور لاہور میں ہمایوں کے دیئے ہوئے ۴۰۰ آدمی رہ گئے تھے[۴]، لیکن اس کی ہمت پست نہیں ہوئی، کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ اس چھوٹی سی فوج سے بھی وہ کشمیر کو فتح کرے گا، کیونکہ کشمیریوں میں آپس میں ناچاقی تھی،

مرزا حیدر راجوری تک پہنچا تو ابدال اور ریگی اس سے جا ملے، اس کی خبر پا کر کاجی چک فوراً درہ کپرتل[۵] کی طرف مرزا حیدر کو روکنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن مرزا حیدر نے اس راستہ کو ترک کر دیا، اور ۲۲ نومبر ۱۵۴۰ء کو درہ پونچھ سے کشمیر میں داخل ہوا[۶]، حالات کا پانسہ پلٹنے سے

---

[۱] اکبر نامہ جلد ۱ ص ۴۰۲، ہمایوں، از برجی ج ۲ ص ۱۷ [۲] یہ کشمیر کے جنوب مغرب میں گکھریا واقع ہیں یہ دریائے سندھ کے کنارے ہے، شمال ایک پہاڑ سے کشمیر کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے (انڈین امپیریل گزیٹیر ج ۲۲ ص ۱۸) [۳] اکبر نامہ ج ۱ ص ۴۰۰ ”ہمایوں“، از برجی ج ۲ ص ۱۳، [۴] اکبر نامہ ج ۱ ص ۴۰۲

[۵] درہ کپرتل یا کندل، راجوری سے ۹ میل مشرق میں ہے، یہ میرا پور کے راستہ میں ہے، کپرتل کا دوسرا مترادف کرن بل ہے، (دیکھو اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۴۷ حاشیہ ۳) [۶] تاریخ رشیدی ص ۴۸۵، اکبر نامہ ج ۱ ص ۴۰۲، بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف پر ۲ رجب ۹۴۷ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۵۴۰ء لکھا ہے، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۶ پر دیا ہوا ۹۴۸ھ غلط ہے، ابوالفضل کا درہ پونچھ کشمیری تاریخوں کا ہیرا پور کا راستہ ہے، دیکھو حیدر ملک ورق ۱۴۵ الف

کاجی گھبرا گیا، اور دفاع کی تنظیم کرنے کے بجائے اسمٰعیل شاہ کے ساتھ ملک کو چھوڑ کر ہیرا پور کے راستہ شیر شاہ سے مدد مانگنے کے لیے چل پڑا۔[1] چونکہ اب کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں رہ گیا تھا، اس لیے مرزا حیدر نے کشت وخون کے بغیر وادی پر قبضہ کر لیا،

مرزا حیدر نے نازک شاہ کو تخت پر بٹھایا، اور ابدال ماگرے کو وزیر مقرر کیا، پھر اس نے مملکت کو اپنے ابدال ماگرے اور ریگی چک کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا، لیکن موسم بہار کی ابتدا میں نوروز کے پہلے دن ابدال ماگرے پر فالج گرا[2] اور وہ انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کے لڑکے حسین ماگرے کو اس کی جاگیر اور وزارت بھی ملی[3]،

اسی درمیان میں کاجی چک شیر شاہ کے دربار میں پہنچ چکا تھا،[4] افغان حکمراں کاجی کے متعدد زخموں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا، جو اس کو مختلف لڑائیوں میں لگے تھے، اس کا بڑے تپاک سے خیر مقدم

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف ب، حیدر ملک ورق ۵۹ الف، مزید دیکھو تاریخ رشیدی ص ۴۸۴ [2] بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ الف ب، مزید دیکھو تاریخ رشیدی ص ۴۸۵ [3] بہارستان شاہی ورق ۱۰۷ ب

[4] اکبرنامہ ج ا ص ۳۰۴ پر لکھا ہے، کہ کاجی نے شیر شاہ کو اپنی بھانجی پیش کی، جو محمد شاہ کی پوتی تھی، لیکن کشمیری مورخوں نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۲۵ ب نے اکبرنامہ کا تتبع کیا ہے،

کیا، اس کو خان خاناں کا خطاب دیا، اور پانچ ہزار سوار اور دو ہاتھی عادل خان اور حسین خان شہر دانی کی کمان میں دیئے[۱]، اس لشکر کے ساتھ ۱۵۶۱ء کے موسم بہار کے ابتدائی دنوں میں ہیرپور[۲] کے راستہ کاجی کشمیر میں داخل ہوا، اس کی اطلاع پاکر مرزا حیدر نے اپنے بال بچوں کو اندرکوٹ میں چھوڑ دیا، اور حسین ماگرے، رنگی چک اور عیدی رینا کو ساتھ لے کر کاجی کے خلاف جنگ کرنے چلا[۳]، اس سے دتھار[۴] کے مقام پر مڈبھیڑ ہوئی، لیکن جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا، اس کے بعد ایک مہینہ تک جھڑپیں ہوتی رہیں، پھر سیلاب اور بارش کی وجہ سے طرفین کو واپس ہونا پڑا، کاجی نے گرداڑ[۵] کے مقام پر اپنا قدم جمایا، مرزا حیدر کوٹہیر[۶] کے مقام میں خیمہ زن ہوا، لیکن سیلاب کے ختم ہو جانے پر دھتور[۷]

۱؎ اکبرنامہ ج ۲ ص ۱۰۳ ۔ ۱۴۰، تاریخ کشمیر از سید علی ص ۵۰، بہارستان شاہی ورق ۱۰۸ الف پر لکھا ہے کہ کاجی کو چھوٹا لشکر دیا گیا تھا، طبقات اکبری ج ۲ ص ۷۸ ۔ ۴۷ کے مطابق اس لشکر کی تعداد
۱۰۸
۵ ہزار تھی، اکبرنامہ میں جو تعداد بتائی گئی ہے، وہی درست ہے۔ ۲؎ بہارستان شاہی ورق الف، مزید دیکھو تاریخ کشمیر از سید علی ص ۸۰۔ ۳؎ تاریخ رشیدی ص ۴۸۴ حیدر ملک ورق ۱۴۵ الف، ۴؎ شاہ آباد اور برنگ پرگنہ کے درمیان پہاڑیوں میں گھاس کی وادی میں یہ ایک گاؤں ہے، یہ گاؤں اسلام آباد کے پانچ میل جنوب مشرق میں اننت ناگ تحصیل میں ہے، ۵؎ بہارستان شاہی ورق ۱۰۸ الف، تاریخ کشمیر نرائن کول عاجز ورق ۴۳ ب کوٹہر جس کا قدیم نام کیٹشور رہا عرض البلد ۳۳٫۴۰ اور طول البلد ۷۵٫۱ میں ایک گاؤں ہے یہ کٹھار پرگنہ میں ہے، ۶؎ بہارستان شاہی ورق ۱۰۸ الف حیدر ملک ورق ۱۴۵ ب۔ ۷؎ دھتور سری نگر سے میل جنوب میں شوپیان جانے والی سڑک پر عرض البلد ۳۳٫۵ و طول البلد ۷۴٫۱۵ میں واقع ہے،

گے مقام پر صف آرا ہوئے، اور ۱۳؍اگست ۱۵۴۱ء کو ان میں بڑی سخت جنگ ہوئی، اگرچہ چکوں کے پاس ۵ ہزار سوار اور کئی ہزار پیدل سپاہی تھے، اور مرزا حیدر کے پاس صرف ۳ ہزار آدمی تھے، پھر بھی ان کو شکست ہوگئی، اور کاجی، دولت چک، سید ابراہیم اور افغانوں کے ساتھ ہندوستان بھاگ گیا، لیکن ملک ناجی نے جو زخمی ہوگیا تھا، اطاعت قبول کر لی، اور مرزا حیدر اس سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا[1]،

شروع میں کشمیری امراء سے مرزا حیدر کے تعلقات اچھے رہے، اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، اور امور مملکت میں ان سے مشورہ طلب کرتا رہا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کے اندر تحکمانہ انداز پیدا ہوگیا، اور وہ ان کی پرواہ نہ کرتا تھا، اور ان کو حقیر سمجھنے لگا، یہ بات سب سے پہلے ریگی چک کو بری لگی، مرزا نے اس کی جانب سے شرارت کا اندیشہ کرکے حسین ماگرے، اور عیدی رینا کو اپنی طرف ملا لیا، اور ریگی چک کو گرفتار کرنے کے لیے چل پڑا، ریگی چک اس وقت اپنی جاگیر کمراج میں مقیم تھا، لیکن ٹھیک وقت پر اس کے ارادہ سے آگاہ ہوچکا تھا، اس لیے رجوری کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا، اور کاجی چک سے جا ملا، (۱۵۴۳ء)[2] مرزا حیدر کو ریگی جب کمراج

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۸ الف، حیدر ملک ورق ۱۴۵ الف ب، اکبرنامہ ج ۱ ص ۴۰۲، راس (Ross) اپنے ترجمہ میں جنگ کی تاریخ ۸ ربیع الثانی مطابق یکم اگست ۱۵۴۱ء بتاتا ہے،

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۱۰ الف، حیدر ملک ورق ۱۴۷ الف، ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۰۸ میں ریگی کے بھاگنے کا سال ۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء درج ہے،

میں نہ ملا، تو اس نے اس کے گھر کو مسمار کر دیا، اور پھر اندر کوٹ واپس چلا آیا، دوسرے سال موسم بہار کے شروع میں رگی اور کاجی مغلوں کو مار بھگانے کے ارادے سے کشمیر میں پھر داخل ہوئے، اور انھوں نے گل مرگ میں اپنے خیمے نصب کئے، مرزا حیدر مغل اور کشمیری فوج لے کر ان کی طرف بڑھا، اور رات کے وقت اچانک حملہ کر کے کاجی اور رگی کو شکست دے دی، کاجی اور رگی پنجاب کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے،[1] ۱۲ ستمبر ۱۵۴۴ء بروز جمعہ کاجی چک تھنہ میں بخار میں مبتلا ہو کر، انتقال کر گیا،[2] اکیلے ہوتے ہوئے بھی رگی نے ۱۵۴۶ء میں کشمیر پر پھر حملہ کیا، لیکن مرزا حیدر کی ایک فوج کے ہاتھوں اس کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، اس کا سر تن سے جدا کر کے مرزا کے سامنے پیش کیا گیا،[3]

ان فتوحات سے مرزا حیدر کشمیر کا حقیقی حکمران ہو گیا، لیکن اس نے نازک شاہ کو بحیثیت سلطان برقرار رکھا، اس کے نام سے مسجدوں میں خطبہ پڑھا جاتا رہا، اور سکے بنتے رہے، مرزا حیدر کے تعلقات

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۱۰ الف [2] ایضاً ورق ۱۱۰ الف ۱۱۱ الف، بہارستان شاہی میں بہ غلط لکھا ہے کہ کاجی نے دان گلہ میں انتقال کیا تھا، (دیکھو حیدر ملک ... Bibli oTheque National ورق ۴۸ ب اور نوادر الاخبار ورق ۹۶ ب)

[3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۶۹۴

حسین ماگرے اور عیدی رینا سے خوشگوار رہے[1]،

دشمنوں کو زیر کرنے کے بعد مرزا حیدر نے اُن علاقوں کو پھر سے حاصل کرنے کا فیصلہ کیا، جو حسن شاہ کے عہد میں کشمیر میں شامل تھے، اس نے سب سے پہلے کشتوار کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا، اور اس ارادے سے ۱۵۴۸ھ میں لار سے آگے بڑھا، اور خود جھالو[2] کے گانوں میں رکا رہا، اور سید گان کوکا اور عیدی رینا کو فوج کے ساتھ کشتوار کو تسخیر کرنے کے لیے بھیجا، مارم[3] ندی کے کنارے دھوت گانوں میں پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ دونوں طرف سے کشتوار کی فوج اُن کا راستہ روکنے کے لیے تیار کھڑی ہے، آپس میں تیر اور بندوقیں چلیں، لیکن مغل دریا کو پار نہ کرسکے، دوسرے دن انھوں نے اصل سڑک سے ہٹ کر ایک دوسرے راستے سے کشتوار میں داخل ہونے کی کوشش کی، جب وہ ڈار کے گانوں میں پہنچے، تو اندھیرا ہوگیا، اور دشمن نے اچانک حملہ کردیا، مغل فوج کا سپہ سالار سید گان کوکا، محمد ماگرے اور بہت سے دوسرے فوجی سردار کام آئے، واقعہ تو یوں ہے کہ یہاں مغلوں کو اتنا بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا، کہ اس

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۱۱ الف، تاریخ کشمیر از نراین کول عاجز ورق ۴۳ ب

[2] یہ کشتوار کی سرحد کے قریب ہے، اور قرب جوار میں مشہور ہے، لیکن نقشہ پر موجود نہیں ہے، [3] مارم کشتوار میں ایک چھوٹی ندی ہے، جو برسات کے موسم میں بہت بڑھ جاتی ہے، جہاں تک ڈار، دھوت، اور جھالو مقامات کا تعلق ہے سب قرب وجوار میں مشہور ہیں لیکن نقشہ پر موجود نہیں ہیں،

میدان کا نام ہی مغل میدان یا مغل مزار پڑ گیا، صرف تھوڑے سے آدمی اپنی جان بچا کر بڑی پریشانیوں کے بعد مرزا سے مل سکے،[1]

اگرچہ مرزا حیدر کو کشتوار میں ناکامی ہوئی، لیکن دوسری سمتوں میں قسمت نے اس کی یاوری کی، ۱۵۴۸ء میں اس نے بلتستان اور لداخ پر قبضہ کر لیا، اور انہیں بالترتیب ملا قاسم اور ملا باقی کے انتظام میں دے دیا، پھر اس نے کشمیری امراء کے قبضہ سے رجوری پر قبضہ کیا، اور اس کو محمد نظر اور صبر علی کے سپرد کر دیا، آخر میں اس نے پکھلی پر قبضہ کیا، اور ملا عبداللہ کو اس کا والی بنایا،[2]

۱۵۴۹ء میں ہیبت خان نیازی والی لاہور نے اپنے سلطان اسلام شاہ سور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، سنبھل کے قریب ڈنگوٹ[3] میں شکست کھا کر وہ سارنگ کی پہاڑیوں میں گکھروں کے یہاں جا کر پناہ لی، اس پر اسلام شاہ نے گکھروں پر حملہ کر کے ان کو کچل دیا،[4] اس کے بعد ہیبت خان کشمیر کی بیرونی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا، اسلام شاہ نے بھمبر تک اس کا تعاقب کیا، یہاں سرداروں کی پیش قدمیوں سے مرزا حیدر کو خطرہ محسوس ہوا، اور وہ ان کو وادی میں داخل

---

[1] جرنل آف ہسٹاریکل سوسائٹی ج ۴ ص ۳۷، [2] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۰، طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ لداخ کو محسن کے زیر نگرانی رکھا گیا، جب کہ فرشتہ نے ملا حسن کے زیر نگرانی لکھا ہے، [3] یہ دریائے سندھ کے کنارے عرض البلد ۳۴ر۱۰ اور طول البلد ۷۰ر۳۳ میں ایک گاؤں ہے، [4] تاریخ داؤدی ورق ۱۹۱ ب، ۱۹۲ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۱۳ دیکھو انڈین انٹی کواری ۱۹۰۷ء ص ۰ وغیرہ برائے قبیلہ گکھر،

ہونے سے روکنے کے لیے آگے بڑھا، ہیبت خاں کو معلوم ہوا کہ سامنے سے راستہ مغلوں نے اور پیچھے سے اسلام شاہ نے روک رکھا ہے، اس نے رجوری کی پہاڑیوں کی طرف رخ کیا۔[۱] وہاں وہ دولت چک اور غازی چک[۲] سے ملا جنھوں نے اس کو مرزا حیدر کا تختہ الٹنے کے لیے کشمیر ساتھ چلنے کو کہا۔[۳] اس کے ساتھیوں نے اس مشورہ کو قبول کر لیا، لیکن ہیبت خان نے اس کو نامنظور کیا، اور ایک برہمن سفیر کو صلح کرنے کی غرض سے مرزا حیدر کے پاس بھیجا، مرزا حیدر سے ایک بڑی رقم پاکر ہیبت خان نے کشمیر پر حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا، اور جموں کے آس پاس برن چلا گیا، کشمیری اس کے برتاؤ سے تنگ آگئے اور اس سے علحدہ ہو کر اسلام شاہ سے جا ملے، لیکن مرزا حیدر نے اسلام شاہ کو اپنے سے ملانا چاہا، اس خیال سے اس نے اس کے پاس ۹۵۵ھ میں خواجہ شمس مغل کو کثیر مقدار میں زعفران دے کر بھیجا، ایک سال کے بعد خواجہ شمس پٹھان

---

[۱] تاریخ داؤدی ورق ۹۵ الف [۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۷، ۴۱، تاریخ داؤدی ورق ۹۵ ب پر محمد نظر اور صبر علی کا بھی نام غلط طور پر درج ہے، اگرچہ وہ مرزا حیدر کے وفادار تھے، [۳] طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۳۷ (ترجمہ) اور فرشتہ ص ۲۸۰ نے یہ غلط لکھا ہے کہ کشمیری سردار ہیبت خان کو بارہ مولہ لے گیے، افغانی اور کشمیری تذکروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۴۱ کے فارسی متن میں بارہ مولہ کے بجاے ڈط لکھا ہے، جس کا پتہ نہ چل سکا [۴] تاریخ داؤدی ورق ۹۶ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۴۱، لیکن ان دونوں تاریخوں میں یہ غلط درج ہے کہ غازی چک

حکمران کی طرف سے بہت سے قیمتی تحائف لے کر لسین افغان کے ساتھ کشمیر واپس آیا، اسلام شاہ کے وکیل کو مرزا حیدر نے شال اور زعفران کا تحفہ دے کر رخصت کیا[1]

مذہبی معاملات میں راسخ العقیدہ اور کٹر ہونے کے باوجود شروع میں سیاسی مصالح کی بنا پر مرزا حیدر نور بخشیہ فرقہ کی طرف بہت ہی کشادہ دلی کا برتاؤ کرتا تھا، اس نے ریگی چک اور دوسرے سرداروں کو خوش کرنے کے لیے جو نور بخشیہ تھے، میر شمس الدین کے مزار پر حاضری بھی دی، اور سچے مرید کی طرح اظہار عقیدت بھی کیا، لیکن ریگی چک کی بغاوت کے بعد اس کا رویہ بدل گیا، کیونکہ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ وادی میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے مذاہب میں یکسانیت ضروری ہے،[2] چنانچہ اس نے مولانا جمال اور شیخ عمر کے مشورہ سے نور بخشیہ فرقہ کی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دے دیا،[3] پھر اس نے شمس الدین کا مقبرہ منہدم کر دیا، اور ۹۴۵ھ میں حضرت رشی کو سزا ے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۴) مرزا حیدر کے پاس گیا تھا، غازی مرزا حیدر کے خلاف تھا، اس لیے اس کے پاس نہیں گیا ہو گا۔

[1] طبقات اکبری ج ۳ ص ۷۲۴،

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۱۱ ب،

[3] دیکھو کتاب ہذا ص ۱۴۴

موت دی۔[۱] اس نے صوفی داؤد، ملا حاجب خطیب اور دوسرے نوربخشیوں کو بھی پھانسی دی، اور بعض دوسرے لوگ مثلاً قاضی میر علی کو جلا وطن کر کے ان کے مکان کو تباہ و برباد کر دیا۔[۲] شمس الدین کا لڑکا جو مرزا حیدر کی زیادتیوں کی وجہ سے اسکاردو چلا گیا تھا، وہاں سے اس کو ۹۵۴ھ میں بلا کر قید خانہ میں قید کر دیا گیا، اس کے بعد یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس نے پہلے تین خلفاء کے خلاف تبرا کہا ہے، جھوٹی شہادتیں فراہم کیں، اور اس جرم کی پاداش میں قاضی حبیب، قاضی ابراہیم، اور قاضی عبدالغفور کے فیصلہ سے اس کو ۱۴ مارچ ۱۵۵۰ء میں پھانسی دیدی،[۳] اس کے مرید اس کا سر اور جسم اٹھا لے گئے، اور خفیہ طور پر چھپا دیا، اور مرزا حیدر کی موت کے بعد اس کو یکجا کر کے اس کے والد شمس الدین کے مقبرہ میں دفن کر دیا،[۴]

۱ے بہارستان شاہی ورق ۱۱۱ ب، تاریخ کشمیر از سید علی ص ۱۵، تاریخ حسن از پیر حسن شاہ ج ۲ ورق ۱۹۳ ب، واقعات کشمیر ورق ۱۴۵ الف میں لکھا ہے کہ شمس الدین کی ہڈیوں کو نکال کر جلا دیا گیا تھا، اور اس کے مقبرہ کو عام لوگوں کا سنڈاس بنا دیا گیا تھا، لیکن بہارستان شاہی اور حیدر ملک میں اس کا ذکر نہیں ہے، ۲ے نوادر الاخبار ورق ۷۱ الف، تاریخ کشمیر از نراین کول عاجز ورق ۴۳ ب، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۲۰ ب،
۳ے بہارستان شاہی ورق ۱۱۱ ب، ۱۱۲ الف، سید علی ص ۱۵، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۲۷ ب، ۴ے بہارستان شاہی ورق ۱۱۲ الف، ب،

دانیال کو پھانسی دے کر مرزا حیدر نے بڑی غلطی کی، کیونکہ وہ پاکباز انسان تھا، اور ملک کے اندر اس کی بڑی عزت تھی، مرزا حیدر کے ایک خاص معتمد ملا عبداللہ نے اس کو اس اقدام کے خلاف متنبہ کیا تھا، لیکن مرزا نے یہ کہہ کر اس کے مشورہ کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا کہ دانیال کی پھانسی مملکت کے استحکام اور فلاح کے لیے ضروری تھی،[1] لیکن اس کی حکمت عملی کا اثر اس کی امیدوں کے خلاف ہوا، ملک عیدی رینا اور ملک محمد ناجی جو شیعہ ہو گئے تھے، اپنے ہم مذہب لوگوں پر اس کے ظلم و تشدد کو دیکھ کر اس کے جانی دشمن ہو گئے، اور اس کا تختہ الٹنے کا فیصلہ کیا،[2] انھوں نے نازک شاہ، حسین ماگری اور خواجہ حاجی کو اپنی طرف ملا لیا، جو نہ صرف مرزا حیدر کے غیر رواداری نہ رویہ کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ اس کے تجبر اور اقتدار پروری کو بھی برا مانتے تھے، شروع میں اس نے کشمیری امراء کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تھا، اور ان کو حکومت کے کاموں میں بھی شریک کر لیا تھا، لیکن بعد میں ان کو حقیر سمجھنے لگا تھا، ان کے حقوق کو نظر انداز کر کے ساری طاقت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، اور اپنے ہی ساتھیوں کو مختلف صوبوں کا والی بنا دیا تھا،[3] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کشمیری امراء بھی جو ابھی تک اس کے وفادار تھے،

---

[1] بہارستان شاہی ایضاً ورق ۱۱۲ ب، [2] نوادر الاخبار ورق ۱۷ الف، ب،

[3] حیدر ملک ورق ۱۴۷ ب

اس سے الگ ہو گئے، اور اس کا تختہ الٹنے کی سازش کرنے لگے،
اسی درمیان میں بیرونی پہاڑیوں میں بغاوت شروع ہو گئی،
اس لیے ۹۵۵ھ میں مرزا حیدر نے مغلوں اور کشمیریوں کی ملی
جلی فوج وہاں بارہ مولہ کے راستے سے اپنے چچا زاد بھائی قرا
بہادر کی کمان میں روانہ کی جس میں حسین ماگرے، عیدی رینا
اور خواجہ حاجی بھی تھے[1]، یہ فوج مان کوٹ[2] پہونچی، تو کشمیری
سرداروں نے مغلوں سے کٹ کر ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا[3]،
اس لیے قرا، بہادر سے الگ ہو کر، وہ پہاڑی کی چوٹی کی
طرف بڑھے، اور ایک چھوٹی سی فوج پہاڑیوں کی مدد سے قرا
بہادر کا کشمیر سے سلسلہ منقطع کرنے کے لیے بھیجی، دوسرے دن علی الصباح
کشمیریوں نے پہاڑی سے اتر کر مغلوں پر حملہ کیا، مغلوں نے دوپہر
تک ان کا مقابلہ کیا، لیکن اس کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے،
کشمیریوں نے ان کا تعاقب کیا، ان میں سے بہتوں کو قتل کیا، اور
ان کا مال و اسباب چھین لیا، جو بچ گئے، انھوں نے بربل کے

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۴۸، اور طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۷ میں ان واقعات کا ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۵۱ء دیا ہے، لیکن بہارستان شاہی ۱۱۲ ب میں ستمبر و اکتوبر ۱۵۴۸ء درج ہے، [2] صوبہ پونچھ میں ایک گاؤں اور قلعہ ہے، اور منڈیل چشمہ کے داہنے کنارے پر عرض البلد ۳۳،۳۸ اور طول البلد ۷۴،۴۰ میں واقع ہے، [3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۷ پر یہ غلط درج ہے، کہ حسین ماگرے نے اپنے بھائی کو مرزا حیدر کے پاس کشمیریوں کی چالبازی کی خبر کرنے کے لیے بھیجا تھا، حسین ماگرے تو اس سازش میں خود ہی شریک تھا،

قلعہ میں پناہ لی[1]، اس کے بعد عیدی رینا نے حسین ماگرے، تاجی ملک اور خواجہ حاجی کی سرکردگی میں پانچ سو سوار قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا، اور خود پونچھ کے لیے روانہ ہو گیا، چونکہ کشمیری جن کو پہاڑیوں کی حمایت حاصل تھی، مقتولوں سے تعداد میں زیادہ تھے، اس لیے قرا بہادر کی ہمت چھوٹ گئی، اور اس نے ان سے صلح کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن کچھ سردار مثلاً سید مرتضا اور مرزا علی کوکا اس کے خلاف تھے، اور گکھروں کے علاقہ تک لڑتے ہوئے جانا چاہتے تھے، قرا بہادر نے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، اور اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ کو چھوڑ کر کشمیریوں سے گفت و شنید کرنے چلا گیا، لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھا دشمن نے اس پر حملہ کر دیا، اس کو دیکھ کر قلعہ سے باقی ماندہ فوج بھی باہر نکل آئی اور گکھروں کے علاقہ کی طرف بڑھی، اگرچہ کشمیریوں نے اون کا تعاقب کیا، لیکن وہ نکل بھاگے، لیکن جو قرا بہادر کے ساتھ تھے، یا تو مار ڈالے گئے یا قیدی بنا لیے گئے، قیدیوں کو عیدی رینا کے سامنے پیش کیا گیا جو پونچھ میں تھا، قرا بہادر، قطب علی کوکا اور محمد نظر کو نظربند کر دیا گیا، اور دوسروں کے ہاتھ کاٹ دیے گئے، اس فتح کے بعد عیدی رینا نے دولت چک کے پاس اس سے ملنے کا پیغام

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۱۳ الف، مزید دیکھو حیدر ملک ورق ۱۴۷ الف ب جس پر یہ بات ذرہ مختلف طور پر لکھی ہوئی ہے، مرجل پونچھ کے راستہ میں درہ توشہ میدان کے پاس ایک قلعہ تھا، (مزید تفصیل کے لیے دیکھو اسٹین ج ۲ ص ۳۹۹ اور حاشیہ ۵۹

بھیجا، جو اس وقت نوشہرہ میں تھا، دولت فوراً ہی چل پڑا، اور عیدی رینا سے جا کر ملا، جو ہیرا پور کے راستہ سے وادی میں، داخل ہو چکا تھا، بہت سے لوگ ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے، اور مل کر سری نگر کی طرف بڑھے۔[۱]

ان واقعات سے مرزا حیدر کو بڑی تشویش ہوئی، اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد وہ اپنے خاندان کو ایک مغل فوج اور کچھ کشمیریوں کے ساتھ اندر کوٹ کے قلعہ میں چھوڑ کر عیدی رینا سے مقابلہ کرنے کے لیے چلا، لیکن ٹھیک اسی زمانہ میں بلتستان اور لداخ میں ملا قاسم اور ملا باقی کے خلاف شدید بغاوت پھوٹ پڑی، ملا قاسم اور اس کے ساتھی مارے گئے، لیکن ملا باقی جان بچا کر بھاگا، اور اندر کوٹ کے قریب مرزا حیدر سے جا ملا، پکھلی میں بھی بغاوت ہوئی، اور اس کے والی عبداللہ سمرقندی کو باغیوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی،[۲] اسی درمیان میں قرا بہادر کی پریشانیوں کا حال سن کر عبداللہ اتنا گھبرا گیا کہ اس نے وادی میں واپس چلنے کا فیصلہ کیا، لیکن جب وہ بارہ مولہ پہنچا، تو کشمیریوں نے اس کو قتل کر دیا،[۳] اسی طرح

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۱۱۴-۱۱۵ الف حیدر ملک ورق ۱۴۷ الف

[۲] ۱۴۸ الف، [۳] تاریخ کشمیر از سید علی ص ۷۵ بہارستان شاہی ورق ۱۱۵ ب ۱۱۶ الف، حیدر ملک ورق ۱۴۷ ب،

کوکا میر جس کو کشتوار میں امن و امان قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، شکست کھا گیا، اور پرگنہ اودین میں اپنے ڈیڑھ ہزار لشکریوں کے ساتھ مارا گیا۔[1] ان پریشان کن خبروں کو سن کر مرزا حیدر پہلے سری نگر گیا، اور وہاں سے کشمیری سرداروں سے مقابلہ کرنے کے لیے دھتور پہنچا۔[2] کشمیری سردار عیدی رینا کی رہنمائی میں خام پور[3] کے پاس منار کے قلعہ میں جمع تھے، لیکن چونکہ مرزا حیدر کی فوج کم تھی، اس نے رات کے وقت حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، حالانکہ اس کے بعض افسروں نے اس خطرناک کام سے احتراز کرنے کے لیے مشورہ کیا، لیکن مرزا حیدر نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنے بھائی عبدالرحمن کو اپنا وارث نامزد کرنے کے بعد سات آٹھ سو سواروں کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کے لیے چل پڑا، قلعہ کے نیچے پہنچ کر اس نے اپنی فوج کو پیچھے چھوڑ دیا، اور صرف تیس آدمیوں کے ساتھ قلعہ پشتہ کے پہرے کی طرف بڑھا، لیکن راستہ میں اس کے زیادہ تر ساتھی مارے گئے

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۴۷ ب [2] تاریخ کشمیر از سید علی ص ۵۲، بہارستان شاہی ورق ۱۱۷ الف، حیدر ملک نے عون پور لکھا ہے، [3] خام پور سری نگر سے ۱۰ میل جنوب میں درہ پیر پنجال جانے والی سڑک پر واقع ہے، طبقات اکبری اور تاریخ کشمیر از سید علی میں خان پور لکھا ہے، جو غلط ہے، بہارستان شاہی اور تاریخ حسن میں خام پور لکھا ہے، اسٹین کے مطابق کننگھم نے اس کو غلط طور پر قدیم کنتک پور سے متعلق بتایا ہے،

اور اس کے ساتھ صرف سات آدمی رہ گیے، جس وقت وہ قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ یکایک تیر لگنے سے ہلاک ہو گیا، (اکتوبر ۱۵۵۱ء)[۵]

مرزا حیدر کی موت کی سند پر کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہے، کیونکہ اس کا مصنف سید علی مرزا کی ملازمت میں تھا، اور جنگ میں شریک تھا، یہ صحیح ہے کہ وہ مرزا حیدر کے مارے جانے کے وقت اُس مقام پر موجود نہیں تھا، لیکن اس نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سب قابل اعتماد معلومات پر مبنی ہوگا،

سید علی کے بیان کے علاوہ مرزا حیدر کی موت سے متعلق کئی اور روایتیں بھی ہیں، ایک روایت تو یہ ہے، کہ کمال دوبی نے اس کو تلوار سے قتل کیا تھا[۶]، دوسری روایت کے مطابق ایک قصاب نے تیر چلایا تھا، جو اس کی ران میں لگا اور وہ مر گیا،[۷]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۱) [۴] تاریخ کشمیر از سید علی ص ۵۲-۵۳ سید علی رقمطراز ہے کہ اس نے اور اس کے والد نے مرزا کو رات کے وقت حملہ کرنے سے منع کیا تھا،

[۵] تاریخ کشمیر از سید علی ص ۵۲-۵۳، بہارستان شاہی ورق ۱۱۷ الف،ب، اس سے مطابقت رکھتی ہے، سید علی اور مصنف بہارستان شاہی مرزا حیدر کی موت کی تاریخ ۶ ذی القعدہ ۹۵۸ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۵۵۱ء بتاتے ہیں لیکن آئین اکبری (طباخ من) ص ۳۱۳ اور تاریخ رشیدی ص ۲۲ پر لکھا ہے کہ مرزا کی موت اکتوبر ۱۵۵۱ء میں واقع ہوئی تھی، مزید دیکھو طبقات اکبری اور حیدر ملک جو اس کی موت کا سال ۱۵۵۱ء بتاتے ہیں، میں نے انہی اسناد کا اتباع کیا ہے کیونکہ سید علی اور بہارستان شاہی ہمیشہ قابل اعتماد نہیں ہوتے،

حیدر ملک نے لکھا ہے، کہ مرزا حیدر کو ایک قصاب نے کلہاڑی سے مار ڈالا تھا، کیونکہ موخر الذکر کو اس پر مغل جاسوس ہونے کا شبہ ہوا تھا،[1] یہ یاد رہے کہ یہ سب روایتیں سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں، اس لیے ان کو جھوٹی سمجھنی چاہیئے، لیکن طبقات اکبری میں جو روایت ہے اس میں کچھ حقیقت ضرور ہے کہ جب وہ حملہ کی رہنمائی کر رہا تھا، شاہ نظر کا چلایا ہوا تیر اس کو اتفاقاً لگ گیا، شاہ نظر مرزا حیدر کی فوج میں زرہ پوش سوار تھا،[2] یہ بیان سید علی کے بیان سے مختلف نہیں، سید علی اس سلسلہ میں خاموش ہے، کہ مرزا حیدر کی جان دشمن کے ہاتھوں یا اس کے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے گئی،

صبح کے وقت مرزا حیدر کی لاش ملی، چکوں نے اس کی بے حرمتی کرنی چاہی، لیکن حسین ماگرے اور سید محمد بیہقی نے اس کو سلطان زین العابدین کی قبر کے قریب دفن کرا دیا، اور اس کی ایک مہینے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۲) [2] اکبر نامہ ج ۱ ص ۴۰۷ مزید دیکھو طبقات اکبری (ترجمہ) ج ۳ ص ۱۸، حاشیہ۔ [3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۵؛

[1] حیدر ملک ورق ۱۴۸ الف کے مطابق مرزا حیدر دشمن کی طاقت معلوم کرنے کے خیال سے اکیلے چل پڑا تھا، ایک قصاب نے جو گائے کی کھال نکال رہا تھا، اس کو دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہے، مرزا حیدر نے جواب دیا کہ وہ نہ تو کشمیری ہے اور نہ ایرانی، قصاب نے اس کو مغلوں کا جاسوس سمجھتے ہوئے اس کے سر پر اپنی کلہاڑی سے اتنے زور سے مارا کہ وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا، لیکن یہ قصہ مشکوک معلوم ہوتا ہے، پہلے تو یہ بات ناقابل یقین ہے کہ قصاب میدان جنگ کے پاس اپنے کام میں رات کے وقت

تک حفاظت کرتے رہے[۵۰] مرزا حیدر کی موت کے بعد مغل اندرکوٹ بھاگ گئے تھے، وہاں کشمیریوں نے ان کا محاصرہ کر لیا، تین دن کی جنگ کے بعد مرزا حیدر کی بیوہ نے یہ کہہ کر دشمن سے صلح کرنے کا فیصلہ کیا، کہ چونکہ مرزا مر چکا ہے، اب جنگ جاری رکھنا بے سود ہے، چنانچہ اس نے ماہر تعمیرات امیر خان کو ہتھیار ڈالنے کی شرائط پر گفت و شنید کرنے کے لیے بھیجا، حسین ماگرے کا ان کشمیری امرار پر اچھا خاصا اثر تھا، جو جنگ جاری رکھنے کے حامی تھے، اس نے اپنے اثر سے آخر کار مصالحت کرا دی، قرا بہادر اور دوسرے قیدی رہا کر دیے گئے، کشمیریوں نے یہ ضمانت دی کہ وہ مرزا حیدر کے خاندان اور ساتھیوں کو تنگ نہ کریں گے، اس کے بعد اس کا خاندان اندرکوٹ سے سری نگر پورے افراد کے ساتھ منتقل کر دیا گیا، اس کے بعد ان کو پکھلی اور کابل کے راستہ سے کاشغر بھیج دیا گیا، لیکن بعض مغل مثلاً صبر علی وغیرہ لداخ کے راستہ سے گیے، انہیں لداخیوں نے مار ڈالا،[۵۱]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۳) مصروف رہا ہوگا، دوسرے مرزا بہادر سپاہی تھا، اور باقاعدہ مسلح تھا، اس کو کوئی قصاب اپنی کلہاڑی سے کس طرح مار سکتا تھا [۵۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۵

[۵۰] تاریخ کشمیر از سید علی ص ۵۳، واقعات کشمیر ورق ۱۴۷ الف، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۳۰ الف،

[۵۱] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۷، مزید دیکھو حیدر ملک ورق ۴۸ اب ۱۴۹ الف

مرزا حیدر کے کارنامے اور حالاتِ زندگی اس کے خالہ زاد بھائی بابر کی یاد دلاتے ہیں، بابر کی طرح وہ بھی بلند حوصلہ تھا، جسمانی حیثیت سے ہمیشہ چست اور دماغی طور پر ہمیشہ بیدار رہا، اس کی طرح اس میں سخاوت اور شفقت کا مادہ بھرا ہوا تھا، وہ نڈر سپاہی اور عظیم سپہ سالار تھا،[1] لیکن بابر کی طرح اس میں بصیرت نہیں تھی، اور اپنے عظیم خالہ زاد بھائی کی طرح مصلحت اندیش نہ تھا، اور اس میں وسیع المشربی کی بھی کمی تھی، لیکن وہ تنگ نظر نہ تھا، اور موقع پڑنے پر اپنی عالی ظرفی دکھا سکتا تھا، وہ آسانی سے اپنے کو کشمیر کے سلطان ہونے کا اعلان کر سکتا تھا، لیکن ایسا کرنے سے گریز کیا، اس کے بجائے اس نے ہمایون کی جلا وطنی سے واپس آنے تک کے لیے نازک شاہ کو تخت پر بٹھا دیا، لیکن ۹۵۲ھ میں جونہی اس کو معلوم ہوا کہ ہمایوں نے کابل اور قندہار پر قبضہ کر لیا ہے، اس نے سلطنت کو ہمایوں کے نام منتقل کر دیا، جو ابھی تک نازک شاہ کے پاس تھی، ہمایون کے نام خطبہ پڑھا، اور اس کے نام سے سکے ڈھالے، اور اس کو کشمیر آنے کی دعوت بھی دی، اور یہ مشورہ دیا کہ کشمیر ہندوستان پر دوبارہ حملہ اور تسخیر کے لیے بہتر مقام ہوگا،

شروع میں مرزا حیدر نے کشمیر پر انصاف اور اہلیت سے حکومت کی، اس نے زین العابدین کے عہد کے کشمیر کے بعض علاقون کو پھر سے حاصل کیا، بہتر حکومت کی، تجارت، زراعت، اور کاروبار کو ترقی دی، لیکن آگے چل کر کشمیری امراء سے تعلقات خراب ہونے پر

---

[1] رازی ہفت اقلیم ورق ۳۲۵ الف، مصنف تاریخ داؤدی ورق ۷۶ الف پر لکھا ہے، کہ مرزا حیدر ایک "باہمت نوجوان" تھا،

نظام سلطنت بگڑتا گیا، اور کسانوں کو مغلوں کی زیادتیوں سے نہ بچا سکا۔[1]

کشمیر کے ازمنۂ وسطیٰ کے بہت کم حکمرانوں نے آرٹ اور کلچر کی ترقی کے لیے مرزا حیدر سے زیادہ کام کیا ہو گا۔ اس لحاظ سے وہ زین العابدین کا بہت بڑا پرستار تھا، اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے مختلف ممالک سے فن کاروں اور کاریگروں کو بلایا، اور ان فنوں کو پھر سے زندہ کیا جو مستقل خانہ جنگی کی وجہ سے ختم ہو رہے تھے۔[2] علمار کی سرپرستی کی، اور بچوں کی تعلیم کے لیے ہر گاؤں میں اساتذہ مقرر کیے۔[3] سری نگر میں متعدد مسجدیں تعمیر کیں جن میں حمام بھی تھے، جو عبادت کے کمروں کو سخت سردی میں بھی گرم رکھتے تھے، تاکہ لوگ وہاں نماز پڑھ سکیں، اور آرام کر سکیں۔ اس نے بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں، اور اندر کوٹ میں خوبصورت باغ لگوائے، اس نے نئی طرز کی کھڑکیاں اور دروازے ایجاد کیے، اور لباس و طعام میں بہت سی اختراعات کیں۔[4]

مرزا حیدر گوناگوں خوبیوں کا مالک اور صاحب کمال حکمران

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۴۲ ب

[2] اکبر نامہ ج ۱ ص ۴۸، ۴۹؛ حیدر ملک ورق ۱۴۲ الف،

[3] رسالہ در مناقب خلفہ ورق ۱۳۵ ب،

[4] نوادر الاخبار ورق ۷۰ ب،

تھا، وہ خطاطی، مصوری اور دوسری دستکاریوں میں بڑی مہارت رکھتا تھا[1]، فن موسیقی کا بہت دلدادہ تھا، اور کشمیر میں مختلف قسم کے سازوں کو متعارف کیا[2]، جہانگیر لکھتا ہے کہ مرزا حیدر کا دربار فن موسیقی کے لیے مشہور تھا[3]، مرزا حیدر ترکی کا بہت اچھا شاعر تھا، فارسی نظم ونثر بھی خوب لکھتا تھا[4]، اس نے "تاریخ رشیدی" کشمیر کے دوران قیام میں لکھی، اس کے علاوہ جہان نامہ جس کے مصنف کا نام نہیں معلوم ہوسکا، اسی کی تصنیف بتائی جاتی ہے، جہان نامہ ترکی زبان میں جغرافیہ پر ایک منظوم رسالہ ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ٩٠٨ھ/١٥٠٢ء میں بدخشان کے دوران قیام میں لکھا تھا[5]،

لیکن مرزا حیدر کی ان صفات کو اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے مذہبی جنون نے دبا دیا تھا، اسلامی راسخ العقیدگی کو برقرار رکھنے کے جوش میں اس نے شیعی اور شافعی مسلک کو ممنوع قرار دیا[6]، اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء سے یہ فتویٰ حاصل

---

[1] بابر نامہ ج ا ص ٢٢ [2] آئین اکبری ج ا ص ٤٠٤،

[3] تزک جہانگیری ج ٢ ص ١٤٨،

[4] بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز ج ٧ ص ٩٨٧-٨، بابر نامہ ج ٢ ص ٢٢، مزید دیکھو رازی: ہفت اقلیم ورق ١٣٦٥ الف مرزا حیدر کی سیرت کے لیے [5] بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز ج ٧ ص ٩٨٧-٨، پرشین لٹریچر از اسٹوری دوسرا حصہ Fase ٢ ص ٢٠٤، [6] بہارستان شاہی ورق ١٣١ الف

کیا، کہ نوربخشیہ فرقہ کے لوگ ملحد ہیں، اور اگر وہ اپنے عقائد پر اصرار کریں، اور امام ابو حنیفہ کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو تباہ و برباد کرنا برحق ہوگا، چنانچہ اس نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا، اور ان کے رہنماؤں کو قتل کیا، اس نے صوفی مسلک کو بھی یہ کہہ کر ممنوع قرار دیا، کہ صوفی مذہب بد اخلاق زندگی بسر کرتے ہیں، اور حرام اشیاء کھاتے اور پیتے ہیں، اور خوابوں کی تعبیر بتاتے، کرامات دکھانے اور ایک دوسرے کے سامنے سربسجود ہونے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، اس طرح مرزا حیدر نے ہر مسلمان کو سنی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کیا[1]، لیکن اس کی کامیابی چند روزہ رہی، کیونکہ کشمیری امراء اس کی مذہبی تنگ نظری کو برا سمجھتے تھے، اور اس کا تختہ الٹنے میں سب متحد ہو گئے،

کشمیر کے دورانِ قیام میں مرزا حیدر اپنے آپ کو جلاوطن محسوس کرتا تھا، اور اس کے دماغ پر اپنے وطن کا خیال ہمیشہ چھایا رہتا[2]، ۱۵۴۷ء میں جب کاشغر سے ایک سفیر آیا، تو اس کے خیر مقدم کے لیے وہ لار تک گیا[3]، درحقیقت اس سارے عرصہ میں اس نے کاشغر میں اپنے عزیزوں اور دوستوں سے تعلقات

---

[1] تاریخ رشیدی ص ۴۳۵-۴۳۴ فرشتہ ص ۴۷-۶۴۶ مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۲۰ الف ۔ [2] تاریخ رشیدی تعارف ص ۱۵

[3] ایضاً ص ۴۷۶،

قائم رکھے، وہ کشمیر کو اپنا گھر سمجھنے اور اس کے عوام کو اپنانے میں قاصر رہا، اور یہی اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوا، اس سے وہ مغرور ہو گیا، اور کشمیریوں سے محبت اور خیر سگالی حاصل کرنے کی کوشش نہ کر سکا. وہ اپنے ہی ساتھیوں کی حمایت پر زیادہ سے زیادہ بھروسہ کرتا رہا، اس طرح کشمیری سرداروں سے دور ہوتا گیا، اور یہی اس کے زوال کا باعث ہوا،

آٹھواں باب

خاندانِ شاہ میر کا خاتمہ

اور

خاندان چک کا عروج

مرزا حیدر نے نازک شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا، امرار نے اس کو سلطان کی حیثیت سے برقرار رکھا، لیکن در اصل حکومت اس کے وزیر اعظم عیدی رینا کے ہاتھ میں رہی، اس نے امرار سے اچھا برتاؤ کیا، اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انتہائی کوشش کی، چکون نے مرزا حیدر کے عہد میں سب سے زیادہ نقصان اٹھایا تھا، اور وہ اقتصادی پریشانیوں میں مبتلا تھے، عیدی رینا نے ان کو بڑی فیاضی کے ساتھ انعام واکرام دیا، دلیو سر کا پرگنہ دولت چک کو، وہی کا پرگنہ غازی چک کو اور کمراج کا پرگنہ یوسف چک اور بہرام چک کو ملا، اور خواجہ حاجی کو ایک لاکھ خروار دھان ملا۔[۲]

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۵۰ الف،

[۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۷،

۱۵۵۲ء کے وسط میں خبر ملی، کہ ہیبت خان نیازی کو گکھڑوں کی حمایت حاصل نہ رہی اور وہ کشمیر پر حملہ کرنے کی غرض سے پیش قدمی کر رہا ہے، اس پر عیدی رینا، دولت چک اور حسین ماگرے نے اس کے خلاف فوج کشی کی، اور اس سے بانہال پرگنہ میں نبرد آزما ہوئے، صبح سے شام تک شدید جنگ ہوتی رہی، افغان بڑی دلیری سے لڑے، خاص طور سے ہیبت خان کی بیوی بی بی رابعہ نے بڑی جرأت دکھائی، لیکن آخر میں تعداد کم ہونے کی وجہ سے افغانوں کو شکست ہوئی، ہیبت خان بی بی رابعہ، شہباز خاں اور بہت سے سردار مارے گیے، کشمیری امرا نے ان کے سر کاٹ کر اسلام شاہ کے پاس بھیجدیئے[۱]

اس کے فوراً ہی بعد کشمیر خانہ جنگی کی آگ کے لپیٹ میں آگیا، کشمیر پر نیازیوں کے حملہ سے پہلے بھی دولت چک اور عیدی رینا کی سربراہی میں امرا سری نگر میں ایک دوسرے سے لڑ چکے تھے، عیدی رینا نے تو قرا بہادر اور دوسرے مغلوں سے جو ابھی کشمیر سے رخصت نہیں ہوئے تھے، مدد لینے میں گریز نہیں کیا تھا، شیعہ عالم بابا خلیل نے عیدی رینا کو غیر ملکیوں پر بھروسہ کرنے کے تباہ کن نتائج سمجھاکر دولت چک سے اس کی صلح کرادی،[۲] لیکن اس کی حیثیت عارضی

[۱] تاریخ داؤدی ورق ۱۵۰ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۹-۴۸، نیز دیکھو تاریخ خان جہانی ورق ۹۰ب اور بہارستان شاہی ورق ۷۰ب، تاریخ داؤدی میں غلط لکھا ہے کہ مرزا حیدر نے کشمیری سرداروں کو نیازیوں کے خلاف بھیجا تھا منتخب التواریخ میں اس سلسلہ میں مرزا حیدر کا ذکر نہیں ملتا [۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰،

صلح سے زیادہ نہ تھی، کیونکہ نیازیوں کی بربادی کے بعد ہی آپس کے جھگڑے کھڑے ہوئے، ایک طرف ماگرے، کوپوارہ کے چک اور بیہقی سادات تھے، جن کا سربراہ عیدی رینا تھا، اور دوسری طرف دولت چک کی سربراہی میں چک تھے[1]،

۱۵۵۲ء ختم ہو رہا تھا، کہ عیدی رینا نے دولت چک کا تختہ الٹنے کا فیصلہ کیا[2]، لیکن دولت چک کو اس کا پتہ چل گیا، اور اس نے حسین ماگرے اور سید ابراہیم کو قید کر لیا، عیدی رینا کے دوسرے ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور اپنے سردار سے جا ملے، کچھ دنوں کے بعد عیدی رینا ماگروں اور یوسف چک کے ساتھ دولت چک پر حملہ کرنے چلا لیکن اس کے حملہ سے پہلے ہی دولت ان کی چالوں کو سمجھ گیا، اور دریائے جہلم کو پار کر کے سری نگر میں الٹے ان پر حملہ کر دیا، عیدی رینا کو شکست ہوئی، اور اس کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی[3]، لیکن گھوڑے پر تیزی سے بھاگتے ہوئے راول پور[4] میں اس کی گردن ایک

---

۱ بہارستان شاہی ورق ۱۱۷ ب،

۲ بہارستان شاہی ورق ۱۱۸ اب پر ۹۵۸ھ درج ہے، لیکن یہ ۹۵۹ھ مطابق ۱۵۵۲ء ہونا چاہیئے، (دیکھو جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۸ء ص ۲۷۲)

۳ بہارستان شاہی ورق ۱۱۸ الف

۴ یہ سری نگر سے جنوب مغرب میں ایک میل پر ایک گاؤں ہے جو ہوائی اڈے کو جانے والی ٹرک پر واقع ہے

انگور کی شاخ میں پھنس گئی، اور وہ وہیں مرگیا[۱]، اس پر دولت چک نے وزیر اعظم کے فرائض انجام دینے شروع کیے، اس نے نازک شاہ کو معزول کرکے اس کی جگہ پر محمد شاہ کے لڑکے ابراہیم شاہ کو تخت پر بٹھادیا، ابراہیم شاہ مرزا حیدر کے حملہ سے پہلے کچھ عرصہ تک حکومت کرچکا تھا[۲]، نازک شاہ کو اپنے تخت و تاج کی بازیافت کے لیے کوئی امید نہ رہی، وہ پنجاب چلا گیا[۳]،

دولت چک کے ہاتھ میں طاقت آجانے سے وادی میں چکوں کے عروج کا دور شروع ہوتا ہے، جو تیس برس سے زیادہ قائم رہا، ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ چک سہ دیو کے زمانے میں کشمیر آئے تھے، اور سلطان شمس الدین اول نے انہیں ممتاز جگہیں دیں، لیکن محمد شاہ کے زمانہ میں انھوں نے مملکت کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا، انھوں نے وادی کے خاص جاگیردار اور حکمران خاندانوں میں شادی کرکے اپنی عزت اور طاقت بڑھالی، اور اپنی ہوشیاری، محنت استقلال، اور جرات و بہادری سے آخر کار اپنے تمام حریفوں کو

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۵۱ ب، نصرت کھوکر ورق ۳۵ ب، بہارستان شاہی ورق ۱۱۸ الف کا یہ بیان مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عیدی رینا راستہ میں بیمار پڑا، اور سری نگر واپس آکر انتقال کرگیا،

[۲] فرشتہ ص ۳۴۸ رقمطراز ہے کہ ابراہیم نازک شاہ کا لڑکا تھا، لیکن یہ غلط ہے، دولت چک کسی ایسے شخص کو جو چکوں کے خلاف ہو، ہرگز تخت پر نہیں بٹھا سکتا تھا، ابراہیم شاہ اصل میں محمد شاہ کا لڑکا تھا، (طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰) یہ وہی شخص ہے جو پہلے بھی ۲۹-۱۵۲۸ء میں تخت نشین رہ چکا

نیچا دکھایا، اور خود ملک میں بڑی اہمیت حاصل کر لی،

مرزا حیدر نے شیعہ مذہب، نوربخشیہ فرقہ اور شافعی مسلک اور صوفیہ کے مختلف سلسلوں کو ممنوع قرار دیدیا تھا، اور یہ اعلان کرا دیا تھا کہ حنفی مذہب کے علاوہ، کوئی دوسرا مذہب نہیں قبول کیا جا سکتا، لیکن دولت چک نے یہ امتناع ختم کر دیا، اور یہ اعلان کیا کہ لوگوں کو اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کی آزادی ہے، اور کسی کو اپنے اعتقادات کو دوسرے پر زبردستی لادنے کی اجازت نہیں ہے[۴]

اس کے بعد دولت چک نے تین مقبرے بنوائے، ایک شیخ دانیال کا جن کی لاش وہاں لاکر دفن کی گئی، دوسرا میر شمس الدین کا جس کو مرزا حیدر نے منہدم کرا دیا تھا، اور شمس الدین کے خاندان والوں اور خانقاہ کے ملازمین کے گزارے کے لیے جائداد وقف کی، تیسرے مقبرے میں بابا علی نجار کی لاش کو لاکر دفن کیا گیا، ایک وقف قائم کر کے ان کے لڑکے بابا حسن کو اس کا متولی بنا دیا گیا،[۵]

لداخ کے حکمران نے کئی سال سے خراج نہیں ادا کیا تھا، اس کے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۳) تھا، (دیکھو ص ۱۲۱ کتاب ہذا) بہارستان شاہی اور حیدر ملک نے ابراہیم شاہ کے عہد کا ذکر ہی نہیں کیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ نازک شاہ کی جگہ اسماعیل شاہ سلطان ہوا

[۴] بہارستان شاہی ورق ۱۲۰ الف، ۱۲۱ ب،

[۵] ایضاً ورق ۱۲۰ ب ۱۲۱ الف،

علاوہ اس کی رعایا وادی میں گھس کر خوار پار پرگنہ سے بھیڑیں چرا لیا کرتی تھی، یہ پرگنہ نصرت چک کے بھائی حبیب چک کی جائداد میں تھا، اس لیے دولت چک نے ابراہیم چک اور غازی چک کے لڑکے حیدر چک کو لداخ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، اس درمیان میں حبیب چک خود بھی لداخ پر حملہ کر چکا تھا، اس نے لداخیوں کو شکست دے کر، ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا، اور ان کو تین ہزار گھوڑے، پانچ سو چمڑے کے ٹکڑے، سو بھیڑیں، اور تیس یاک خراج میں دینے پر مجبور کیا،

دولت چک نے امراء سے اچھا برتاؤ کیا، اور اپنے دشمنوں کے گروہ کو ملانے کے لیے حسین ماگرے اور سید ابراہیم کو آزاد کر دیا جن کو اس نے اپنے خلاف عیدی رینا سے مل جانے کی وجہ سے قید کر دیا تھا، اس کے خاندان کے کچھ افراد غرض مند اختصاص کے اکسانے پر اس سے جلنے لگے، یہ معاملات اُس وقت انتہا کو پہنچ گئے، جب اس نے غازی چک کی ماں اور اپنے چچا کاجی چک کی بیوہ سے شادی کر لی، غازی چک، حسین چک، اور دوسرے رشتہ داروں نے اس کا بہت برا مانا، اور اس کا تختہ الٹنے کا مصمم ارادہ کیا، [1] ۱۵۵۵ء کے آخر میں جب دولت چک ڈل جھیل میں کشتی پر شکار کھیل رہا تھا، غازی نے اس کی فوج پر جو حسین آباد میں

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۵۱ الف، ب،

تھی۔ اچانک حملہ کر دیا، اچانک حملہ کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ کھڑی ہوئی، اس پر غازی نے تمام گھوڑوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اور دولت چک کے تعاقب میں نکلا[1] لیکن وہ بھاگ پرگنہ کے پہاڑی علاقہ کی طرف نکل گیا، اس کو ایک چرواہے نے پکڑ لیا، اور غازی کے سامنے لا کر پیش کیا، غازی نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں[2]، اب غازی دولت چک کی جگہ وزیر اعظم بنا،

۱۵۵۶ء کے موسم بہار میں نصرت چک اور یوسف چک کی سربراہی میں بعض سرداروں نے غازی اور اس کے بھائی حسین چک کو موت کے گھاٹ اتار دینے کی سازش کی لیکن غازی کو اس سازش کا پتہ چل گیا، اور اس نے ان سربراہوں کو بلا بھیجا، انہیں کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا، اور وہ حکم پا کر حاضر ہوئے، ان کی اس چالبازی پر وہ استفسار کرتا رہا، اور پھر ان کو رات بھر کے لیے روک لیا[3]، اس کی خبر پا کر حبیب چک، شمس رینا، اور محمد ماگرے نے غازی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، انھوں نے قصبہ کے پل کو تباہ کر دیا، اور وہ

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۵۲ اب، بہارستان شاہی ورق ۱۲۲ الف، حیدر ملک (انڈیا آفس) میں اس واقعہ کی تاریخ ۹۷۱ھ درج ہے، یہ غلط ہے، حیدر ملک *Bibleotliеque Natianale* ورق ۱۵۱ الف اور بہارستان شاہی میں ۹۶۲ھ مطابق ۱۵۵۵ء درج ہے، جو طبقات اکبری کے مطابق ہے، [2] حیدر ملک ورق ۱۵۳ اب،

[3] بہارستان شاہی ورق ۱۲۲ اب

ذیالدر کے میدان میں جمع ہوئے، ندی کے دوسرے کنارے پر غازی پہنچا، دونوں طرف سے کچھ دن تیر اور گولیاں چلیں، لیکن یہ معلوم کرکے کہ باغی دن بدن کمک حاصل کرکے طاقت پکڑتے جارہے ہیں، غازی نے ندی کو پار کرکے ان پر ذیالدر میں حملہ کیا، بڑی شدید جنگ کے بعد وہ ان کو شکست دینے میں کامیاب ہوا، حبیب چک مارا گیا، رنگی چک کے لڑکے یوسف چک کو گرفتار کرکے قید خانہ میں ڈال دیا گیا، رینا اور دوسرے لوگ جان بچا کر ہندوستان بھاگ گئے[1]،

ان واقعات کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، کہ بعض دوسرے چک امرا، مثلاً غازی کے بھائی شنکر چک، بہرام چک اور فتح چک نے سوپور میں ایک بغاوت کی سازش کی، لیکن غازی نے ان کے خلاف فوج کشی کرکے ان کو شکست دی، بہرام بھاگ کر کھویاہوم چلا گیا، لیکن وہاں گرفتار ہوا، سری نگر لاکر قتل کر دیا گیا، رنگی چک کے دوسرے لڑکے ابراہیم چک کو گرفتار کرکے پھانسی دیدی گئی، لیکن فتح چک اور شنکر چک بچ نکلے[2]، یوسف کی بینائی زائل کر دینے کا حکم صادر کیا گیا، وہ جیل میں تھا، لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا[3]،

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲۲ الف حیدر ملک ورق ۵۵ الف ۵۶ ب

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۲۳ الف نیز دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۸ جہاں اس سے ذرا مختلف احوال درج ہیں، [3] بہارستان شاہی ورق ۱۲۳ الف،

وہ کشمیری سردار جو ہندوستان بھاگ گئے تھے، ہمایوں سے مدد کے طالب ہوئے، شہنشاہ اُن کو مدد دینے کو تیار تھا، لیکن ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا، اس پر انھوں نے ابوالمعالی سے سلسلہ جنبانی شروع کی، ابوالمعالی کو ہمایوں اپنا بیٹا کہتا تھا، لیکن اکبر نے جلوس کے بعد ابوالمعالی کو اس کی دیدہ دلیری کی وجہ سے قید کیے جانے اور لاہور بھیجے جانے کا حکم جاری کر دیا[1]، وہاں سے ابوالمعالی بچ کر گکھڑوں کے علاقہ میں پہنچا، اگرچہ اس کو کمال خان گکھڑ نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا، لیکن یوسف چک کی مدد سے وہاں سے بھی بھاگ کر وہ نوشہرہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، وہاں اس نے شمس رینا، فتح چک، خواجہ حاجی اور اندھے دولت چک سے فوجی اتحاد کیا[2]، اور تین سو مغلوں اور آٹھ سو کشمیریوں کی ایک فوج بنا کر کشمیر میں پونچھ اور بارہ مولہ کے راستہ داخل ہوا، اور تین کے مقام پر (۱۵۵۸ء) خیمہ زن ہوا[3]، جب غازی کو اس کی

---

[1] ابوالمعالی کے کارناموں کے لیے دیکھو اکبرنامہ ج ۲ ص ۵۷-۱۵۴، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۰۷، طبقات اکبری ج ۲ ص ۱۲۷ اور آگے، [2] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۷، اکبرنامہ ج ۲ ص ۱۵۳-۴، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۰، یہ غلط لکھا ہے کہ ابوالمعالی سے کمال خان عزت سے پیش آیا تھا، اور دونوں مل کر کشمیر فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے، کمال خان اکبر کا وفادار تھا، اور کبھی ابوالمعالی کا خیر مقدم نہیں کر سکتا تھا، دیکھو آئین اکبری (بلوخمن) ص ۵۰۷-۸، طبقات اکبری ج ۲ ص ۱۶۱ اور مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۴ اور آگے، کمال خان اور اکبر کے تعلقات کیلیے

اطلاع ملی، تو اس نے نصرت چک اور سید ابراہیم کو قید سے آزاد کردیا، اور ان کو لے کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، ابوالمعالی سے اس کا مقابلہ ہانجی ویرا[1] میں ہوا، بڑی شدید جنگ ہوئی، جو صبح سے شام تک جاری رہی، حملہ آور ہارنے لگے، شمس رینا نے اس خیال سے کہ ابوالمعالی کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے، ۱۲ سپاہیوں کے محافظ دستہ کے ساتھ اس کو باہر بھیجدیا، اور شدید زخمی ہونے کے باوجود لڑتا رہا، پھر اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا، وہ زندہ پکڑ لیا گیا، اور اگرچہ اس کی لڑکی کی شادی غازی کے لڑکے سے کردی گئی، تاہم اس کو معافی نہ ملی، اور پھانسی دیدی گئی[2] بہت سے مغل بھی قید ہوئے، تھے، ان کے سرتن سے جدا کرکے ان کا ایک مینارہ بنایا گیا[3]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۸) [5] اکبرنامہ ج ۲ ص ۵-۱۸۴، حیدر ملک کا یہ قول کہ ابوالمعالی کا حملہ امراء کی بغاوت سے پہلے ہوا! غلط ہے، بہارستان شاہی، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ میں حملہ کی تاریخ ۹۷۵ھ مطابق ۶۸-۱۵۶۷ء درج ہے، پٹن عرض البلد ۱۰ ر ۴ر ۳۴ اور طول البلد ۲۰ ر ۳۸، میں ایک بڑا گاؤں ہے، جو سری نگر سے ۱۷میل جنوب مغرب میں سری نگر بارہ مولہ سڑک پر واقع ہے، ... [1] ہانجی ویرا عرض البلد ۸ ر ۴ر ۳۴ طول البلد ۲۰ ر ۷۴، میں پٹن سے ۲میل مشرق میں سری نگر جانے والی سڑک پر واقع ہے، یہ ایک بڑا گاؤں ہے

[2] حیدر ملک ورق ۱۵۴ الف، ۱۵۵ الف، اکبرنامہ اور طبقات اکبری میں لکھا ہے، کہ ابوالمعالی کو ایک مغل نے بچا لیا تھا،

[3] کشمیری تاریخوں میں لکھا ہے، دونوں طرف سے چار ہزار افراد مارے گئے، اور سترہ سو مغل قید کیے گئے، لیکن اس تخمینہ میں غلو ہے، اکبرنامہ کے مطابق ابوالمعالی کے پاس صرف تین سو مغل تھے،

اس فتح کے بعد غازی نے نصرت چک کو خیر سگالی مشن پر اکبر کے پاس بھیجا، بیرم خان نصرت سے بڑی عزت و توقیر سے پیش آیا[51] اسی درمیان میں شہنشاہ کے پاس امداد کے لیے غازی کے مخالف کشمیری امرار کی درخواست قرا بہادر کے ذریعہ پہنچ چکی تھی[52] اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور قرا بہادر کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج دی، قرا بہادر کو کشمیر پر حملہ کا پہلا تجربہ تھا، ۹۶۵ھ[53] کے موسم گرما میں قرا بہادر نے نوشہرہ کے راستہ سے فوج کشی کی، لیکن امرار نے اس کی خاطرخواہ مدد نہیں کی، اس کے برخلاف فتح چک اور لوہر چک جو پونچھ میں تھے، اس کو چھوڑ کر غازی سے جا ملے، اسی طرح نصرت نے غازی کے پاس یہ خبر بھیجی کہ وہ مغلوں کا حامی نہیں ہے، جن امرار نے قرا بہادر سے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا، اب اپنے وعدہ سے مکر گئے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس کی فوج کمزور ہے، اور اس کو شکست ہو جائیگی، قرا بہادر کی دل شکنی ہوئی، اور وہ رجوری سے آگے نہ بڑھا، غازی چک

---

[51] حیدر ملک ورق ۱۵۴ الف،

[52] شک ص ۳۸۴ پر لکھتا ہے کہ نازک شاہ بھی قرا بہادر سے مل گیا تھا، لیکن وہ غلطی سے قرا بہادر کو ہمایوں کا لڑکا بتاتا ہے۔ [53] طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۸۸، اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۹، شک نے یہ غلط لکھا ہے کہ قرا بہادر نے ابوالمعالی سے پہلے اور وہ بھی ۱۵۶۱ء کے موسم سرما میں حملہ کیا تھا، اس کا یہ بھی کہنا غلط ہے کہ قرا نے کشمیر پر دوبار حملہ کیا،

ہیرا پور کی طرف بڑھا، اور وہاں سے ٹھنہ کے راستہ سے لوہر کوٹ پہنچا، جہاں سے اس نے پیدل فوج بھیجی، اس نے مغلوں کو رجوری کے قریب شکست دی[1]، پھر اس نے خود قرا بہادر پہ حملہ کیا، جو دنور چلا گیا تھا، یہاں صبح سے شام تک شدید جنگ کر کے اس نے مغلوں کو شکست فاش دی، قرا بہادر جان بچا کر بھاگا، اور اکبر سے آگرہ میں جا کر ملا۔ کشمیری تاریخوں میں لکھا ہے کہ غازی چک نے جنگ سے پہلے اعلان کیا تھا، کہ جو کوئی بھی ایک مغل کا سر لائے گا، ایک اشرفی انعام کا مستحق ہوگا، اس طرح سات سو سے زیادہ سر جمع ہو گئے تھے، غازی چک نے حسب وعدہ ان کو انعام دیا، اور کچھ کو تو پانچ گنا انعام ملا، اس کے بعد وہ سری نگر لوٹا، اور اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں سے، پہلے سے بھی بڑا مینارہ بنوایا[2]،

دولت چک سے حکومت چھین لینے کے بعد غازی چک نے ابراہیم شاہ کو معزول کر کے اس کے بھائی اسماعیل یعنی محمد شاہ کے دوسرے لڑکے کو تخت نشین کیا[3]، ۹۶۵ھ میں اسماعیل شاہ

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲۴ الف، ب، اکبرنامہ ج ۲ ص ۸-۱۹۷، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۸،

[2] حیدر ملک ورق ۱۵۷ الف، نیز دیکھو شک ص ۶-۴۸۴

[3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۳-۴۸۲،

کا انتقال ہوا، تو اس نے اس کے لڑکے حبیب شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کیا۔[۱] حبیب اس کا بھانجا بھی تھا، ۱۵۶۱ء میں یہ بہانا بنا کر کہ حبیب شاہ ناکارہ ہے، غازی چک نے اس کو تخت سے ہٹا دیا، اور امرا کے مشورہ سے خود تخت نشین ہو گیا، اس نے سلطان کا لقب اختیار کیا، اور خاندانِ چک کی داغ بیل ڈالی۔[۲]

۱۵۶۲ء میں فتح چک اور لوہر چک کی سربراہی میں امرا نے پھر بغاوت کی، غازی نے اپنے بھائی حسین چک کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا، اسی اثنا میں سردی کا موسم شروع ہو گیا، اور بہت سے باغی برف کے اندر دب کر مر گئے، بقیہ کشتواڑ کی طرف چلے گئے، لیکن چونکہ وہ بڑی مصیبت میں تھے، انھوں نے حسین چک کے آگے سپر ڈال دی، اس نے ان کی طرف سے غازی شاہ سے گفت و شنید کی، غازی شاہ نے انہیں معاف کر دیا، اور جاگیر عطا کی۔[۳]

لہ بہارستان شاہی ورق ۱۲۵ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۳-۴۸۴، حیدر ملک کے مطابق ورق ۱۵۱ ب، دولت چک نے حبیب چک کو تخت پر بٹھایا تھا، اس کا بیان گنجلک اور ناقابل یقین ہے۔ ٢ بہارستان شاہی ورق ۱۲۵ الف، حیدر ملک ورق ۱۵۳ ب، دیکھو برائے تاریخ طبقات اکبری جو میرے خیال میں قابل وثوق ہے، نوادر الاخبار ورق ۷۷ ب پر لکھا ہے کہ دربار میں ایک دن غازی کے چھوٹے بھائی علی خان نے حبیب کے سر سے تاج اتار کر غازی کے سر پر رکھ دیا، حبیب شاہ گرفتار کر لیا گیا، مزار سلاطین کی بیرونی دیوار پر کندہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انتقال ۱۵۶۳ء میں ہوا۔

۱۵۶۶-۶۷ء مین غازی نے لار کی طرف کوچ کیا، اور وہان سے اپنے لڑکے احمد کو فتح چک کے ساتھ لداخ کو فتح کرنے کے لیے بھیجا، احمد کو سرحد کے پیچھے چھوڑ کر لداخ پر حملہ کیا، اور صحیح سلامت لوٹ آیا، چونکہ لداخی لڑنا نہین چاہتے تھے، انھون نے خراج بھیج دیا، لیکن فتح چک کے کارنامہ سے احمد کو حسد ہوا، اور اس نے اس کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کیا، اگرچہ فتح چک نے اس کو منع کیا، لیکن اس نے صرف ۵۰۰ سپاہیون سے لداخ پر حملہ کردیا، لداخی فوجون نے اس کو شکست دیدی، اور اس کا تعاقب کیا، وہ اس قدر سراسیمہ ہو گیا تھا کہ وہ فتح چک کے فوجی کیمپ مین نہ رک سکا، اور نہ اس سے مل کر دشمن کا مقابلہ کر سکا، اس سے فتح چک کے ساتھیون کا حوصلہ پست ہو گیا، اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے، فتح چک نے دشمن کے خلاف ان کو پھر سے صف آرا کرنا چاہا، لیکن قتل کر دیا گیا، جب غازی شاہ کو اس کی خبر ملی، تو اس نے اپنے لڑکے سے باز پرس کی،[1]

بڑھاپے مین غازی شاہ کو کوڑھ ہو گیا تھا، جس سے اس کی تندرستی اور بینائی دونون پر اثر پڑا، اس نے اپنے بھائی حسین خان کے اوپر حکومت کا سارا کام ڈال دیا، اور اس کو اپنا جانشین بنا دیا، حسین خان اس کے دور حکومت مین اس کا مشیر رہا،[2] پھر

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۹۰-۹۰، [2] بہارستان شاہی ورق ۱۲۵ الف، ب، حیدر ملک ورق ۱۵۸ الف ب

پھر اس نے اپنا تمام اثاثہ دو برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ نصف حصہ اس نے اپنے لڑکے کو دیا، اور بقیہ سوداگروں کو بیچنے کے لیے کہا، لیکن چونکہ سوداگروں کو اس کی مانگی ہوئی قیمتیں بہت زیادہ معلوم ہوئیں۔ انھوں نے حسین خان کے پاس عرضی گذرانی، حسین خان نے ان کو مانگی ہوئی قیمتیں ادا کرنے سے روک دیا، اس سے غازی شاہ اتنا برہم ہوا، کہ اس نے پھر سے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد نامزد کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن ایسا نہ ہوسکا، کیونکہ حسین خان اس کو معزول کر کے ۱۵۶۳ء کے آخر میں خود تخت نشین ہوگیا، اس کے بعد حسین شاہ نے احمد کی آنکھیں نکالنے کا حکم دیا، غازی شاہ نے مداخلت کی، جو بے سود ہوئی، وہ چار سال تک مجبور و بیکس زندہ رہا، اور ۶۷-۱۵۶۶ء میں ۵۰ برس کی عمر میں انتقال کر گیا،[۵۲]

غازی شاہ میں وہ تمام صفات موجود تھیں، جو کسی خاندان کی داغ بیل ڈالنے کے لیے کافی ہوتی ہیں، وہ بیدار مغز، ہمت ور، جفاکش، دھن کا پکا، اور موقع شناس تھا، اس نے ۱۸ سال

---

[۵۱] طبقات اکبری ج ۳ ص ۹۱-۴۹۰

[۵۲] ایضاً ج ۳ ص ۴۹۳

جب ۱۵۲۸ء میں بابر کی فوج نے کشمیر پر حملہ کیا تھا، تو اس وقت غازی چک کی عمر ۱۸ سال تھی (دیکھو ص ۱۲۰ کتاب ہذا) ۶۷-۱۵۶۶ء میں انتقال کے وقت اس کی عمر ۵۰ سال ہوگی،

کی عمر میں اپنے باپ کاجی چک کی نگرانی میں سپاہی کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا تھا، اس نے اس کے ساتھ نہ صرف لڑائیوں میں شرکت کی، بلکہ جلاوطنی اور دوسری صعوبتوں میں بھی ساتھ رہا، کاجی کے انتقال کے بعد وہ خاندان کے دوسرے بزرگ افراد کے تحت کام کرتا رہا، اور اس نے چکوں کو اس طرح متاثر کیا، کہ جب وہ دولت چک سے غیر مطمئن ہوئے تو انھوں نے غازی کو اپنا سربراہ بنایا، برسر اقتدار ہونے پر غازی چک نے باغی سرداروں کا سر کچل دیا، اور ملک میں امن وسکون قائم گیا، لیکن اس کی سب سے اہم خدمت یہ تھی کہ وہ ملک کو مغلوں کے حملہ سے بچانے میں کامیاب رہا، جب کہ ۲۰ سال بعد، اس کے جانشین اس حملہ کو روک نہ سکے غازی شاہ کی شکل وصورت بھدی تھی، لیکن وہ علم وادب کا دلدادہ تھا، اور فارسی میں شاعری بھی کرتا تھا[۱]، وہ اپنے خیرخواہوں سے فیاضی کا برتاؤ کرتا تھا، لیکن غداروں پر اس کو ذرا بھی رحم نہیں آتا تھا، اور وہ ان کو سخت سزائیں دیتا تھا، وہ کشمیر کا پہلا سلطان تھا جس نے سیاسی حریفوں کو اندھا کرنے اور ان کے اعضا کاٹنے کا طریقہ جاری کیا تھا[۲]، بااین ہمہ وہ بہادر تھا، اور بہادروں کو پسند کرتا تھا، اور مخالفت کے باوجود ان کو معاف

---

[۱] شک ص ۳۸۳، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۳۶ ب

[۲] بہارستان شاہی ورق ۱۲۴ ب،

کر دیتا تھا، چنانچہ قرا بہادر کا فوجی کو چک بہادر تیر کھا کر شدید زخمی ہوا، اور گرفتار کر لیا گیا، غازی شاہ نے اس کی جان بخشی کی، اس سے مہربانی سے پیش آیا اور علاج کے لیے اس کو طبیب کے پاس بھیجا،[۵۱]

غازی شاہ بڑا انصاف پسند تھا، ایک مرتبہ سفر میں اس کے چہیتے لڑکے حیدر خان کے ملازم نے زمین سے انگور اٹھا لیا، اس نے دیکھ لیا، اور ملازم کے ہاتھ کٹوا دیے، جب حیدر خان کو یہ معلوم ہوا تو خفگی میں اس نے اپنے باپ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا، غازی شاہ کو اس سے تکلیف ہوئی، اور حیدر کے چچا محمد ملک کو اس کے پاس سمجھانے بجھانے کے لیے بھیجا، حیدر کو غصہ آیا، اور اس نے اپنے چچا کو چھرا گھونپ کر مار ڈالا، غازی شاہ نے حیدر کو پھانسی دیدی، اس کی لاش آٹھ روز تک سولی پر لٹکی رہی، بعد میں دریا میں پھینک دی گئی،[۵۲]

غازی شاہ شیعہ تھا، لیکن تمام مذہبی اعتقادات کی آزادی دے رکھی تھی، نوادر الاخبار کے مصنف کا بیان ہے کہ غازی شاہ متعصب تھا، اور اسی وجہ سے بہت سے سنی سردار، مثلاً نصرت چک، یوسف چک اور ناجی چک کاشغر گئے، اور اس کا تختہ الٹنے کے لیے قرا بہادر کو بلا کر لائے،[۵۳]

---

۵۱ اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۹۹،

۵۲ حیدر ملک ورق ۸۵ الف، ۸۷ ب،

۵۳ نوادر الاخبار ورق ۸۷ ب،

لیکن کشمیری امرا کے کاشغر جانے کی کوئی بھی مستند شہادت نہیں ملتی،
اس کے علاوہ اکبر نے قرا بہادر کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا،
تو بہت سے سنی امرار نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، اور غازی
شاہ کے وفادار رہے، اسی طرح یہ کہنا غلط ہے، کہ غازی شاہ کے
دورِ حکومت میں مذہبی اختلافات کی بنا پر بغاوتیں ہوئیں، اس کا
خاص سبب یہ تھا کہ امرار میں اقتدار پانے کی باہمی چپقلش جاری
تھی، نہ تو حیدر ملک سے یہ ثابت ہوتا کہ غازی شاہ متعصب شیعہ
تھا نہ بہارستان شاہی سے،

سلطان حسین شاہ (۹۶۷ھ)

تخت نشین ہوتے ہی حسین شاہ کو کئی سازشوں اور بغاوتوں سے
نپٹنا پڑا، اس کے خلاف پہلی سازش غازی کے لڑکے احمد خان، محمد مارگرے
اور نصرت چک نے کی تھی، لیکن حسین شاہ کو اس کا سراغ مل گیا، اس لیے
شورش پسندوں کو ان سے عہد وفاداری لینے کے بہانے سے بلایا،
وہ جب آئے، تو ان کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا،

۹۶۵ھ میں حسین کو اپنے چھوٹے بھائی شنکر چک کی بغاوت
کا سامنا کرنا پڑا، کشمیر سے بھاگ کر شنکر چک نے نوشہرہ کے علاقہ
میں لگانون پر قبضہ کر کے اور کسانوں کو پریشان کر کے آفت مچا
رکھی تھی، اس پر حسین شاہ نے محمد ناجی اور اپنے چھوٹے بھائی علی خان چک

سلہ بہارستان شاہی ورق ۱۲۵ الف، ۲۲ ب طبقات اکبری ج ۳ ص ۹۲-۹۱ ہم

کو پونچھ روانہ کیا، انھوں نے تسنکر پر حملہ کیا، اور اس کو شکست دیدی،[۱] لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس نے دوبارہ علم بغاوت بلند کر دیا، علی چک نے رجوری کے قریب اس کو ایک بار پھر شکست دی[۲]

۱۵۶۵-۶۶ء میں جب حسین شاہ تھنار جھیل[۳] میں شکار کھیلنے گیا تھا، فتح خواجہ بقال اور اس کے لڑکے کو سلطان نے "خان زماں[۴]" اور "بہادر خان"، کے خطابات سے نوازا تھا، لیکن ان دونوں نے فتح چک، شمس دونی اور دوسرے امرا کی مدد سے اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہا، ان کا منصوبہ یہ تھا، کہ محل میں داخل ہو کر اپنے حریفوں کو قتل کر دیں، اور احمد خان، محمد ماگرے اور نصرت چک کو قید سے آزاد کرا دیں، لیکن ناجی کو جس کے سپرد راج دھانی کی نگرانی تھی، اس سازش کا پتہ چل گیا، اس لیے جب باغی محل میں داخل ہوئے، تو ان کو سخت مقابلہ کا سامنا ہوا، اور آخرکار ان کو پسپا ہونا پڑا، فتح چک اور بہادر خان مارے گئے، اور خان زماں گرفتار ہوا، اس درمیان میں حسین شاہ نے دور سے اس آگ کو دیکھ لیا تھا، جو باغیوں نے محل میں لگائی تھی، وہ فوراً

---

۱ حیدر ملک ورق ۶۰ ب ۶۲ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۱۰۴۔

۲ ایضاً ج ۳ ص ۲۰۴، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۲، (ترجمہ) میں علی خان کو غلطی سے عالم خان لکھ دیا گیا ہے،

۳ سری نگر سے ۵ میل جنوب مشرق میں جہلم کے بائیں کنارے پر ایک جھیل ہے،

۴ بہارستان شاہی ورق ۱۶۲ اب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خان زمان وزیر تھا،

واپس آیا، اور خان زمان اور اس کے ساتھیوں کے اعضا کاٹنے کا حکم صادر کیا،[1]

اس کے فوراً بعد وزیر مبارز خان نے لوہر چک سے مل کر حسین شاہ کے خلاف سازش کی، لیکن سازش کرنے والے گرفتار کر لیے گئے، اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، نصرت چک جو قید خانہ میں تھا، اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں،[2]

۶۸-۱۵۶۷ء میں مبارز خاں کے زوال کے بعد ملک لولی اس کی جگہ وزیر ہوا، لیکن سرکاری ملکیت کے ۴۰ ہزار خروار دھان کو غبن کرنے کے الزام میں اس کو برخاست کر دیا گیا، اور اس کی جگہ علی کوکا کا تقرر ہوا،[3] علی کوکا کے دوران وزارت میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا، جس کا کشمیر کی تاریخ پر بڑا گہرا اثر پڑا،

۶۹-۱۵۶۸ء میں ایک دن ایک متعصب سنی قاضی حبیب گھوڑے پر سوار سری نگر کی سڑک سے گذر رہا تھا، اچانک اس کی ملاقات یوسف غیدار سے ہوئی، جو بڑا ہی کٹر شیعہ تھا، قاضی نے شیعوں کو گالی دی، جواب میں یوسف نے قاضی کو گالی دی، اس پر قاضی حبیب نے اس کو کوڑے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲۶ الف ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۲، حیدر ملک لکھتا ہے کہ خان زمان کی صرف فہمائش کی گئی تھی،

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۲۶ ب

[3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۳-۴۹۴،

مارا، یوسف نے میان سے تلوار نکال لی، اور قاضی کو زخمی کر دیا، قاضی گھوڑے سے گر پڑا، علی کوکا خود بھی ایک پکا سنی تھا، جب اس کو اس معاملہ کی خبر ملی تو اس نے فوراً حسین شاہ کے گوش گذار کر دی، اور اس کی اجازت سے علمار کی ایک مجلس بلائی، جس میں قاضی موسیٰ، ملا یوسف الماس اور ملا فیروز گنائی شریک ہوئے، اس مجلس میں یوسف کو موت کی سزا دی گئی[1] یوسف کی پھانسی سے شیعہ علمار میں بہت ناراضگی پھیل گئی، اس کو کچھ سنی علمار نے بھی پسند نہیں کیا، کیونکہ ان کے خیال میں مسلمانوں کے چاروں فقہی مسلک کی رو سے یوسف موت کی سزا کا مستوجب نہیں ہوتا تھا[2] جو قاضی حبیب بھی سزا کے خلاف تھا، کیونکہ وہ یوسف کے حملہ کے زخم سے مرتو نہیں گیا تھا[3]

اسی زمانے میں اکبر نے مرزا مقیم کو کشمیر میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا، حسین شاہ نے اپنے اعلیٰ عہدہ داروں کو اس سے ملنے کے لیے ہیرا پور بھیجا، اور خود سری نگر سے باہر آکر اس کا استقبال کیا[4] اس وقت وہ یوسف کی پھانسی کے تنازعہ سے بہت پریشان تھا، اس نے اس معاملہ کا ذکر مرزا مقیم سے کیا، مرزا نے تمام ممتاز علمار کو بلایا اور ان علمار کو بھی بلایا، جنھوں نے یوسف کی موت کی سزا دی تھی، اس دعوت پر بھی علمار آگئے

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲۷ الف، ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۴،

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۲۷ ب، [3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۴،

[4] ایضاً بہارستان شاہی ورق ۱۲۸ الف،

صرف قاضی موسٰی نہیں آئے، جو شہر سے فرار ہو کر کہیں جا چھپے تھے، قاضی زین الدین اور ملا رازی نے ملا یوسف الماس اور ملا فیروز سے یوسف کو موت کی دی جانے والی سزا کا جواز پوچھا، جب کہ قاضی حبیب کے زخم سے موت واقع نہیں ہوئی تھی، انھوں نے جواب دیا کہ یہ فتوی حسین شاہ کے مشورہ سے دیا گیا تھا، جو یوسف کو سیاسی اسباب کی بنا پر پھانسی دلانا چاہتا تھا، اور علی کوکا سے اس نے ایسا کہلوایا تھا، لیکن سلطان نے اس سے بے تعلقی ظاہر کی، اور کہا کہ اس معاملہ سے اس کا بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اس نے فیصلہ خود نہیں کیا، بلکہ قاضیوں کے حوالہ کر دیا، آخر میں سنی اور شیعہ علما نے شافعی قانون کے مطابق ملا فیروز اور ملا یوسف الماس کی پھانسی کا فتوی دیا، قاضی عبدالغفور جو حنفی تھے، اور قاضی زین الدین جو شافعی تھے، اس فیصلہ سے متفق تھے، [1]

اس کے فوراً بعد مرزا مقیم نے کشمیر سے رخت سفر باندھا، حسین شاہ نے اس کے ساتھ بابا علی کے لڑکے یعقوب مرزا [2] کو اپنا وکیل بنا کر قیمتی تحفے تحائف کے ساتھ شہنشاہ کے پاس روانہ کیا، حسین شاہ نے اپنی لڑکی بھی شہزادہ سلیم سے شادی کے لیے بھیجی، اسی درمیان

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۲۸ الف ۲۹ ب، طبقات اکبری کے مطابق زین الدین شیعہ تھا

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۳۰ الف منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۲۸، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۴

[3] یہ غلط درج ہے کہ یعقوب کو اکبر نے بھیجا تھا، یعقوب کشمیر کے ایک شیعہ عالم بابا علی کا لڑکا تھا،

میں علی کو کا نے کچھ امرا اور علما کو ملا عبد اللہ کی سربراہی میں شاہی دربار میں اکبر سے مرزا مقیم کی شکایت کرنے کے لیے بھیج دیا تھا، انھوں نے قاضی حبیب اور یوسف کے معاملہ کو غلط رنگ دے کر اکبر سے بیان کیا جس سے اکبر اتنا برہم ہوا کہ مرزا مقیم کے آگرہ پہونچتے ہی شیخ عبد النبی اور دوسرے علما کے مشورہ پر اُس کو قتل کر دیا گیا، شہنشاہ نے یعقوب کو بھی پھانسی کا حکم دیدیا، حالانکہ وہ سفیر تھا، اور تحفے تحائف کیساتھ حسین شاہ کی لڑکی کو سری نگر واپس بھیجدیا۔[۱]

اپنی حکومت کے آخری دور میں حسین شاہ کے منہ میں سرطان ہوگیا تھا، علی کوکا اور ناجی ملک نے اس کو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو تخت پر بٹھانے اور اپنے بھائی علی خان کو سید مبارک کے ساتھ قید کرنے کا مشورہ دیا، لیکن حسین شاہ کے اقدام سے پہلے علی خان کو اس کی خبر مل گئی، اور وہ سوپور بھاگ گیا، جہاں سید مبارک اور دوسرے مخالف سردار اُس سے آملے، اس نے ایک اچھی خاصی فوج جمع کی اور اور سری نگر کی طرف کوچ کیا، اور فتحیاری کے پاس خیمہ زن ہوا، اس نے شاہی فوج کے شبخون حملہ کو پسپا کر دیا، اور صبح کے وقت راجدھانی میں داخل ہوگیا، چونکہ حسین شاہ کے پاس تاب مقاومت نہیں تھی،

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۱۳۰الف، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۲۰، نیز دیکھو رائز آف محمڈن پاور ان انڈیا، مصنفہ برگس، (Briggs) ج ۴ ص ۵۱۹، طبقات اکبری، اور فرشتہ نے صرف مرزا مقیم کی پھانسی کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ ناممکن نہیں کہ اکبر نے غصہ میں آکر حسین شاہ کے سفیر کو بھی قتل کرنے کا حکم دیدیا،

اس لیے ناجی ملک اور علی کوکا کے مشورہ سے اس نے تخت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا، بابا خلیل کے ہاتھ تاج کو علی خان کے پاس بھیج دیا،[1]

خاندان چک میں حسین شاہ ہر لحاظ سے سب سے بہتر حکمران تھا، اس کی حکومت مضبوط ہونے کے علاوہ معتدل اور انصاف پسند بھی تھی، اور اس کی رعایا، ایران کے عظیم ساسانی شہنشاہ کے نام پر اس کو نوشیروانِ عادل کہتی تھی، وہ ان کی شکایتیں سنتا تھا، ڈاکوؤں اور لالچی عمال سے ان کو بچاتا تھا، اور ان کی خوشحالی کے لیے کوشش کرتا تھا، وہ بہت سخی بھی تھا،[2] اور فجر کی نماز کے بعد روزانہ غریبوں اور حاجت مندوں کو روپیہ تقسیم کرتا تھا،[3] اگرچہ خود شیعہ تھا، لیکن حنفی قانون پر عمل درآمد کیا اور خوارزم کے ایک سنی فقیہ سید حبیب کو سری نگر کا قاضی اور جامع مسجد کا امام مقرر کیا،[4] اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ نہایت ہی اچھا تھا، اس نے ان کو اپنے مذہبی رسوم کو ماننے اور تہوار منانے کی پوری آزادی دے رکھی تھی، کچھ تہواروں میں مثلاً بسنت اور شری نیچی میں وہ خود بھی شرکت

---

۱ بہارستان شاہی ورق ۱۳۱ الف، ۱۳۲ ب، ۲ ایضاً ورق ۱۲۵ ب، حیدر ملک ورق ۱۵۸ ب، تسک ص ۲-۳۹۱

۳ حیدر ملک ورق ۱۵۹ ب،

۴ واقعات کشمیر ورق ۵۲ الف، ۷۰ الف، نوادر الاخبار ورق ۱۰۸ الف وغیرہ نے اس پر ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی کے برتاؤ کا غلط الزام لگا دیا ہے،

کرتا[1]، وہ علم وادب اور موسیقی کا شائق تھا، فارسی میں شاعری کرتا تھا[2]، اور فن کاروں اور اہل علم کی صحبت کو پسند کرتا، وہ ہفتہ بھر یوں کام کرتا تھا، سوموار کے دن قاضیوں اور میر عدل کے ساتھ دربار کرتا، منگل کو شکار کھیلنے جاتا، بدھ کو اپنی فوج کے ساتھ دن گذارتا، جمعرات کا دن ماہرین موسیقی اور احباب کے ساتھ گزارتا، جمعہ کے دن وہ علماء سے بحث وتحیص کرتا، سنیچر کے دن وہ ہندو اور بودھ پروہتوں کے ساتھ رہتا، اور اتوار صوفیوں کے ساتھ گزارتا[3]،

حسین شاہ کی حکومت کے آخری ایام میں اس پر مختلف قسم کی پریشانیوں کے بادل چھائے رہے، جن میں سے کچھ تو ذاتی اور کچھ رعایا سے متعلق تھیں، ایک تو یوسف غدار اور قاضی حبیب کا معاملہ تھا، جو اس کے لیے لامتناہی مصائب کا سبب بنا رہا، پھر اس کا لائق اور بہادر لڑکا جس کو وہ بہت چاہتا تھا، چیچک سے مر گیا[4]، اس سے اس پر اتنا غم ہوا، کہ اس کو دق کا مرض ہوگیا[5]، تخت سے دستبردار ہونے کے بعد کچھ درباریوں نے علی شاہ کو اسے قید کرنے اور اس کی بینائی زائل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن علی شاہ نے ان کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا،

---

۱ شک ص ۳۶۳ ۲ واقعات کشمیر ورق ۵۲ ب،

۳ حیدر ملک ورق ۱۵۹ ب،

۴ بہارستان شاہی ورق ۱۲۸ الف، حیدر ملک ورق ۱۲۵ الف،

۵ حیدر ملک ورق ۱۲۵ الف،

اور حسین شاہ کو نقل و حرکت اور اپنے خزانہ کے استعمال کی پوری آزادی دے رکھی تھی،[1] حسین شاہ مستقل قیام کے لیے زین پور چلا گیا تھا، اور وہیں بخار میں مبتلا ہو کر ایک سال کے بعد انتقال کر گیا[2]

سلطان علی شاہ (۸ - ۱۵۷۰ء)

تخت نشین ہونے پر علی شاہ نے سید مبارک بیہقی کو اپنا وزیر مقرر کیا، جو اس کا بہت پرانا اور وفادار دوست تھا، دوستی کے رشتہ کو مزید استوار کرنے کے لیے اُس نے اپنی لڑکی مبارک کے لڑکے ابو المعالی سے بیاہ دی[3]

تقریباً دو سال تک ملک میں امن و امان رہا لیکن ۱۵۷۱ء کے آخر میں نوروز چک کے لڑکے علی خان چک نے تخت شاہی پر قبضہ کرنے کے خیال سے کچھ امراء سے ساز باز کیا، سازش کا پتہ چلنے پر علی شاہ نے اس کو پھانسی دینی چاہی، لیکن سید مبارک نے اس کی سفارش کی، اور اس کو اس کے گھر کمراج واپس بھیج دیا، علی خان وہاں بہت دن مقیم نہیں رہا، وہ لاہور بھاگ گیا، اور اکبر کے والی پنجاب حسین قلی خان

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۳۲ ب ۱۴۴ الف، شک ص ۳۹۳، مصنف بہارستان شاہی کے مطابق سید مبارک نے حسین شاہ کو اپنے بھائی کی آنکھیں نہ پھوڑنے کا مشورہ دیا تھا، [2] شک ص ۳۹۳ پر لکھا ہے کہ حسین شاہ کا بعارضہ مرگی انتقال ہوا تھا لیکن اس کی کوئی دوسری سند موجود نہیں ہے، سلطان کو دق کا عارضہ تھا، اور شاید وہ بخار میں مبتلا ہو کر مرا تھا [3] بہارستان شاہی ورق ۱۴۳ الف،

سے مدد مانگی،[۵۱] جب یہ خبر سری نگر پہنچی، تو کچھ درباریوں نے جو مبارک سے جلتے تھے، اس کو علی چک کے بھاگ جانے کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس پر غداری کا الزام رکھا، علی چک کو حسین خان سے خاطر خواہ مدد ملی، وہ بان کوٹ بھاگ گیا، علی شاہ نے فوراً اس کے خلاف فوج کشی کی، وہ گرفتار کر کے سری نگر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا، لیکن ایک سال کے بعد اس نے سلطان کو ایک سو، سونے کے دینار نذر کیے، تو اس کو قید سے رہا کر دیا گیا،[۵۲]

۱۵۷۲-۳ء میں علی شاہ کے لڑکے اور جانشین نے بغاوت کی، چونکہ غازی شاہ کا لڑکا عیبہ خان بھی تخت کا دعویٰ دار تھا، اس سے یوسف کے تعلقات معاندانہ ہو گئے، محمد بٹ کے اشتعال دلانے پر اس نے اپنے ساتھیوں کو لے کر عیبہ خان کے مکان پر دھاوا کیا، اور اس کو قتل کر دیا، اور پھر سلطان کے ڈر سے سوپور چلا گیا، جہاں اس نے علم بغاوت بلند کیا، عیبہ خان کو مار ڈالنے اور بغاوت کرنے کی وجہ سے علی شاہ یوسف سے سخت برہم تھا، اس نے اپنے بھائی ابدال خان کی کمان میں اس کے خلاف فوج کشی کی، ابدال یوسف

---

[۵۱] حسین قلی خان بیرم خان کا بھانجا تھا، اکبر کے عہد میں اس کی بڑی عزت تھی، اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھا، وہ ۱۵۶۹ء سے ۱۵۷۳ء تک والی پنجاب رہا، اس کی زندگی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۴۵ وغیرہ

[۵۲] ایضاً ورق ۱۳۴ الف، نیز دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۵،

پر حملہ اور اس کو تباہ کرنے کے لیے بے چین تھا، کیونکہ اس سے اس کو خود اپنی جانشینی کا موقع مل جاتا، لیکن سید مبارک نے باپ بیٹے کی جنگ کی مخالفت کی، اور ان میں مصالحت کرا دی، لیکن محمد بٹ کو معافی نہ ملی، اور اس کو قید کر دیا گیا۔[1]

اس واقعہ کے فوراً بعد کشمیر کے دو امرا شمس دونی اور محمد مراج نے ملک کے اندر انتشار پیدا کرنا شروع کر دیا، لیکن جب علی شاہ نے ان کے خلاف فوجکشی کی تو وہ ڈر کر سید مبارک کی پناہ میں آ گئے، سید مبارک نے ان کی سفارش کی، اور سلطان نے ان کو معاف کر دیا۔[2]

۹۸۳ھ مطابق ۷۶-۱۵۷۵ء میں علی شاہ کو ایک بڑے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا، یہ خطرہ نازک شاہ کے لڑکوں حاجی حیدر خان اور سلیم خان کے کشمیر پر حملہ کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔[3] وہ پنجاب میں جلا وطنی کے دن گذار رہے تھے، انھوں نے بعض کشمیری سرداروں سے خط وکتابت کی، اور ان کی طرف سے مدد کا اشارہ پاکر وادی کی طرف تخت پر دعویٰ کرنے کے لیے چلے، ان کے نوشہرہ آنے اور

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۳۵ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۹۹ پر عیبہ خان کا نام غلط طور پر ابراہیم خان لکھا ہے۔ [2] بہارستان شاہی ورق ۱۳۶ الف، ب، [3] حیدر ملک ورق ۱۶۵ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۹ کے مطابق حیدر خان محمد شاہ کا لڑکا تھا، اور سلیم اس کا چچا زاد بھائی تھا،

حامیوں سے ملنے کی خبر پاکر علی شاہ نے فوراً اپنے بھائی لوہر چک اور محمد چک کی کمان میں ان کے خلاف فوج روانہ کی، ٹھنہ پہنچنے پر محمد چک نے لوہر کو گرفتار کر کے اس کو دشمن کے حوالہ کر دیا، یہ اطلاع پاکر علی شاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور ناجی ملک کے یقین دلانے کے باوجود کہ محمد غدار نہیں بلکہ وفادار ہے، اس کے اندیشے کم نہ ہوئے، لیکن جیسا کہ ناجی نے پیشگوئی کی تھی، بات وہی ہوئی، محمد خان نے لوہر چک کے حوالہ کرنے کے بعد حاجی حیدر اور سلیم کو تحفظ کا غلط احساس دلا کر ایک جھوٹی تسلی دیدی تھی، اور جس وقت وہ نوشہرہ سے رجوری جا رہے تھے، ان پر سنگ پور میں اچانک حملہ کر دیا، سلیم خان مارا گیا، لیکن حاجی حیدر جان بچاکر ہندوستان بھاگ جانے میں کامیاب ہوا، اس کے بعد محمد خان نے لوہر کو آزاد کرایا، اور اس کے ساتھ سری نگر لوٹا،[۱]

سنہ ۹۸۳ھ میں علی شاہ نے کشتواڑ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے حکمران بہادر سنگھ نے شاہ کا اقتدار ماننے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ اس نے تین فوجی دستے ابدال خان، علی خان، اور نوروز چک کی کمان میں کشتواڑ پر تین طرف سے حملہ کرنے کے لیے روانہ کیے، وہ خود سنگ پور میں خیمہ زن ہوا،[۲] بہادر سنگھ یہ جان کر کہ اس کے پاس مقابلہ

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۷۵ اب ۶۷ ب، نیز دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۰-۴۹۹

[۲] عرض البلد ۳۳۰۲۸ اور طول البلد ۵، ۷۵ ہے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو دریائے مرل کے کشتواڑ کی جانب کشیر خول چشمہ کے بائیں کنارے پر واقع ہے،

طاقت نہیں ہے، صلح کرنے پر آمادہ ہوا، اس نے علی شاہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لیا، خراج دینے کے وعدہ کے علاوہ اپنے ایک رشتہ دار کی بیوی کو بھی تحفہ میں پیش کیا، جس سے سلطان محبت کرتا تھا، علی شاہ نے اس سے شادی کر لی، اور اس کا نام فتح خاتون رکھا[۱]، لیکن بہادر سنگھ نے خراج ادا نہ کیا، علی شاہ کو ۱۵۷۴ء میں پھر اسمٰعیل گنائی کی نگرانی میں اس کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی، لیکن پہلے کی طرح اس بار بھی بہادر سنگھ نے صلح کر لی، اس نے آیندہ باقاعدہ خراج دینے کا وعدہ کیا، اور اپنی بہن شنکر دیوی کو علی شاہ کے پوتے یعقوب سے شادی کے لیے بھیجا[۲]

۳؍جولائی ۱۵۷۸ء[۳] کے قریب اکبر نے کلانور کے گرد و نواح سے ملا عشقی اور قاضی صدر الدین کو شہزادہ سلیم اور حسین شاہ کی لڑکی کے رشتہ کے لیے سفیر بنا کر بھیجا، لیکن اس کا اصل مقصد کشمیر پر حملہ کرنے کے امکانات کو معلوم کرنا تھا، علی شاہ نے رشتہ منظور کر لیا، اور اپنے وکیل محمد قاسم کو اپنی بھتیجی کے ساتھ شال، مشک، زعفران کے تحفوں سمیت شاہی دربار میں

---

۱ حیدر ملک ورق ۱۶۷ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۵ کے مطابق وہ بہادر سنگھ کی لڑکی تھی

۲ حیدر ملک ورق ۱۶۷ الف، ب جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی ج ۴ ص ۳۷،

۳ حیدر ملک ج ۳ ص ۱۵۷، الیٹ ج ۵ ص ۴۱۱، بدایونی ج ۲ ص ۲۴۷، فرشتہ اور طبقات اکبری کی تاریخ ۹۸۰ھ مطابق ۱۵۷۲-۳ء غلط ہے،

بھیج دیا، اس نے اکبر کے نام سے خطبہ پڑھوایا، اور سکے ڈھالے[1]،

علی شاہ قابل اور منصف مزاج حکمران تھا، اور کسانون کی فلاح وبہبود کا خیال رکھتا تھا، جب ۹۸۵ھ میں غدید برف باری کی وجہ سے ربیع کی فصل نہیں ہوئی، اور ملک میں قحط پڑ گیا، تو اس نے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیا، اور غریب وحاجت مند کو روپیہ تقسیم کیا[2] وہ شفیق اور رحمدل تھا، اور انکو بھی معاف کر دیتا تھا، جو اس کے خلاف ہتھیار اٹھاتے تھے، اس نے غازی شاہ کے زمانہ سے سیاسی حریفوں کو اندھا کرنے اور اعضا کاٹنے کی رسم کو ختم کر دیا[3]، وہ آزاد خیال حکمران تھا، شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا، اس نے ایک سنی سید مبارک کو اپنا وزیر بنایا، اور حمزہ مخدوم جیسے صوفی اور ان کے دو شاگردوں بابا داؤد گنائی اور بابا رتنی ہروی کی بڑی عزت کرتا تھا، وہ شیخ یعقوب صرفی اور خواجہ محمد رفیق جیسے بزرگون کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتا[4]، وہ صبح اور دوپہر

---

[1] واقعات کشمیر ورق ۵۳ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۹۹-۴۹۸، طبقات اکبری میں یہ غلط درج ہے کہ جو عورت بھیجی گئی تھی، وہ علی شاہ کے بھانجے کی لڑکی تھی،

[2] حیدر ملک ورق ۱۲۷ ب ۱۲۸ الف۔ [3] بہارستان شاہی ورق ۱۳۷ الف

[4] نوادرالاخبار ورق ۸۰ الف ۸۰ ب، آئین اکبری (بلاخ من) ص ۱۵۷، حاشیہ ۲،

کو چوگان کھیلا کرتا تھا، لیکن ۱۵۰۹ء کے شروع میں ایک روز شکار کھیلتے وقت بری طرح زخمی ہو گیا، وہ محل واپس آیا، اور یہ محسوس کر کے کہ اب اس کا آخری وقت ہے، اس نے اپنے سب سے بڑے لڑکے یوسف خان کو سلطان بنایا۔[1]

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۶۸ ب ۱۶۹ الف، بہارستان شاہی ورق ۱۳۷ ب، ۱۳۸ الف۔

نواں باب (۹)

یوسف شاہ اور اکبر

علی شاہ کے انتقال پر اس کے بھائی ابدال چک نے تخت شاہی حاصل کرنا چاہا لیکن سید مبارک نے بیچ بچاؤ کر کے جنگ کی نوبت نہ آنے دی، اور یوسف شاہ کی اجازت سے ایک شیعہ عالم بابا خلیل کو ابدال کے پاس بھیجا، اور کہلا بھیجا کہ اس کو جنگ و جدال کے خیالات ترک کر کے علی شاہ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونا چاہیے، لیکن عیبہ خان کے قتل کی وجہ سے ابدال کو یوسف پر اعتماد نہیں رہ گیا تھا، اس نے شرکت سے انکار کر دیا۔ اس پر سید مبارک خود ابدال کے پاس گیا، اس کے ساتھ محمد بٹ اور بابا خلیل تھے، انھوں نے یوسف شاہ اور اپنی جانب سے تجہیز و تکفین کے موقع پر ابدال کو پورے تحفظ کا یقین دلایا، انھوں نے ابدال کو تخت شاہی پہ دعوی ترک کر دینے کی بھی ترغیب دلائی، کیونکہ اس وجہ

یوسف کا حق سب سے زیادہ تھا،[1] لیکن ابدال نے ان کی بات نہ مانی، اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد وہ واپس آئے، اور انھوں نے یوسف کو ابدال پر فوراً حملہ کرنے کا مشورہ دیا، یوسف نے ایک فوج تیار کی، جس کا ہراول دستہ محمد خان، قلب سید مبارک اور عقب اس کی اپنی نگرانی میں تھا، اس کی خبر پاکر ابدال نوہٹہ کی طرف بڑھا، اور محمد خان سے مقابلہ ہوا، اگرچہ وہ گولی سے زخمی ہو گیا تھا، لیکن بدستور لڑتا رہا، اس درمیان میں مبارک ۲ ہزار سوار لے کر محمد خان کی مدد کو پہنچا، بڑی شدید جنگ کے بعد سید مبارک نے ابدال کو مار ڈالا،[2] اس سے اس کے ساتھیوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، شمس چک اور حبیب چک جان بچا کر بھاگ گئے،[3] ان کا تعاقب کرتے وقت سید مبارک کا لڑکا، سید جلال اپنی جان گنوا بیٹھا، یوسف شاہ چھوٹی سی فوج لے کر عقب میں موجود تھا، جنگ ختم ہونے کے بعد وہ میدان جنگ میں آیا، اور ابدال کی

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۳۸ الف، ب نیز دیکھو حیدر ملک ورق ۱۶۹ ب ۱۷۰ ب، [2] حیدر ملک ورق ۱۷۱ الف، آئین اکبری (بلاخ من) ص ۵۳۵ اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۰۸ یہ لکھا ہے کہ وہ گولی کھا کر مرا، لیکن بہارستان شاہی ۱۴۰ اب، ۱۴۱ الف کے مطابق ابو المعالی کے تیر سے زخمی ہوا، اور آخر میں سید حسین خان نے اس کو مار ڈالا، لیکن بہارستان شاہی میں بھیقی سادات کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ [3] شمس چک دولت چک کا لڑکا تھا، اور حبیب چک ابدال چک کا،

لاش کو دفن کرنے سے روک دیا، لیکن سوپور کے قاضی اور قاضی موسیٰ نے اس کا حکم نہ مانا، اور اسی روز اس کو خاندانی قبرستان میں دفن کر دیا، دوسرے دن اپنے باپ کی موت کے سلسلہ مین آخری رسوم ادا کر کے یوسف نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا[۵۱]،

ابھی یوسف کو برسراقتدار ہوئے صرف دو مہینے ہوئے تھے، کہ اس کو ایک شدید بغاوت کی وجہ سے تخت سے دست بردار ہونا پڑا[۵۲]، اس بغاوت کا سربراہ ابدال بٹ تھا، کیونکہ اپنے بجائے محمد بٹ کے وزیر مقرر ہو جانے پر وہ برگشتہ ہو گیا تھا[۵۳]، اس نے بہت سے امراء کو اپنی طرف ملا لیا، جو یوسف شاہ سے برگشتہ تھے، کیونکہ وہ اپنا زیادہ تر وقت ارباب نشاط کی صحبت میں گزارتا تھا، اور انتظام سلطنت کی طرف سے چشم پوشی کرنے لگا تھا[۵۴]، اس نے یوسف کو معزول کر کے مبارک کو اس کی جگہ تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کیا، مبارک شاہ نے پہلے تو یوسف کے خلاف ہتھیار اٹھانے

---

۵۱ بہارستان شاہی ورق ۱۳۹ الف ۴۲ ب. حیدر ملک ورق ۱۷۰ الف ۱۷ ب

۵۲ بہارستان شاہی ورق ۱۴۲ ب، فرشتہ اور طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ یوسف دو مہینے تک برسراقتدار رہا، لیکن حیدر ملک ورق ۱۷۱ ب، اس میعاد کو ایک مہینہ دو دن بتاتا ہے، ۵۳ بہارستان شاہی ورق ۱۴۲ ب،

۵۴ حیدر ملک ورق ۱۷۲ الف،

سے انکار کر دیا، اور بابا خلیل کے ذریعہ طرفین میں مصالحت کرانے
کی کوشش کی، یوسف اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے مخالفوں کو صاف
کرنے کا عادی نہیں تھا، اس لیے مبارک کو باغیوں کا ساتھ دینا
پڑا[1]۔ اس وقت ناجی ملک نے یوسف کو خزانہ کا منہ کھولنے اور
عوام میں روپیہ تقسیم کرنے کا مشورہ دیا، تاکہ لوگ اس کے معاون
ہو جائیں، لیکن یوسف نے اس کے مشورہ پر عمل نہیں کیا[2]۔ ناجی نے
یوسف کے سامنے یہ بھی تجویز پیش کی کہ نوجوان اور ناتجربہ کار
محمد خان کی نگرانی میں فوج روانہ کرنے کے بجائے، اس کو باغیوں
کے خلاف خود فوج کشی کرنی چاہیئے، لیکن اس کے باوجود یوسف
نے محمد خان کی بغاوت میں عیدگاہ فوج روانہ کر دی، جہاں باغی
جمع ہوئے تھے، اور وہ خود ذیالدر کے میدان کی طرف بڑھا[3]۔ محمد
خان نے نوکدل کا پل پار کر کے دشمن پر حملہ کیا، سخت جنگ ہوئی،
طرفین کے تین سو آدمی مارے گئے، لیکن محمد خان مارا گیا، اس سے اس
کے ساتھیوں میں سراسیگی پھیل گئی، اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، کچھ

---

[1] حیدر ملک ورق ١٧٢ الف و بہارستان شاہی ورق ٤٣ ب، ٤٤ الف

[2] حیدر ملک لکھتا ہے کہ یوسف شاہ نے کنجوسی کی وجہ سے اس مشورہ پر عمل نہیں کیا، لیکن کوئی اور مستند ثبوت اس کا نہیں ملتا کہ یوسف کنجوس طبیعت کا انسان تھا، حیدر ملک اپنے دادا ناجی ملک کو سرافراز کرنے کے لیے یوسف کو نیچے گرانا چاہتا تھا

[3] حیدر ملک ورق ١٧٢ ب، ١٧٣ الف مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ٤٤ الف، لیکن حیدر ملک کے بخلاف بہارستان شاہی میں ان واقعات کے سلسلہ میں ناجی ملک کے کارناموں کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے،

تو یوسف سے ذیالدگر کے میدان میں جا ملے اور کچھ دشمن سے جا کر مل گئے۔[۵۱] بہارستان شاہی کے مطابق یوسف شاہ کی حالت اس وقت اتنی غیر تھی، کہ اگر اپنے حامیون کے مشورہ کے مطابق مبارک نے حملہ کر دیا ہوتا، تو وہ آسانی سے گرفتار ہو جاتا، لیکن مبارک نے حملہ سے احتراز کیا اور جب یوسف نے علی شاہ کے اتالیق ملا حسن اسود کو پچھلی غلطیوں کی معافی کے لیے بھیجا، تو اس نے معاف کر دیا، اور یہ یقین دلا کر کہ اس کو کچھ مہینوں میں واپس بلا لیا جائے گا، کشمیر سے چلے جانے کا مشورہ دیا،[۵۲] چنانچہ یوسف شاہ تھنہ چلا گیا،[۵۳] لیکن اس بیان میں مبارک کی یک طرفہ تعریف کی گئی ہے، کیونکہ اس کا یوسف شاہ سے رویہ آگے چل کر بتاتا ہے کہ وہ یوسف پر اس قدر مہربان نہ رہا ہوگا، جیسا کہ بہارستان شاہی کا مصنف بتاتا ہے، یوسف تو واقعۃً تھنہ سے اس لیے چلا گیا تھا، کہ اس کی فوجوں کو شکست ہو گئی تھی، اور مقابلہ کو فضول سمجھ رہا تھا،

یوسف کی جگہ مبارک سلطان بن گیا، وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتا تھا، اور اس میں نمود و نمائش مطلق نہ تھی، اس نے تاج اور شاہی چتر کو جس میں قیمتی جواہرات جڑے تھے، بیچ دیا، اور

---

۵۱ حیدر ملک ورق ۱۰۳ الف ۱۰۴، الف بہارستان شاہی ورق ۱۴۵ الف، ب،

۵۲ بہارستان شاہی ورق ۱۴۶ الف، ۱۴۷ ب،

۵۳ حیدر ملک ورق ۱۰۴ الف، اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۹۴،

جو قیمت ملی، اُس کو غریبوں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا[۱]، وہ انصاف پسند اور فیاض تھا، اور اچھے سپاہی ہونے کے باوجود امن پسند تھا، اور تلوار میان سے اُسی وقت نکالتا تھا، جب اور کوئی چارہ نہ رہ جاتا، اس کو خون بہانے سے نفرت تھی، اور جیسا کہ اوپر بیان آچکا ہے وہ علی شاہ اور یوسف شاہ کو ہمیشہ شورش پسندوں کو معاف کرنے کا مشورہ دیا کرتا تھا،

امرا نے مبارک کو تخت پر خود حکومت کرنے کی غرض سے بٹھایا تھا، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ دوسروں کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دے گا، تو وہ اس کے خلاف ہو گئے، اور یوسف شاہ کو کشمیر واپس بلانے لگے[۲] ان کی حمایت کی یقین دہانی پر یوسف شاہ ٹھٹھہ سے روانہ ہوا، برہل گانون پہنچنے پر اس کو مبارک کی طرف سے داؤد میر کے ذریعہ امن کا پیام موصول ہوا، اس نے اپنے لڑکوں یعقوب اور ابراہیم کو مبارک کے پاس داؤد میر اور ملا حسن اسود کے ساتھ بھیجا، اور خود بھی ملنے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ یوسف کو ابدال بٹ کا پیغام ملا جس میں اس کو مبارک کی باتوں پر یقین کرنے یا اس سے ملنے سے سخت تنبیہ کیا، ابدال بٹ مبارک کے مخالف گروہ کا سربراہ تھا، اور وہ یوسف اور مبارک کے ملنے کی تجویز پر سخت پریشان تھا، یوسف نے ابدال کی باتوں کا یقین کر لیا، اور گفت و شنید بند کر دی[۳] جب مبارک نے یوسف پر حملہ کیا، تو

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۱۴۸ ب [۲] حیدر ملک ورق ۱۴۷ ب،

[۳] بہارستان شاہی ورق ۱۴۹ الف، ۱۵۰ ب،

وعدہ کرنے کے باوجود چک امرا اس کی مدد کو نہیں آئے، نتیجہ یہ ہوا، کہ یوسف کو شکست ہوئی، اور اس کو برجل کے راستہ ٹھٹھہ واپس جانا پڑا[1]،

یوں تو ابدال نے یوسف اور مبارک میں صلح کی گفت و شنید نہ ہونے دی، لیکن مبارک کے ہاتھ میں اب بھی طاقت تھی، ابدال نے مبارک کا تختہ الٹنے کا ایک اور منصوبہ بنایا، ایک طرف تو اس نے نوروز چک کے لڑکے علی خان کو مبارک سے یہ کہہ کر جالبازی کے ساتھ گرفتار کروا دیا، کہ علی خان ہی نے یوسف کو وادی پر حملہ کرنے کے لیے دعوت دی تھی، اور وہی ملک میں انتشار اور افراتفری پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے، دوسری طرف اس نے چک امرا کو بتایا کہ مبارک ہی کے حکم سے علی چک کو قید کیا گیا ہے، اور ان کی زندگی کو بھی آنے والے خطروں سے آگاہ کیا، اس طرح ابدال بٹ مخالف گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہوا[2]، اس کی چال میں آکر چک امرا نے پھر یوسف کو واپس آنے کو کہا، اور اس درمیان میں وہ بغاوت کی تیاری میں مصروف رہے، اس کی اطلاع پاکر، بیماری کی حالت میں مبارک عید گاہ گیا، اور ابدال کو اکیلے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۵ ب حیدر ملک کے مطابق ورق ۱۴۸ ب، یوسف چک خود ہی میدان سے ہٹ گیا،

[2] بہارستان شاہی ورق ۱۰۵ الف اب،

مقابلہ کے لیے للکارا، ابدال کو معلوم تھا کہ ذاتی شجاعت میں اس کا اور مبارک کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ ایک چال چلا، اس نے بابا خلیل کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چک امرا صلح کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کو علی چک کی گرفتاری کی وجہ سے آمادہ پیکار ہونا پڑا، اس نے بابا خلیل کی خانقاہ میں گفت و شنید کرنے کی تجویز پیش کی[1] اس خانقاہ میں اس موقع پر چک امرا کی ایک بڑی تعداد جمع تھی، ان امرا نے مبارک کو تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا، اور اس کے بجائے شنکر چک کے لڑکے لوہر چک کو تخت پر بٹھایا[2] ابدال بٹ وزیر مقرر ہوا، اس نے اپنی حیثیت مستحکم کرنے کے خیال سے علی چک اور اس کے لڑکے یوسف کو قید کر لیا، اور یوسف شاہ کے پاس کہلا بھیجا، کہ وہ ابھی سری نگر نہ آئے[3] یوسف شاہ کشمیری امرا کی ریاکاری اور منافقت سے تنگ آ چکا تھا، اس لیے اس نے شہنشاہ اکبر سے مدد مانگنے کا ارادہ کیا، وہ لاہور جا کر، راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف خان سے ملا، ان کے ساتھ آگرہ پہنچا، اور جنوری ۱۵۸۰ء میں وہ اکبر کے حضور میں پیش ہوا[4]

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۶۲ الف اور آگے،

[2] حیدر ملک ورق ۱۷۵ الف

[3] بہارستان شاہی ورق ۶۵ ب، ۶۶ الف [4] حیدر ملک ورق ۱۷۵ ب، اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۰۹
بہارستان شاہی ورق ۶۷ الف کے مطابق اکبر نے یوسف شاہ کو دو عورتیں بھی تحفہ میں دیں،

اکبر نے یوسف شاہ کا خیر مقدم بڑی گرم جوشی سے کیا، اور راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف خان کو تخت شاہی کی بازیافت کے لیے مامور کیا۔[۱] چنانچہ اگست ۱۵۸۰ء میں یوسف شاہ ان کی معیت میں لاہور روانہ ہوا، اس کی خبر پاکر اس کا سابق وزیر محمد بٹ اپنے ایک ہزار لشکر کو بہلول پور میں چھوڑ کر اس سے لاہور میں جا ملا۔ وہاں اُن دونوں نے یہ طے کیا کہ مغل فوج کو کام میں نہ لایا جائے، کیونکہ ملک میں یہ بات ناپسند کی جائے گی۔ اور مغل فتح کے بعد، انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے قوانین نافذ کر دیں گے۔[۲] یوسف شاہ نے لاہور کے سوداگروں سے کچھ رقم قرض لے کر ۵ سو آدمیوں کو بھرتی کیا، اور یہ بہانہ بنا کر کہ وہ کشمیر کے موجودہ حالات معلوم کرنے جا رہا ہے، بہلول پور کی طرف چل پڑا۔[۳] وہاں اس نے بعض کشمیری امرا کی مدد سے ۳ ہزار آدمیوں کی فوج تیار کی، اور بھمبر کی طرف روانہ ہوا، نوشہرہ میں اس نے یوسف ڈار کو شکست دی، جس کو لوہر چک نے وہاں متعین کیا تھا، اس کے بعد وہ رجوری کی طرف بڑھا، اس کے حکمران رائے بہادر نے یوسف ڈار کے فرار ہونے کے بعد ہار مان لی، یوسف شاہ اُس سے احترام کے

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۷۵ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۲، حیدر ملک ورق ۱۷۵ ب (Biblia Theque Nationale)، اور لاخبار ورق ۹۲ ب کے مطابق یوسف کو مدد دینے سے اکبر نے انکار کیا، لیکن یہ غلط ہے۔ [۲] بہارستان شاہی ورق ۷۵ ب، آئین اکبری (بلاخمن) ص ۵۳۵ پر لکھا ہے کہ مغل فوج یوسف کے ساتھ پنجر تک گئی، لیکن طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۲ پر لکھا ہے کہ سیالکوٹ تک گئی تھی، [۳] حیدر ملک ص ۱۷۶ الف،

ساتھ پیش آیا، اس کو فوج کے ہراول دستہ کا سپہ سالار بنایا، پھر یوسف شاہ نے ٹھنہ کی طرف پیش قدمی کی، لوہر چک نے یوسف شاہ کے خلاف حسین شاہ چک کے لڑکے یوسف خان اور ابدال بٹ کے لڑکے نازک بٹ کو روانہ کیا، سداؤ[۲] کے گاؤں پہنچ کر یوسف خان نے نازک بٹ کو گرفتار کر کے یوسف شاہ کے حوالہ کر دیا، اور خود اس کی ملازمت میں داخل ہو گیا،[۲] یوسف خان کی غداری سے لوہر چک کی فوج کی ہمت پست ہو گئی، اور وہ منتشر ہونے لگی، شمس دونی، ملک حسن اور کئی دوسرے سردار بھاگ کر، یوسف شاہ سے ٹھنہ میں جا ملے،[۳]

لوہر نے ہیرا پور میں حیدر چک کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ٹھہرا رکھا تھا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یوسف شاہ پیر پنجال کے راستہ سے آئے گا، لیکن اپنی نقل و حرکت چھپانے کے خیال سے اس نے چھوٹی سی فوج اپنے پیچھے چھوڑ دی، اور

---

[۱] حیدر ملک (انڈیا آفس) نوادر الاخبار اور نرائن کول اس کا نام یوسف ڈار بتاتے ہیں، لیکن حیدر ملک (Bibliatheque Nati-nale) اس کا نام محمد یوسف اور بہارستان شاہی یوسف خان بتاتے ہیں، اس کے باپ کا نام علی خان تھا، جو فور وز چک کا لڑکا تھا، حیدر ملک ورق ۱۷۰ الف، مزید دیکھو حیدر ملک (Bibliatheque Nationale) ورق ۸۰ الف جس سے مزید معلومات مل سکتی ہیں،

[۲] یہ عرض البلد ۴۰۰،۳۴ اور طول البلد ۵۰۰،۷۴ میں ایک گاؤں ہے جو

بقیہ فوج لے کر پونچھ کی طرف روانہ ہوا، اور درہ توش میدان سے کشمیر میں داخل ہوا۔[۵۱] اس نے لوہر کی فوج کو پہلے چیرا ہار اور پھر سوپور میں شکست دی، پھر جہلم پار کر کے سوپور کا پل برباد کر دیا، اور گرد ونواح کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔[۵۲] جب لوہر کو اپنی فوجوں کی شکست اور افسروں کی غداری کی اطلاع ملی، تو اس کو بڑی پریشانی ہوئی، اس لیے ابدال کے مشورہ پر، اس نے علی چک کو قید سے رہا کر دیا، تاکہ یوسف شاہ کے خلاف علی چک کی مدد حاصل کر سکے۔[۵۳] اس کے بعد اس نے حیدر چک کو ہراپور سے سری نگر واپس بلا لیا، اور ہر طرف سے فوج بلا کر اکٹھا کرنے کے بعد وہ ایک بڑی فوج لے کر سوپور کی طرف بڑھا۔[۵۴] سوپور کے پل کو ٹوٹا ہوا پا کر اس نے دریا کو کشتیوں سے پار کرنے کی کوشش

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۱) پر دلی یا درہ سداؤ کی چڑھائی کے دامن میں واقع ہے،

۵۰ حیدر ملک ورق ۱۷۶ اب، ان غداریوں کا سبب ابدال کی مطلق العنانی تھی (بہارستان شاہی ورق ۱۵۷ الف) ۵۱ حیدر ملک ورق ۱۷۶ اب ۱۷۷ الف بہارستان شاہی ورق ۱۵۸ الف، ۵۲ حیدر ملک (Biblio theque Nationale) ورق ۵۸ الف،

۵۳ بہارستان شاہی ورق ۱۵۸ اب، حیدر ملک ورق ۱۷۷ الف،

۵۴ بہارستان شاہی ورق ۱۵۹ اب،

۵۵ حیدر ملک ورق ۱۷۷ الف ب،

کی، لیکن دوسرے کنارے سے دشمن کی مزاحمت کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے اس نے ۲ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج حیدر چک کی نگرانی میں کھویا ہوم کے راستہ سے یوسف شاہ پر پیچھے سے حملہ کرنے کے لئے روانہ کی، اور خود دشمن کی نقل و حرکت دیکھتا رہا۔[1] اسی درمیان میں اس نے یوسف شاہ کے پاس بابا خلیل کے ذریعہ کہلا بھیجا، کہ عنقریب اس پر سامنے اور پیچھے سے حملہ ہونے والا ہے، جس میں اس کی شکست یقینی ہے، اس لیے اس کو کشمیر سے چلا جانا چاہیئے، اس سلسلہ میں اس کو واچون خودر کی جاگیر ملے گی۔[2] اپنی فوج کی کم تعداد دیکھتے ہوئے، تھوڑی دیر کے لیے یوسف شاہ گھبرا اٹھا، لیکن حسن ملک کی ہمت افزائی پر جس نے اس کو فتح کا یقین دلایا، اس نے لوہر کی تجویز کو رد کر دیا،[3] اور ۸، نومبر ۱۵۸۰ء کو علی الصباح اس نے اس نے دشمن پر اچانک حملہ کرنے کے لیے جہلم کو پار کیا، علی[4] نے دو ہزار سپاہیوں کو لے کر یوسف شاہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن پسپا ہوا،[5] اب یوسف شاہ کی فوج ابدال بٹ پر

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۷۷ اب، بہارستان شاہی ۱۲۰ ب [2] حیدر ملک ۱۷۸ اب، بہارستان شاہی ۱۲۰ اب ۱۲۱ الف، واچون خودر کا نام آئین اکبری اور کشمیر کی فارسی تاریخوں میں وچھن خوارہ لکھا ہے، یہ بارہ مولہ کے نیچے جہلم کے دونوں کناروں پر ایک پھیلی ہوئی وادی ہے [3] حیدر ملک (Biblio Theque Nationale) ورق ۸۰ الف، [4] اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۷۵ [5] حیدر ملک ورق ۱۸۹ الف،

حملہ کرنے کے لیے بڑھی، چونکہ لوہر چک کی منتخب فوج حیدر چک کے ساتھ چلی گئی تھی، ابدال کی حالت نازک ہو گئی،[۵۱] بڑی شدید جنگ کے بعد ابدال کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، پسپائی کے بعد لوہر نے برتھنہ گانون میں پھر سے قدم جمائے،[۵۲] اس کو پھر شکست ہوئی، اور وہ سری نگر بھاگا، یوسف شاہ نے فوراً راجدھانی پر چڑھائی کر دی، اور کسی مزاحمت کے بغیر داخل ہو گیا،[۵۳] لوہر کی شکست کی خبر سن کر حیدر چک کی فوجوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور وہ منتشر ہو گئیں، حیدر چک خود بھی چیرا ہار کے راستے سے جان بچا کر بھاگا،[۵۴]

سری نگر پر قبضہ کر لینے کے بعد، یوسف شاہ نے وزیر اعظم کے فرائض محمد بٹ کو سونپ دیے، اور لوہر چک اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرنے کا حکم دیا، لوہر سوپور میں قاضی موسیٰ کے گھر میں چھپا ہوا ملا، اور لوہر کا بھائی محمد بارہ مولہ حسن چک پرگنہ باگل کے گانوں موشہ[۵۵] میں پکڑا گیا، ان کے علاوہ اور دوسرے سردار

---

۵۱ اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۶۵،

۵۲ یہ سری نگر سے ۳½ میل شمال مغرب میں بڈگام تحصیل میں ہے،

۵۳ حیدر ملک و۔ ق ۱۷۸ الف ۔ ۱۸۰ الف،

۵۴ بہارستان شاہی و۔ ق ۱۶۲ ب ۱۶۳ الف

۵۵ سری نگر کو گل مرگ سے ملانے والی سڑک پر سری نگر سے ۱۱ میل شمال مغرب میں یہ ایک گانوں ہے،

بھی گرفتار کر کے یوسف شاہ کے سامنے پیش کیے گئے[1] اس نے ان کو لوہر چک سے جا ملنے کا ملزم قرار دیا، حالانکہ خود وہ اور اس کے باپ نے ان کے ساتھ بڑی مہربانیاں کی تھیں۔ اس نے ان سے کہا کہ متعدد بار انھوں نے اس کو کشمیر بلایا، لیکن ہر بار اس کو دھوکا دیا، ان حالات میں معافی کا سوال ہی نہیں اٹھتا، لوہر شاہ، اس کے بھائی محمد خان اور حسین چک کی آنکھیں نکال لی گئیں[2] بعض کے اعضاء کاٹ لیے گیے، اور بعض کو پھانسی دے دی گئی، علی خان چک اور اس کے لڑکے یوسف خان کو قید کی سزا دی گئی، لیکن عام سپاہیوں اور گانوں والوں کو جنھوں نے لوہر چک کا ساتھ دیا تھا، معافی دیدی گئی،[3]

لوہر چک کی شکست کے بعد حیدر چک اور شمس چک[4] کو لوارہ بھاگ کر کرناؤ چلے گیے، حیدر چک نے شمس چک کو وہاں زیادہ دیر قیام کرنے کے خطرات سے آگاہ کیا کہ یوسف شاہ ایک زبردست فوج ان کے خلاف عنقریب بھیج دے گا، جس کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے، لیکن شمس چک نے اس کا مشورہ نہیں مانا، اور وہیں مقیم رہا، حیدر اس سے الگ ہو کر لداخ چلا گیا،[5]

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۶۴ الف حیدر ملک ۱۸۰ الف، ۱۸۰ ب۔ [2] بہارستان شاہی ورق ۱۶۴ ب ۵ ۶ ب۔ [3] ایضاً ورق ۷۷ الف۔ [4] شمس چک کو لوارہ کے حکمرانوں میں سے تھا، اس کو دولت چک کے لڑکے شمس چک جس کا تعلق حکمران خاندان سے تھا، الگ سمجھنا چاہیے

[5] حیدر ملک ورق ۱۸۱ الف و ب

حیدر کی پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، یوسف شاہ نے لوہر ملک قورچی کو شمس چک پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا، اس کی اطلاع پاکر شمس نے کرناؤ[۱] سے ہٹ کر بکھلی کے قریب فیروز کے قلعہ پر قبضہ کر لیا[۲]۔ لیکن چونکہ اس نے اپنے ظالمانہ برتاؤ سے فوج کے سپاہیوں کو ناراض کر رکھا تھا، اس لیے اس کے مقامی فوجی سردار نے لوہر کے پاس فوراً آنے اور شمس کو گرفتار کرنے کا پیغام بھیجا، لوہر نے تیزی کے ساتھ پیش قدمی کی، اور قلعہ تک پہنچ گیا، شمس چک نے ہتھیار ڈال دیا، اس کو یوسف شاہ کے پاس لیجایا گیا، یوسف شاہ نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں[۳]،

۱۵۸۱ء کے شروع میں دولت چک کے لڑکے شمس چک، عالم شیر ماگرے اور دوسرے امراء نے یوسف شاہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنانا چاہا، اس کی خبر پاکر یوسف شاہ نے سازش کرنے والوں کو قید خانہ میں ڈال دیا، ان واقعات سے پریشان ہوکر حبیب چک پہاڑیوں کی طرف فرار ہو گیا، اور حیدر چک سے جا ملا، یوسف خان قید خانہ سے نکل بھاگنے اور باغیوں سے جا ملنے

---

[۱] قدیم کرنہ، یہ علاقہ کشن گنگا اور کاج ناگ کے پہاڑی سلسلہ کے درمیان واقع ہے،

[۲] حیدر ملک ورق ۱۸۱ اب، نوادر الاخبار ورق ۵۹ ب،

[۳] حیدر ملک ورق ۱۸۱ ب، ۱۸۲ الف،

میں کامیاب ہوا۔ انھوں نے لداخ کے حکمراں جم نیگ نم گیال (۱۵۹۰–۱۶۲۰ء)[۵۲] سے مدد مانگی، اور اس سے تقریباً ۴ ہزار گھوڑے لیے، یوسف شاہ کو معلوم ہوا، تو اس نے ان کے خلاف فوج کشی کی، سرداروں میں اتحاد و اتفاق نہ تھا، اس لیے وہ مقابلہ نہ کر سکے، نہ وہ سراسیمگی کے عالم میں منتشر ہو گئے، لداخی فوجیں بھی وہاں سے ہٹ گئیں، حیدر چک کشتواڑ چلا گیا، اور حبیب چک نے یہ دیکھ کر کہ شاہی فوج نے ہر طرف سے راستہ مسدود کر رکھا ہے، خفیہ طور پر سری نگر واپس ہو گیا، اور وہاں ہر قسم کا انتشار پھیلانے کی کوششوں میں لگ گیا،[۵۳] لیکن سونور[۵۴] گاؤں میں گرفتار ہوا، یوسف خان اپنے بھائیوں کے ساتھ برنگ پرگنہ میں پکڑا گیا، یوسف شاہ نے حبیب چک کی بصارت ختم کرنے اور یوسف خان اور اس کے بھائیوں کے اعضا کاٹنے کا حکم دیا،[۵۵]

ان واقعات کے فوراً بعد ہی یوسف شاہ کو اپنے وزیر اعلیٰ محمد بٹ کی بغاوت سے نپٹنا پڑا، محمد بٹ ذاتی پرخاش کی بنا پر شمس دونی کو سزا دینا چاہتا تھا، لیکن یوسف شاہ نے اس کی مخالفت کی تو محمد بٹ نے یوسف خان

---

۵۱ بہارستان شاہی ورق ۱۶۲ ب، ۱۶۷ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰۔ ۵۲ وہ اس وقت لداخ کا حکمراں تھا، (دیکھو ہسٹری آف ویسٹرن تبت از فرینک ص ۹۰) لیکن لداخی تاریخوں میں اس کے اور حیدر چک کے تعلقات کا ذکر نہیں ہے۔ ۵۳ بہارستان شاہی ورق ۱۶۷ ب ۱۶۸ الف۔ ۵۴ یہ اب سری نگر کا ایک حصہ ہے، اور جنوب مشرق میں تخت سلیمان کے قریب واقع ہے۔ ۵۵ بہارستان شاہی ورق ۱۶۸ ب، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰۔

کی مدد سے اس کو قتل کر دینا چاہا، لیکن سازش کا پتہ چل گیا، اور محمد بٹ فرار ہو گیا، یوسف شاہ نے اس کا تعاقب کیا، اور اس کو بعض ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا، لیکن بقیہ بھاگ کر کشتواڑ میں حیدر چک کی فوج میں شامل ہو گئے،

اسی درمیان میں نوخیز شہزادہ یعقوب شورش پسندوں کے زیر اثر ہو گیا، اور ابدال بٹ کے لڑکے عیبہ خان کے ساتھ کشتواڑ بھاگ گیا، یوسف شاہ نے ملا حسن اسود کو شہزادے کو واپس لانے پر مامور کیا، چنانچہ وہ اس کو واپس لایا، لیکن عیبہ خان حیدر چک کے ساتھ رہ گیا،[1] اس درمیان میں ایک اور اہم آدمی شمس چک حیدر چک سے جا ملا، جو یوسف شاہ کے لار جانے سے فائدہ اٹھا کر قید سے نکل بھاگا تھا،[2]

ان باتوں سے یوسف شاہ کو بڑی پریشانی تھی، چنانچہ ۱۵۸۲ء میں اس نے شیر علی بٹ اور ناجی ملک کو ایک بڑی فوج لے کر کشتواڑ میں حیدر چک پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا، لیکن شیر علی کام آیا، شبخون میں حیدر چک نے ناجی ملک کو گرفتار کر لیا،[3] اس پر یوسف شاہ اپنے لڑکے یعقوب کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کو چلا، اس نے یعقوب کو ہراول دستہ کی سپہ سالاری دی، چونکہ باغی ایک تنگ راستہ پر قدم جمائے ہوئے تھے، جہاں

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۶۹ (ب) ، ۷۰ الف ،

[2] ایضاً ورق ۷۰ الف ، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۵

[3] بہارستان شاہی ورق ۷۰ ب ، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۵ پر غلط لکھا ہے کہ شاہی فوج فتحیاب ہوئی تھی،

جنگی نقطۂ نظر سے ان کا محاذ مضبوط تھا، اس لیے مقابلہ ہونے پر یعقوب کی فوج شکست کھاگئی، اور بھاگ کر اپنی اصل فوج سے جا ملی، یعقوب نے ان کو پھر سے جمع کیا، اور بڑی شدید جنگ کے بعد حیدر چک کو شکست دی، حیدر چک شمس چک اور عیبہ خان کے ساتھ فرار ہو گیا، فتح کے بعد یوسف میدانِ جنگ میں آیا، اس نے سید مبارک کے لڑکے ابراہیم اور ابوالمعالی کو جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرنے پر خلعت اور جاگیر عطا کی،[1]

اب شمس چک اور عیبہ خان نے جنگ جاری رکھنے کو فضول سمجھا اور یوسف شاہ سے صلح کی بات چیت شروع کر دی، کشتواڑ کے راجہ کی مداخلت کی وجہ سے یوسف شاہ نے ان کو معاف کر دیا، اور جاگیر عطا کی،[2] لیکن حیدر چک نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا، اور کشتواڑ کو خیرباد کہہ کر لاہور روانہ ہو گیا، جہاں راجہ مان سنگھ نے اس کو پناہ دی، اور اس کو بھمبر اور نوشہرہ کی جاگیر عطا کی،[3] یہ بات جب یوسف شاہ کو معلوم ہوئی، تو اس نے خواجہ حاجی کے پوتے خواجہ قاسم کو حیدر کی چالوں کی کاٹ کرنے کے لیے بھیجا، لیکن خواجہ قاسم بے نیل مرام سری نگر لوٹ آیا، راجہ مان سنگھ یوسف شاہ سے خفا تھا کہ اس نے اپنے تخت

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۷۰ ب، ۱۷۱ الف

[2] طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۵، مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۷۲ الف،

[3] بہارستان شاہی ورق ۱۷۲ الف حیدر ملک ورق ۱۸۲ الف،

کی بازیافت کے سلسلہ میں مغل فوج کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا[1]،
اس لیے راجہ نے حیدر چک کو کشمیر میں شاہی مفاد کی خاطر اپنے کام
میں لانا چاہا،

۱۵۸۱ء کے خاتمہ کے قریب کابل سے واپسی میں اکبر نے جلال آباد
سے مرزا طاہر اور صالح عاقل کو اپنا سفیر بنا کر کشمیر بھیجا، یوسف شاہ
نے بارہ مولہ میں بڑے احترام اور عزت سے ان کا خیر مقدم کیا، اور
پھر ان کو سری نگر لایا[2]، انھوں نے یوسف شاہ کو ایک شاہی پیام دیا،
کہ اس نے مغل دربار کو کشمیر کے حالات سے آگاہ نہیں کیا، اور اگر اس
وقت ملک میں کوئی انتشار نہ ہو، تو فوراً شہنشاہ کے حضور میں پیش ہو کر اپنی
اطاعت گذاری کا ثبوت دے، اس پیام پر یوسف شاہ نے اپنے وزیروں
سے مشورہ کیا، تو انھوں نے یہ رائے دی کہ اکبر کی نیت کشمیر کو اپنی مملکت
میں شامل کرنے کی معلوم ہوتی ہے، اس لیے اس کو مدافعت کی تیاری کرنی
چاہیے، اور عیش و عشرت کی زندگی کو خیرباد کہہ کر سرحدی قلعوں کو مضبوط
کرنا چاہیے[3]، یوسف شاہ نے ان کے مشورہ پر دھیان نہیں دیا، اس کے
بجائے اس نے اکبر کو خوش کرنے کے لیے قیمتی تحفے روانہ کیے، اور
اور اپنے تیسرے لڑکے حیدر خان کو مرزا طاہر اور صالح عاقل کے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف ب،

[2] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰

[3] حیدر ملک ورق ۱۸۳ الف ایضاً ورق ۱۸۲ الف، ب

ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیج دیا[۱]، لیکن وفاداری کے یہ تمام دعوے اکبر کو مطمئن نہ کر سکے، وہ بار بار یوسف شاہ کے دربار میں حاضر ہونے پر اصرار کرتا رہا، ایک سال کے بعد اس نے شیخ صرفی کے ساتھ شہزادہ حیدر کو یہ فرمان دے کر واپس بھیجا کہ یوسف شاہ فوراً فتح پور سیکری حاضر ہو، ورنہ اس کے خلاف فوجکشی کی جائے گی[۲]، اس کے فوراً بعد راجہ مان سنگھ نے تیمور بیگ کو اسی فرمان کے ساتھ مغل سفیر بنا کر کشمیر روانہ کیا، اس پر اصرار طلبی سے یوسف شاہ ڈر گیا، اور تیمور بیگ سری نگر سے رخصت ہونے لگا، تو اس نے اس کے ساتھ اپنے سب سے بڑے لڑکے شہزادہ یعقوب کو اور اکبر کے لیے کشمیر کی منتخب چیزیں روانہ کیں[۳]، یعقوب فتح پور سیکری آیا، اور ۲۹ فروری ۱۵۸۵ء کو شہنشاہ کے حضور میں پیش ہوا[۴]، اس بات پر خوش ہونے کے بجائے اکبر ناخوش ہوا، اور شکایت کی کہ اس نے یوسف شاہ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، لیکن وہ نہیں آیا، پہلی بار یوسف شاہ نے اپنے تیسرے لڑکے کو بھیجا تھا، جو بچہ تھا، اور فوجی ملازمت کے قابل نہیں تھا، دوسری بار اس نے یعقوب کو بھیجا، جو پاگل اور بے وقوف تھا، تخت حاصل کرنے کے بعد وہ

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۸۳ ب، اکبرنامہ ج ۳ ص ۵۰۵، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۴

۲؎ اکبرنامہ ج ۳ ص ۶۷۵، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۴، مزید دیکھو حیدر ملک ورق ۱۸۴ب – ۱۸۵ الف، ۳؎ بہارستان شاہی ورق ۱۷۳ الف، مزید دیکھو حیدر ملک ۱۸۵ الف

۴؎ اکبرنامہ ج ۳ ص ۶۷۶

وہ اپنا وقت عیش و عشرت میں گذار رہا تھا، اور شہنشاہ سے اپنی وفاداری کا کوئی ثبوت نہیں دیا تھا،[۱]

اکبر نے ہمیشہ کشمیر کو سلطنت مغلیہ کا ایک جزء سمجھا تھا، یہ شاید اس وجہ سے تھا کہ ہمایوں کیطرف سے مرزا حیدر دوغلت نے اس کو فتح کیا تھا، اگرچہ مرزا حیدر کا خاتمہ کبھی ہو چکا تھا لیکن وادی پر مغل اپنا حق جتاتے رہے، اوپر بیان آچکا ہے کہ ۱۵۶۰ء میں اکبر نے قرا بہادر کو غازی چک کے مظالم کو ختم کرنے کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ غازی چک کی بے انصافیوں کی خبر شہنشاہ کو مل چکی تھی،[۲] لیکن قرا بہادر کا وادی پر حملہ شرمندۂ معنی نہ ہوا، اس کے باوجود چک سلاطین اکبر کو اکثر قیمتی تحائف بھیجتے رہے، جس کو وہ خراج دینے اور اقتدار ماننے کے مترادف سمجھتا رہا،[۳] اس کے علاوہ ۱۵۸۰ء میں یوسف شاہ کو جب اپنی مملکت سے نکلنا پڑا تھا، تو اکبر نے اس کو تخت کی بازیافت کے لیے مدد دی تھی، حالانکہ یوسف شاہ نے اس مدد کو استعمال نہیں کیا، اور اپنی ہی کوشش سے اپنی سلطنت کو از سر نو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا، لیکن مغل فوج کا اس سے مل جانا ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ شہنشاہ یوسف شاہ کو اپنا تابعدار سمجھتا تھا، لیکن یوسف شاہ کا خیال دوسرا ہی تھا، اسی وجہ سے وہ اکبر کے دربار میں طلبی کی دعوت کو برابر ٹالتا رہا، بہر حال شہنشاہ سے دشمنی مول نہ لینے کی خاطر وہ اس کے

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۸۵ الف

۲؎ اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۹۷

۳؎ طبقات اکبری ج ۲ ص ۳۴۲،

پاس قیمتی تحائف بھیجتا رہا، اور اس کے لڑکے دربار میں اس کی نمائندگی کرتے رہے، اکبر نے اس کے رویہ کو ناپسند کیا، اور وہ تو شاید وادی کو فتح کرنے کے لیے فوج کشی کر چکا ہوتا، لیکن ہندوستان کے معاملات میں الجھا ہوا تھا، ۱۵۸۵ء تک اکبر کو کشمیر کے بارے میں موثر حکمت عملی اختیار کرنے کا موقع نہیں مل سکا، اس کو معلوم تھا کہ کشمیر میں اتحاد کا فقدان ہے، جس سے وہ فائدہ اٹھائے گا، اس کے علاوہ مرزا حیدر نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اگرچہ کشمیر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہے، لیکن اس کو فتح کرنا مشکل نہیں ہے،

۲۲ اگست ۱۵۸۵ء کو اکبر فتح پور سیکری سے صوبہ کابل کا بندوبست کرنے کے خیال سے روانہ ہوا، کیونکہ اس کے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم کا انتقال ہو گیا تھا، اور کابل پر ازبکوں کے حملہ کا خطرہ تھا،[1] پہلی اکتوبر کو اس نے کلانور پہنچ کر حکیم علی گیلانی اور بہاء الدین کمبو کو سری نگر جانے اور اپنے ساتھ یوسف شاہ کو لانے پر مامور کیا، ان کو کشمیر کے سلطان سے بتانا تھا کہ اب تک وہ دوری کی وجہ سے دربار میں حاضر نہ ہونے کے بہانے بنا چکا ہے، لیکن اب چونکہ شہنشاہ خود پنجاب میں موجود ہے، اس کو فوراً حاضر ہو کر خراج پیش کرنا چاہیے،[2]

یوسف شاہ کو اپنے لڑکے یعقوب سے جو مغل دربار میں موجود تھا، کشمیر کے متعلق شہنشاہ کے منصوبوں کی خبر ملا کرتی تھی، اس سے اس کو کافی پریشانی تھی، لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اکبر نے دو سفیر اس کام کے لیے بھیجے ہیں،

---

۱ اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۰۵، طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۶۴ ۔ ۲ اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۰۷

بہارستان شاہی ورق ۸۹، الف میں درج ہے کہ صالح عاقل بھی سفیر تھا،

اس کے ہاتھ پانوں پھول گئے، اور اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ طلب کیا، انھوں نے حسب سابق اس سے التجا کی کہ اس کو عوام کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لینی اور اپنی فوج کی تنظیم اور مغل حملہ سے ملک کو بچانے کی تیاری کرنی چاہیے، یوسف شاہ مغلوں سے مقابلہ کرنے کے خلاف تھا، کیونکہ اس کا خیال تھا، کہ اکبر کی فوج بہت زبردست ہے، اس کا مقابلہ ناممکن ہے، اور یہ فوج ساری وادی کو کچھ ہی دنوں میں پامال کرکے رکھ دے گی، اس کے علاوہ شہزادہ یعقوب[1] اکبر کے پاس تھا، ناخوشگواری کی صورت میں اکبر اس کو پھانسی دے سکتا ہے، ان حالات میں بہتر یہی ہوگا کہ وہ لاہور چلا جائے، اور اکبر کے سامنے پیش ہو، اور ملک کو حملہ سے بچائے،[2] لیکن امراء اور دوسرے سرکاری حکام نے اس کو ایسا کرنے سے متنبہ کیا، اور بتایا کہ اگر وہ کشمیر سے باہر گیا، تو پھر اس کو اپنا تخت کبھی واپس نہیں مل سکے گا، اس وقت ملک میں بڑی ہل چل تھی، امیر غریب، جوان اور بوڑھے حملہ آوروں سے آخری دم تک لڑنے کے لیے تیار تھے،[3] انھوں نے یوسف شاہ سے کشمیر میں موجود رہنے کی درخواست کی،[4] لیکن یوسف شاہ نے ان کی نہیں سنی، کیونکہ اس کے اندر مقابلہ کی تاب نہیں تھی، اور اس نے اکبر کے حضور پیش ہونے کا ارادہ کرلیا

۱؎ کشمیری فارسی تاریخوں کے مطابق یعقوب شاہی دربار میں ۲ سال تک رہا، لیکن اکبر نامہ اور طبقات اکبری میں مدت ایک ہی سال لکھی ہے، ۲؎ ایضاً ورق ۱۰۷ الف، ۳؎ ایضاً ورق ۱۸۷ ب

۴؎ اکبر یوسف شاہ سے دربار میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے خفا تھا، اس لیے اس نے یعقوب کو بیوقوف اور پاگل کہکر اپنے غصہ کو اتارا، (دیکھیے حیدر ملک ورق ۱۰۵ الف)

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں، کہ یعقوب اچانک سری نگر میں نمودار ہوا، اکبر نے اس سے بے عزتی کا برتاؤ کیا تھا[1]، اور اس کے اخراجات کے لیے تیس یا چالیس روپیہ کی معمولی رقم منظور کی تھی[2]، جس سے وہ مغل دربار سے خوش نہ تھا، اس کے علاوہ یوسف شاہ کے دربار میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اس لیے جب شاہی قافلہ خواص پور پہنچا، تو وہ اپنے محافظوں کی نظر بچا کر چپکے سے بھاگ گیا[3]، وہ پہلے نوشہرہ کی طرف چلا، لیکن بعد میں یہ معلوم کر کے کہ نوشہرہ حیدر چک کے قبضہ میں ہے، وہ شہر کے داہنے طرف سے نکل کر ایک دوسرے راستہ سے رجوری پہنچا، پھر کشمیر میں داخل ہوا، اور حکیم علی سے پہلے سری نگر پہنچ گیا تھا، یعقوب کے بغیر شہنشاہ کی اجازت سے اس طرح چلے آنے پر یوسف شاہ بہت برہم ہوا، اور اس کو قید کر لینا چاہتا تھا، لیکن اس کے وزیروں نے اس کو منع کر دیا[4]۔

اس کے فوراً بعد یوسف شاہ کو کشمیر میں مغل بادشاہ کے سفراء کی آمد کی اطلاع ملی، اور وہ ان کے خیر مقدم کے لیے خانپور گیا، اور ان کا پرجوش استقبال کیا[5]، اس نے ان کے ساتھ چلنے اور یعقوب کو ہاتھ پاؤں باندھ کر شاہی دربار میں بھیجنے

---

[1] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۵، [2] حیدر ملک ورق ۱۸۶ ب ۱۸۷ الف، مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۰۳ ب، لیکن بہارستان شاہی میں لکھا ہے کہ یعقوب بہلول پور سے بھاگ نکلا تھا، اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۰۰ کا یہ بیان پہلے بھاگا تھا، اور سفیر بعد میں بھیجے گئے تھے اس کی اور سندوں سے تصدیق نہیں ہوتی، [3] حیدر ملک ورق ۱۸۷ الف،

[4] ایضاً ورق ۱۸۷ ب، فرشتہ ج ۲ ص ۶۹۹ پر لکھا ہے کہ یوسف ٹھٹھ تک گیا تھا، لیکن یہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ امرا اس کو وہاں تک ہرگز نہیں جانے دیتے، [5] حیدر ملک ورق ۱۸۷ ب،

کا وعدہ کیا، لیکن عوام امرا، اور فوج کی مخالفت کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکا، اور اس کا منصوبہ ثمر مندۂ معنی نہ ہو سکا،[۱] واقعہ تو یوں ہے کہ اس کو دھمکایا بھی گیا تھا کہ اگر اس نے کشمیر سے باہر جانے کی کوشش کی، تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس کے بجائے یعقوب کو تخت پر بٹھا دیا جائے گا،[۲]

حکیم علی اور بہار الدین دو مہینے تک سری نگر میں مقیم رہے، لیکن انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ کشمیر کے لوگوں نے بڑا معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور وہ یوسف شاہ کو ان کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں تھے، انھوں نے مجبوراً رخصت چاہی، اور ۱۳ر دسمبر ۱۵۸۵ء کو وہ حسن ابدال کے مقام پر شاہی قافلہ سے جا ملے،[۳]

اس بات کی اطلاع اکبر کو ملی تو بہت چراغ پا ہوا، اور ۲۰ر دسمبر ۱۵۸۵ء کو اٹک کے گرد و نواح سے اس نے مرزا شاہ رخ، راجہ بھگوان داس اور شاہ قلی محرم کے ساتھ ۵ ہزار سوار کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیے، حیدر چک اور شیخ یعقوب صرفی کو راہبری کا کام سونپا،[۴] مغل سپہ سالار موسم بہار کے شروع میں حملہ کرنا چاہتے تھے، کیونکہ اس زمانے میں دروں میں برف

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۸۰ الف [۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۵-۶ [۳] اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۴۷، مزید دیکھو طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۴ حیدر ملک ورق ۱۸۷ اب کا یہ بیان غلط ہے، کہ جب یوسف شاہ کو معلوم ہوا کہ بھگوان داس کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے مامور کیا گیا ہے، تو اس نے حکیم علی کو رخصت کر دیا اصل میں بھگوان داس حکیم علی کی واپسی پر اس کام کے لیے مامور ہوا تھا [۴] اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۵، طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۸، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۴۶، حیدر ملک ۱۸۷ اب لکھتا ہے کہ مغل فوج ۵۰ ہزار تھی، لیکن یہ مبالغہ ہے،

نہیں ہوتی ہے، اس کے علاوہ انھوں نے بھمبر کا راستہ اختیار کیا، کیونکہ ایک تو یہ راستہ آسان تھا، دوسرے یہ کہ راستہ پر رہنے والے امرا مغلوں کی طرف مائل تھے، لیکن اکبر تاخیر کے خلاف تھا، اور ان کو پکھلی کے راستہ سے فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا، اور یہ بتایا کہ سال کے اس حصہ میں کشمیری کسی حملہ کی توقع نہیں رکھتے ہوں گے، اور دروں کی حفاظت ٹھیک سے نہیں ہو رہی ہوگی، شہنشاہ کی پیشینگوئی صحیح نکلی، کیونکہ جوں جوں مغل فوج آگے بڑھی، تو اس کو کسی بھی مقابلہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور آسانی سے کشمیر میں داخل ہو گئی۔[1]

جب یہ خبر سری نگر پہنچی تو عوام یوسف شاہ کے پاس گئے، اور اس کو وہ تمام پریشانیاں یاد دلائیں، جو انہیں کاشغریوں کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھیں، اور کس طرح اس کے موثین نے ملک کو ان کے ظلم و تشدد سے نجات دلائی تھی، انھوں نے یوسف شاہ سے اپیل کی کہ اس کو دشمن سے تنگ راستوں اور دروں میں مقابلہ کی تیاری کرنی چاہیئے، یوں تو بظاہر یوسف شاہ اس بات پر رضامند ہو گیا، لیکن اس کو یقین ہو گیا تھا کہ مقابلہ بے کار ہے، اور اس نے خود کو مغلوں کے حوالہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا،[2]

لیکن اس بات کو چھپائے رکھنے کے خیال سے مملکت کے دفاع کا انتظام کرنے لگا، اس نے محمد بٹ اور عالم شیر ماگرے کو قید سے رہا کیا، اور محمد بٹ کو راج دھانی کا نگراں بنا کر عالم شیر ماگرے کے ساتھ بارہ مولہ کی طرف

---

[1] اکبر نامہ ج ۲ ص ۷۶۲-۷۷۲

[2] حیدر ملک ورق ۱۸۸ الف، شک ص ۱۰۰-۱۰۲

روانہ ہوا[1]۔ وہاں اس نے تین فوجیں تیار کیں، ہراول دستہ کو حسن ملک اور عالم شیر خان کی قیادت میں رکھا، دائیں بازو کو یعقوب اور ابوالمعالی کی نگرانی میں اور بائیں بازو کو بابا طالب اصفہانی[2]، اور محمد بٹ کے بھائی حسن بٹ کی کمان میں رکھا، اس کے بعد یوسف شاہ کوارت کی طرف روانہ ہوا[3]،

جب مغل درہ بولیاس پہنچے[4]، تو کشمیری ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے آگے بڑھے، کچھ تو سخت مدافعت کی وجہ سے اور کچھ برف باری، بارش اور رسد کی کمی کی وجہ سے مغل آگے بڑھنے میں ناکام رہے[5]، راجہ بھگوان داس نے اپنے خط کے ساتھ دو سفیر یوسف شاہ کے پاس بھیجے، لیکن ان کو کشمیری سپاہیوں نے گرفتار کر لیا، اور قتل کر دینا چاہتے تھے، لیکن فوجی سرداروں نے یہ کہہ کر رواج کے مطابق سفیر کی زندگی مقدس ہوتی ہے، ان کو بچا لیا[6]،

خط میں یہ لکھا تھا کہ اگرچہ فی الحال مغلوں کو برف باری اور بارش کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مزید کمک آنے والی ہے، اس صورت میں کشمیریوں کو مغلوں کا مقابلہ جاری رکھنا ناممکن ہو جائے گا، اس لیے یوسف شاہ

---

[1] دیکھو آئین اکبری (سلاخ من) ص ۶۷، ۱۶ اور حاشیہ ۳ [2] ایضاً

[3] حیدر ملک ق ۱۸۰ الف، اب سری نگر جانے والی سڑک پر کوارت آخری درہ ہے، اور myos... نے اس کو دوشبارہ مولہ لکھا ہے (آئین اکبری ج ۳ ص ۲۷۴، حاشیہ ۱) [4] بولیاس یا بیلیاس جس کا قدیم نام بوسیک بارہ مولہ سے ۰۰ میل پر جہلم کے دائیں کنارے پر واقع ہے، جہانگیر نے اس کو بھی بھولباس (تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۳۱) اور اکبرنامہ ج ۳ ص ۵۳۴، پر اس کو بولیاس لکھا ہے (دیکھو سٹین ج ۲ ص ۴۰۳، اس درہ کی فوجی اہمیت کے لیے، [5] حیدر ملک ورق ۱۸۹ الف،

[6] ایضاً (Bibliotheque Nationale) ورق ۱۶۲ الف

کو راجہ بھگوان داس کے ساتھ شہنشاہ کے پاس فوراً چلنا چاہیے[1]، یوسف شاہ ان سفیروں سے رات بھر گفتگو کرتا رہا، اور آخرکار ایک بات طے ہو گئی[2]، دوسرے دن علی الصباح فوج کا معائنہ کرنے کے بہانہ سے وہ درہ کوارمست کو چھوڑ کر بزلہ کے گانوں میں وارد ہوا[3]، وہاں گانون کے باشندوں اور سپاہیوں کو ڈھارس دینے کے بعد اس نے بولیاس جاکر فوج کا معاینہ کیا، میربخشی نے اس کو بتایا کہ اس وقت فوج میں ۱۵ ہزار سوار، ۲۵ ہزار پیدل اور ۷ ہزار بندوقچی ہیں، اس کے بعد کچھ سوار وں کے ساتھ مغل کیمپ کی طرف بھاگ نکلا، اور ۱۴ فروری ۱۵۸۶ء میں ان سے جا ملا[4]،

اگرچہ کشمیریوں کے ساتھ ان کے حکمران نے غداری کی تھی، لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری، یوسف شاہ کے بجائے انھوں نے یعقوب کو سلطان بنایا، اور حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی[5]، مغلوں کو برف باری، سردی، بارش اور رسد کی کمی کی وجہ سے بہت پریشانیاں اٹھانی پڑیں اس سے فائدہ اٹھاکر بابا طالب اصفہانی، محمد سلیم کاشغری اور دوسرے کشمیری سپہ سالاروں نے

---

[1] ایضاً ورق ۱۸۹ الف، [2] ایضاً ورق ۱۸۹ ب، حیدر ملک اور اکبر نامہ میں سفیروں کے نام درج نہیں ہیں لیکن بہارستان شاہی میں ایک سفیر مرزا قاسم کا نام دیا ہے، جو خواجہ حاجی کا لڑکا تھا، [3] یہ پارہ مولہ ضلع کی ٹدگام تحصیل میں ہے، [4] حیدر ملک ورق ۱۸۹ ب، اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۷۴، لیکن اکبر نامہ میں یہ غلط لکھا ہے، کہ یوسف نے مغلوں کے پاس ہتھیار ڈالنے کے خیال سے اپنا سفیر بھیجا تھا، [5] بہارستان شاہی ورق ۱۷۶ الف، جنگ زیادہ تر درہ بولیاس میں ہوئی، جہانگیر نے تزک ج ۲ ص ۱۳۲ میں لکھا ہے، کہ اسی درہ میں یعقوب بھگوان داس کے خلاف لڑا تھا، بہارستان شاہی ورق ۱۷۷ ب کے مطابق مغل کیمپ بولیاس گانون میں تھا،

مغلوں کو کافی نقصان پہنچایا، راجہ بھگوان داس نے اپنی فوج کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی، اور شمالی مغربی سرحد پر زین خان کی شکست کی خبر سے متاثر ہوا، تو اس نے مرزا اکبر شاہی کو یعقوب کے پاس بھیج کر صلح کی بات چیت شروع کر دی۔[۱] یعقوب جنگ بند کرنے پر رضا مند ہو گیا، لیکن آخری صلح نامہ راجہ بھگوان داس اور یوسف شاہ کے درمیان ہوا[۲]، یہ طے پایا کہ یوسف شاہ تخت کا مالک رہے گا[۳] لیکن شہنشاہ کے نام سے سکے ڈھالے جائیں گے، اور خطبہ پڑھا جائے گا[۴]، اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ ٹکسال، زعفران کے کھیت، شال سازی اور شکار کے قانون تین شاہی افسر خواجہ میر کی، قلندر بیگ اور ملا منظری کے زیر نگرانی رہیں گے[۵]، مبارک خان گکھر کی لڑکی کی شادی شہزادہ یعقوب سے ہو گی[۶]، اور یوسف شاہ شہزادہ یعقوب کو اکبر کے حضور میں پیش کرنے کا ذمہ دار ہو گا[۷]، اکبر نے اس صلح نامہ کو پسند نہیں کیا، لیکن ان حالات کو دیکھ کر جن میں یہ صلح ہوئی تھی، اس کو منظور کر لیا۔[۸]

---

[۱] بہارستان شاہی ورق ۱۷۷ الف، حیدر ملک ورق ۱۹۹ الف، ب، طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۰۱، اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۵۰، پر یہ غلط لکھا ہے کہ کشمیری صلح کی التجا کرنے آئے تھے، مزید دیکھو منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۳، [۲] طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۰۱، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۳

[۳] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۳ [۴] بہارستان شاہی ورق ۱۷۷ الف، اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۵۰،

[۵] اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۵۰، اور حاشیہ ۲، [۶] حیدر ملک ورق ۱۹۱ الف، [۷] بہارستان شاہی ورق ۱۷۷ ب، [۸] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۳ کے مطابق اکبر نے صلح نامہ کو منظور نہیں کیا، طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۰۱ میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ شہنشاہ نے صلح نامہ کو اتنا ناپسند کیا، کہ اپنے افسروں کو اپنے سامنے بھی نہیں آنے دیا، معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اکبر نے صلح نامہ کو منظور کر لیا، (اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۵۰)

صلح کے بعد مغل فوج کشمیر سے واپس ہوئی، اور ۲۸ مارچ ۱۵۸۶ء کو اٹک کے مقام پر راجہ بھگوان داس نے یوسف شاہ کو اکبر کے سامنے پیش کیا[1]۔ اکبر اس سے عزت سے پیش آیا، لیکن اس کو قید کر کے راجہ رام داس کچھواہا[2] کے حوالہ کر دیا۔ یہ صلح نامہ کی صاف خلاف ورزی تھی، کیونکہ صلح نامہ کے رو سے شہنشاہ کو خراج دینے کے بعد یوسف شاہ کو اپنے وطن واپس ہونے کا حق تھا، بھگوان داس اس بات سے اتنا برگشتہ ہوا کہ اس نے خودکشی کر کے اپنی نسلی شان بچانے کی کوشش کی[3]۔ لاہور پہنچنے پر اکبر نے یوسف شاہ کو راجہ ٹوڈرمل کی زیر نگرانی رکھا، اور اس کی حراست میں وہ ۲½ سال تک رہا، راجہ مان سنگھ کابل سے واپس ہوا تو شہنشاہ نے اس کی درخواست پر یوسف شاہ کو آزاد کر دیا[4]، اکبر نے یوسف شاہ کو پنج صدی سوار کا منصب عطا کیا، جس سے ۲۱ سو سے ۲۵ سو روپیے تک ماہانہ تنخواہ ملتی تھی، اور اس کو راجہ مان سنگھ کے ساتھ بہار بھیج دیا گیا[5]،

---

[1] اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۸۷، مزید دیکھو طبقات اکبری ج ۲ ص ۵۰۷۔ اکبر، مصنفہ اسمتھ ص ۲۳۹ میں یہ غلط لکھا ہے کہ یعقوب بھی اپنے باپ کے ساتھ پیش ہونے کے لیے گیا تھا، اسمتھ کبھی کبھی واقعات کے تسلسل کو غلط بیان کر دیتا ہے۔ [2] حیدر ملک ورق ۱۰۱ الف [3] بہارستان شاہی ورق ۱۷۷ اب، منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۴۶ لیکن اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۵۶ پر لکھا ہے کہ اس نے ایسا پاگل پن میں کیا تھا، اکبر مصنفہ اسمتھ ص ۲۴۰ پر اس کو ٹھیک تشریح سمجھتا ہے، [4] مان سنگھ کی جگہ پر زین خان کابل کا والی ہوا، اور مان سنگھ کو بہار بھیج دیا گیا،

[5] اکبر، از اسمتھ ص ۲۴۰-۱، حیدر ملک ورق ۱۰۱ الف، حیدر ملک Bibliothèque Nationale ورق ۶۲ کے مطابق یوسف کو اپنے اخراجات کے لیے سو روپیہ یومیہ ملتا تھا،

یوسف شاہ سلاطین کے عہد کے تمام حکمرانوں میں سب سے زیادہ باذوق تھا، وہ
بہت خوبصورت تھا، فن موسیقی کا ماہر، فارسی اور کشمیری شاعری کا دلدادہ،
شعراء، علماء، اور مغنیوں کا سرپرست رہا، اور خود بھی شاعر تھا، اگرچہ اس کے
اندر کوئی ذاتی شجاعت نہ تھی، لیکن تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنے چچا ابدال
چک کی بغاوت فرو کرنے میں بڑی مستعدی اور قوت کا مظاہرہ کیا، کشمیر سے
نکالے جانے کے بعد تخت شاہی کی بازیافت کی کوشش میں اس نے بڑا اہم
کارگذاری، حوصلہ مندی، اور سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا، حکومت کی باگ ڈور
دوبارہ ہاتھ میں آنے کے بعد اس نے اپنی رعایا کی فلاح وبہبود کے لیے کوشش
کی، کسانوں سے سپاہیوں کا بیگار لینا ممنوع قرار دیا، اور اپنے پیش رووں
کے خلاف اس نے بانجیوں سے بیگار اور زکوٰۃ لینی بھی بند کر دی، جزیہ
اور ان تمام ظالمانہ محصولوں کو متروک قرار دیا، جو باغوں، مویشیوں اور
دستکاروں پر لگائے جاتے تھے، لیکن ان باتوں کے باوجود اپنی غلطیوں سے
اس کا زوال ہوا، تخت نشین ہونے پر اس کو خیال پیدا ہو گیا، کہ اس کے
لیے اب کوئی خطرہ نہیں، اس لیے امور سلطنت سے غافل رہنے لگا، اور
اس کا زیادہ تر وقت شراب نوشی، عورتوں اور مغنیوں کی صحبت میں گذرنے
لگا، اس کے علاوہ اس کے سر پر مغل حملہ کا بھوت اس طرح سوار تھا، کہ
رعایا کی وفاداری اور یقین دہانی اس کے دل سے خوف دور نہ کر سکی، چنانچہ
دشمن کی مدافعت کرنے کے بجائے وہ مقابلہ کو فضول سمجھتا تھا، اور اس بات پر

لے حیدر ملک ورق ۱۸۲ اب، ہانجیوں سے زکوٰۃ شاید ان کی غریبی کی وجہ سے نہیں وصول کیجاتی تھی،

یقین رکھتا تھا، کہ حکومت کو صرف سپر اندازی کی حکمت عملی ہی بچا سکتی ہے، یہ اس کی غلطی تھی، کیونکہ اس کو سوچنا چاہیئے تھا، کہ اکبر کشمیر کو اپنی مملکت میں شامل کرنا چاہتا تھا، اور اگر ایک مرتبہ وہ اس کے ہاتھ میں آجاتا تو اپنی آزادی اور تخت دونوں ہی سے وہ ہاتھ دھو بیٹھتا۔

جلاوطنی کے ایام میں یوسف شاہ کے حالات بڑے المناک تھے، شہنشاہ سے اس کو جو وظیفہ ملتا تھا، اگرچہ اس کے آرام و آسایش کے لیے کافی تھا، لیکن اس کی شان برقرار رکھنے کے لیے ضرور کم تھا، اور پھر وہ بڑا ہی فیاض اور عیش و عشرت کا عادی تھا، اس لیے اس کا ہاتھ ہمیشہ خالی رہا، اس کے علاوہ بہار کے میدانوں کی شدت کی گرمی میں وہ کشمیر کے حسین مناظر اور ٹھنڈی اور خوشگوار آب و ہوا کی حسرت میں مرتا تھا، جلاوطنی میں اس کو شعراء، علماء اور مغنیوں کی صحبت کی بڑی کمی محسوس ہوتی، اور سب سے زیادہ اپنی محبوب ملکہ حبہ خاتون کے لیے وہ بے چین رہتا، وہ ایک کسان کی لڑکی تھی، جو وہی پرگنہ میں خیدہار گاؤں کا رہنے والا تھا، وہ اپنے پہلے شوہر سے خوش نہ تھی، وہ شرابی اور بدکار تھا، اور اس سے برابر تاذ کرتا تھا، حبہ خاتون شاعرہ اور مغنیہ تھی، اس کی آواز بڑی سریلی تھی، یوسف شاہ اس پر فریفتہ ہو گیا، اور پھر اس سے شادی کر لی۔[1] اس نے اس کے واسطے گل مرگ، سونامرگ اور دوسرے خوبصورت مقامات پر پہاڑی تفریح گاہیں تعمیر کرائیں، جہاں

---

[1] تاریخ حسن ج ۲ ورق ۲۰۴ الف، یہ بات حیرت انگیز ہے کہ معاصر سندوں مثلاً بہارستان شاہی اور حیدر ملک میں حبہ خاتون کا کوئی ذکر نہیں ملتا، ہماری اطلاعات مقامی روایتوں پر مبنی ہیں لیکن بدقسمتی سے اس کے متعلق وادی کشمیر میں بے شمار رومانی کہانیاں مشہور ہیں، اس لیے حقیقت کو افسانے سے علحدہ کرنا مشکل ہے،

وہ اس سا تھ جایا کرتا تھا لیکن شاہی قید میں رہ کر اس سے دوبارہ ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی، ان باتوں کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس کا دماغ ماؤف ہوگیا، اور بروز سہ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۰۰۰ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۵۹۲ء کو ۷ روز کی علالت کے بعد انتقال کر گیا، اور پرگنہ بسوک میں دفن ہوا[2]

---

[1] تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۴۳ الف،

[2] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۲۱ (نولکشور) میں نبوک لکھا ہے، جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۸ء ص ۱۶۶ میں بھی بسوک لکھا ہے، اور ابھی تک یہ جگہ اسی نام سے مشہور ہے، لیکن آئین اکبری ج ۲ ص ۱۶۶ (انگریزی اڈیشن) میں بسوک (Biswak) لکھا ہے، اور بہارستان شاہی میں بسنگ یا بسنک لکھا ہے، میں پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر حسن عسکری کا بے حد شکر گذار ہوں، کہ انھوں نے میرے لیے یہ زحمت اٹھائی، کہ وہ خود بسوک گیے، اور یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کی قبروں کے بارے میں مقامی باشندوں سے معلومات فراہم کیں، وہ لکھتے ہیں:۔

"بسوک اسلام پور (ضلع پٹنہ) کے شمال مشرق میں ۴ میل پر واقع ہے، گانوں کے قریب ایک ٹیلہ ہے، جس کو گڑھ کہا جاتا ہے، لیکن اس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، اس مقام پر معمولی کھدائیوں کے وقت تانبے اور سونے کے سکے نکلتے رہتے ہیں، اگلے بار تو مٹی کے چکے بھی ملے تھے، جن میں شاہجہانی دور کی سونے کی مہرین بھی تھیں، اس گڑھ کے پاس ہی شاہ یعقوب اور یوسف شاہ کے مقبرے ہیں، ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں گانوں والوں کو کچھ نہیں معلوم، بسوک سے تھوڑے فاصلہ پر ایک گانوں کشمیری چک ہے، جواب ناچراغی ہے، مقامی روایتوں کے مطابق اس گانوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴)

رہنے والے مسلمان کشمیر سے آئے تھے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یوسف شاہ کے مقبرے کے پاس والے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اب یہاں پر صرف ایک ٹیلہ رہ گیا ہے، جس کو کسانوں نے زیر کاشت لانے کے خیال سے زمین کے برابر کرنا چاہا، لیکن یہ جان کر کے کہ یہ مقبرہ ہے، اس کو توہم پرستی کی بنا پر نیم منہدم چھوڑ دیا، اگر مقامی روایتوں کو تاریخی اطلاعات سے ملایا جائے، تو بات یقینی طور پر ثابت ہو جائے گی، کہ یہ مقبرے کشمیر کے حکمران یوسف شاہ اور اس کے لڑکے اور جانشین یعقوب شاہ کے ہیں، اکبر نامہ اور دوسری تاریخوں کے مطابق اکبر نے یوسف شاہ کو شکست دیکر قید کر لیا، بعد میں اس کو قید سے رہا کر دیا گیا، اور پرگنہ بسوک میں جاگیر عطا ہوئی، باپ بیٹے بس گئے اور وہیں انتقال کیا، کشمیری چک گاؤں جس میں کشمیری آباد تھے، اس کا مزید ثبوت ہے تاریخی سند اور روایتیں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں، اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مقبرے یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کے ہیں)

دسواں باب (۱۰)

سلطنت کا زوال

صلح مغلوں اور یوسف شاہ کے درمیان ہوئی تھی، اور یوسف شاہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، اور سلطان نہیں رہ گیا تھا یعقوب شاہ اور کشمیری امراء نے اپنے آپ کو اس صلح کا پابند نہیں سمجھا، اس لیے مغلوں کی واپسی کے بعد جب یعقوب شاہ سری نگر لوٹا تو اس نے اپنے نام سے سکے ڈھالے، اور خطبہ پڑھوایا،[۱] لیکن وہ دانش مندی، اہلیت، اور انصاف کی حکومت نہ کر سکا، ایک غلطی تو اس نے علی ڈار کو وزیر اعظم بنا کر کی، جو منشیات کا عادی تھا،[۲] یعقوب شاہ پر حکومت کا نشہ سوار ہوا تو وہ امراء سے بے حرمتی کا برتاؤ کرنے لگا، اور ان کے مشورے

۱۔ بہارستان شاہی ورق ۱۸۰ الف۔ ۲۔ اکبرنامہ ج ۳ ص ۷۲۲ میں لکھا ہے کہ یعقوب شاہ اس قدر مغرور ہو گیا تھا کہ اس نے شاہ اسمٰعیل کا لقب اختیار کر لیا تھا، شاید اس نے ایسا خاندان صفوی کے بانی کے اتباع میں کیا ہو،

کو ٹھکرانے لگا، اس کے علاوہ مغلوں کو شکست دینے کے بعد وہ ایک غلط قسم کے احساس میں مبتلا ہو گیا تھا، کہ کشمیر اب ہر طرح محفوظ ہے، اور ملک میں داخل ہونے والے دروں کے دفاع کا خیال ترک کر دیا۔[۱] لیکن اس کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے سنیوں کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا، ملا عینی کو جن کو اس نے خان کا خطاب دیا تھا، قاضی موسیٰ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا، کہ وہ آئندہ نماز جماعت میں حضرت علیؓ کا نام لیا کریں، قاضی موسیٰ نے انکار کیا تو ملا کر ان سے بحث[۲] کی، قاضی موسیٰ نے کہا کہ حکمرانوں کو مذہبی امور سے الگ اپنی توجہ امور سلطنت کی طرف رکھنا چاہیے تعصب ہونا چاہیے کیونکہ تعصب سے مملکت میں انتشار اور پراگندگی پھیلتی ہے، اس گستاخانہ جواب سے یعقوب شاہ بہت ناخوش ہوا، لیکن اس وقت اس نے قاضی موسیٰ کو گالی دے کر اپنے آپ کو تسلی دے لی،[۳]

یعقوب کے تکبر اور مذہبی شدت پسندی کی بنا پر کچھ امراء مثلاً شمس چک ملک حسن چادورا، عالم شیر ماگرے اور وزیر اعظم علی ڈار اس کے خلاف ہو گئے، اور انھوں نے لاہور جا کر اکبر سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کیا،[۴] لیکن جب وہ ہیرا پور پہنچے تو حسن ملک نے یہ مشورہ دیا، کہ بارش کا موسم شروع ہونے والا ہے، اس لیے ہندوستان جانے کا خیال ترک کر دیا جائے، سری نگر چل کر

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۹۲ الف، ۲؎ حیدر ملک (Bibliotheque Nationale) ورق ۲۳ الف، ۳؎ حیدر ملک ورق ۱۹۲ الف ب، نوادر الاخبار ورق ۱۰۷ ب، ۱۰۶ الف، تک ص ۴۰۰، ۴۰۴ پر ان مذہبی تنازعوں کا ذکر کیا ہے،

۴؎ حیدر ملک ورق ۱۹۲ الف

اس پر قبضہ کر لینا چاہیئے، کیونکہ یعقوب شاہ اس وقت بھاگ گانوں میں تھا،[۱] یہ بات جب یعقوب کو معلوم ہوئی، تو اس نے محمد بٹ کو رہاگر کے ملک ڈار کی جگہ پر وزیر بنا دیا، محمد بٹ کے مشورہ پر وہ فوراً راجدھانی کے لیے روانہ ہوا، اور باغیوں کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا، باغی ذیالدگر میں خیمہ زن ہوئے، اور یعقوب عیدگاہ کے میدان میں جم گیا،[۲] ایک ہفتہ تک بے ضابطہ لڑائی ہوتی رہی، لیکن میر شمس الدین کے لڑکے شیخ حسن اور بابا خلیل نے جو یعقوب شاہ کے پیر تھے، معاملہ طے کرا دیا، باغیوں کو کمراج کا صوبہ ملا، اور وہ سوپور چلے گیے، جو ان کا صدر مقام بننے والا تھا، لیکن راستہ میں شمس[۳] چک اور عالم شیر ماگرے نے یعقوب کے خلاف سنیوں کا انتقام لینے کی غرض سے بابا خلیل اور شیخ حسن کو قتل کر ڈالنے کا فیصلہ کیا، لیکن ملک حسن نے مداخلت کر کے انہیں صحیح سلامت سری نگر واپس بھیج دیا، جب یعقوب نے سنا کہ شمس چک اور عالم شیر ماگرے نے شیعہ عالموں کی جان لینی چاہی تھی، تو بہت خفا ہوا، اس کے علاوہ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ شمس چک نے سوپور کا پل برباد کر دیا ہے، اور جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے،[۴] اس لیے وہ سری نگر سے ایک بڑی فوج لیکر چلا، اور سوپور کے قریب جہلم کو پار کر کے باغیوں پر حملہ کیا، اور ان کو شکست دی، شیر ماگرے کچھیاما پہاڑی اور علی بربل کی طرف بھاگ گیے، شمس چک نے سری نگر میں پناہ لی لیکن

---

۱ حیدر ملک ورق ۱۹۳ الف، ۲ ایضاً بہارستان شاہی ورق ۱۶۹ الف،

۳ حیدر ملک ورق ۱۹۳ ب، ۴ ایضاً ورق ۱۹۴ الف لیکن بہارستان شاہی ورق ۱۷۰ الف پر جھگڑے کا ذکر مختلف پہلو ہے،

گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا[۱]

بغاوت فرو کرنے کے بعد یعقوب نے قاضی موسیٰ پر پھر دباؤ ڈالنا شروع کیا، وہ نماز میں حضرت علیؓ کا نام لیں، لیکن قاضی موسیٰ راضی نہ ہوئے، اور حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، کچھ تو اس انکار کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ حالیہ بغاوت کی ساری ذمہ داری یعقوب موسیٰ کے سر رکھتا تھا، یعقوب نے اپنے مشیروں کے منع کرنے کے باوجود موسیٰ کی پھانسی کا حکم دیدیا[۲]، یہ نہایت ہی غیر دانشمندانہ فعل تھا، کیونکہ اس سے سنی دشمن ہو گیے، اور کشمیر کی مغلیہ حکومت میں الحاق کی راہ ہموار ہو گئی[۳]، دوسری غلطی اس نے یہ کی کہ ملا حسن اسود کے مشورہ پر محمد بٹ جیسے لائق آدمی کو وزیر کے عہدہ سے ہٹا کر قید خانہ میں ڈال دیا، اس کی جگہ نازک بٹ وزیر اعظم ہوا، لیکن اس میں ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں تھی[۴]،

یعقوب شاہ کے تعصب اور سخت رویہ کی وجہ سے بابا داؤد خاکی اپنے مریدوں کے ساتھ ملتان چلے گیے، اور بہت سے سردار شیخ یعقوب صرفی کی قیادت میں اکبر کے دربار میں پہنچے، اور اس سے کشمیر پر حملہ کرنے اور اس کے الحاق کرنے کی درخواست کی، انھوں نے شہنشاہ سے یہ اقرار نامہ کیا[۵]،

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۹۷ الف، بہارستان شاہی ورق ۱۸۰ الف

۲؎ ایضاً ورق ۱۹۵ الف، ۳؎ ایضاً ورق ۱۹۵ الف

۴؎ بہارستان شاہی ورق ۱۸۱ ب

۵؎ واقعات کشمیر ورق ۸۵ الف،

(۱) عبادت کی پوری آزادی ہوگی، اور مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔

(۲) اشیاء کے خرید و فروخت اور کھانے کی چیزوں کے بھاؤ میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔

(۳) کشمیریوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا،

(۴) کشمیریوں کو تنگ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ان سے بے گار لی جائے گی،

(۵) ایسے کشمیری امراء کا تعلق جو شہر انگیزی کے ذمہ دار ہیں نظم ونسق سے نہیں رہے گا، [1]

پہلے ذکر آچکا ہے کہ اکبر نے راجہ بھگوان داس اور یوسف شاہ کے درمیان ہونے والی صلح کو ناپسند کیا تھا، لیکن صرف حالات کو دیکھتے ہوئے اس کو منظور کر لیا تھا، لیکن جب اس کو کشمیریوں کے آپس کے جھگڑوں کا حال معلوم ہوا اور شیخ یعقوب صرفی نے کشمیری سرداروں کی حمایت کا یقین دلایا، تو اس نے کشمیر فتح کرنے کا مصمم ارادہ کیا، پہلے اس نے مرزا شاہ رخ کی زیر نگرانی ایک فوج روانہ کی لیکن مرزا کو ہندوستان لوٹنے کی جلدی تھی، وہ ٹھیک طور سے یہ خدمت انجام نہیں دے سکا، اس لیے اس کو اس عہدہ سے ہٹا دیا گیا، [1] اور اس کی جگہ پر میر قاسم بحر [2] کو متعین کیا، اور اس کے ساتھ فتح خان اور مرزا علی اکبر شاہی کو بھیجا، اور یعقوب صرفی اور حیدر چک کے سپرد راستہ بتانے اور کشمیریوں کو مغلوں کی طرف ملانے کا کام سپرد کیا، [3] قاسم خان لاہور سے

---

[1] اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۷۷،

[2] اس کے حالات زندگی کے لیے دیکھو آئین اکبری (بلاخمن) ص ۱۳-۴۱۲

[3] اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۴۷، مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۸۲ الف

[4] بہارستان شاہی ورق ۱۸۲ الف،

۲۸ جون ۱۵۸۶ء کو روانہ ہوا اور ایک ستمبر ۱۵۸۶ء کو بھمبر کے تنگ راستہ سے گذرا، رجوری پہنچنے پر بہرام نایک، اسماعیل نایک اور شنکی چادر[۲] نے آکر خود کو پیش کر دیا، ان کے سپرد کشمیر میں داخلے کے دروں کے دفاع کا کام تھا، انھوں نے کشمیری امرا کی حمایت کا بھی اس کو یقین دلایا[۳]،

مغلوں کے حملہ کی اطلاع پاکر یعقوب شاہ نے اس کو پسپا کرنے کی غرض سے ہیراپور کی طرف پیش قدمی کی، لیکن کہیں سے اس کو تعاون نہیں حاصل ہوا، بلکہ لوگ اس سے کترا رہے تھے، اس نے بہادر خان چک اور نورنگ خان چک کی زیر نگرانی ایک فوج روانہ کی تھی، لیکن راستہ ہی میں بہادر چک نے نورنگ چک کو گرفتار کر لیا، اور مغلوں سے جا ملنے کے لیے روانہ ہوا[۴]، اس کو ظفر خان نایک نے راستہ میں روکا اور اس کے ہاتھوں سے نورنگ چک کو چھڑا لیا، لیکن بہادر چک مغلوں سے کرن بل[۵] میں جا کر ملنے میں کامیاب ہو گیا، اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی غداری کی، یوسف خان، عبیہ خان

۱؎ اکبرنامہ ج ۳ ص ۵۲۷، مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۸۴ ب، اور منتخب التواریخ ج ۲ ص ۵-۳۴۷، اکبرنامہ اور منتخب التواریخ میں دی ہوئی تاریخوں میں کچھ ہی دن کا فرق ہے، بہارستان شاہی میں بھی لکھا ہے کہ قاسم نے ۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۶ء میں سری نگر پر قبضہ کر لیا لیکن اکبرنامہ (بلاخ من) ص ۱۲۴ اور طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۰۳ کے مطابق قاسم خان لاہور سے شروع شعبان ۹۹۵ھ یعنی ۱۵ جولائی ۱۵۸۷ء سے پہلے روانہ ہوا، ۲؎ اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۶۷، ۳؎ ابوالفضل کا سردار ادہی چادورہ کا نون ہے جہاں حیدر ملک پیدا ہوا تھا، ۴؎ اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۶۷، بہارستان شاہی ورق ۱۸۲ ب، مزید دیکھو شک ص ۷-۴۰۵،

اور سید مبارک مغلوں کی پیش قدمی روکنے کو ناممکن سوچ کر لوٹ آئے، اور ہیراپور میں یعقوب شاہ سے جا ملے، ان باتوں سے یعقوب شاہ اتنا برگشتہ ہوا کہ اس نے کشتواڑ چلے جانے کا فیصلہ کیا، اور پرگنہ برنگ پہنچتے پہنچتے اس کے ساتھ بس گنے چنے آدمی رہ گیے تھے[2]۔

اس قسم کی غداری سے قاسم خان کی ہمت افزائی ہوئی، اس کے علاوہ یعقوب صرفی نے اس کو یقین دلا رکھا تھا، کہ ہستی ونج میں اور بہت سے سردار اس سے ملنے کا انتظام کر رہے ہیں، اس لیے قاسم خان نے یعقوب صرفی اور رجوا بانجی کو ایک لشکر لے کر ان سے ملنے کے لیے بھیجا، برف باری اور بارش کی وجہ سے سخت مصیبتیں برداشت کرتا ہوا مغل لشکر ہستی ونج پہونچا، تو اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی کیونکہ کشمیری امرا کا رویہ دوستانہ نہ تھا، بلکہ وہ تو ان کی پیش قدمی روکنے کو تیار تھے[3]۔ اصل میں بات یہ تھی کہ کشمیری سردار مثلاً حسین خان، شمس گنائی، اور دومردوں نے یعقوب کو شکست دلانے اور راہ فرار اختیار کرنے پر شرمندگی ہوئی، اور انھوں نے خیال بدل دیا، اور مغلوں کے سامنے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۱) ۵ حیدر ملک ورق ۱۹۵ اب، حیدر ملک (Bibliothèque Nationale) ورق ۱۲۴ الف کے مطابق ہیراپور پہنچتے پہنچتے یعقوب کے ساتھ ۳۰ یا ۴۰ سوار رہ گیے تھے ۶ حیدر ملک ورق ۱۹۶ الف، کرن بل اور دزکرتل ایک ہی ہیں دیکھو ص ۱۳۳ حاشیہ نمبر کتاب ہذا

۱ بہارستان شاہی ورق ۸۲ اب، ابدال خان کے رہا کے عیبہ خان کا نام اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۸ میں عیبہ خان لکھا ہے، دونوں ایک ہی ہیں، ۲ حیدر ملک ورق ۱۸۳ اب برنگ ضلع اننت ناگ میں ہے

۳ دیکھو ص ۲۴۴ کتاب ہذا برائے ہستی ونج، اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۷۰، ۷۷، حیدر ملک ۱۹۶ الف

سپر نہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ وہ مغلوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے ہستی ونج پہونچے، انھوں نے مغلوں کو شکست دی، اور یعقوب صرفی اور جے تواجی باشی کو قید کر لیا،[1] لیکن اپنی فتح کو فیصلہ کن سمجھ کر وہ نہ تو آگے بڑھے اور نہ دروں کے دفاع کا انتظام کیا، اور ہیراپور چلے گئے، یہاں انھوں نے عیسیٰ خان کے لڑکے حسین خان چک کو یعقوب شاہ کی جگہ تخت نشین کیا،[2]

اس درمیان میں ملک میں انتشار سے فائدہ اٹھا کر شمس چک یعقوب کی قید سے نکل بھاگا، اور کمراج کی طرف روانہ ہوا،[3] جادورا پہونچ کر اس کی ملاقات ملک حسن سے ہوئی جس نے شمس چک کو ہیراپور جانے اور مغلوں سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، اس نے مشورہ قبول کیا، اور ملک حسن کے ساتھ ہیراپور کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر امراء کے ایما سے شمس چک نے خود سلطان ہونے کا اعلان کر دیا، اور حسین خان کو معزول کر دیا، حسین خان چار روز قبل ہی تخت پر بیٹھا تھا،[4]

۱؎ بہارستان شاہی ورق ۱۸۳ ب، حیدر ملک ورق ۱۹۷ ب، اکبرنامہ ج ۳ ص ۷۰، کے مطابق یعقوب زخمی ہوا تھا، لیکن اس کے احباب نے اس کو بچا لیا، جے قید کر لیا گیا، یہ جنگ یعقوب کے کشتواڑ جانے کے بعد ہوئی تھی، نہ کہ پہلے جیسا کہ اکبرنامہ میں لکھا ہے، اکبرنامہ میں ہمیشہ واقعات کا تسلسل صحیح نہیں ہوتا ۲؎ حیدر ملک ورق ۱۹۷ ب حسین شاہ یعقوب شاہ کا cousin چچازاد بھائی تھا، (حیدر ملک Bibliothaque Nationale) ورق ۱۷۴ الف ۳؎ یعقوب شاہ نے اپنے حالات کو بگڑتے دیکھ کر شمس چک اور سابق وزیر محمد بٹ کو رہا کر دیا تھا تاکہ وہ اس کی مدد کر سکیں، لیکن اپنے منحرف ہوگئے

باہمی تنازعوں کی وجہ سے کشمیری اپنی توجہ دشمن پر مرکوز نہیں کر پائے تھے، مغل جب کرن پل پہاڑی کو پار کر کے درہ ہستی ونج تک پہنچ گئے، تو شمس چک ان سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑھا[۵۵]، ۱۰ اکتوبر ۱۵۸۶ء کو شمس چک اور مغلوں کے ہراول دستے میں مقابلہ ہوا، کشمیریوں نے اونچائی پر ہونے سے فائدہ اٹھایا، اور اچھی طرح نشانہ لگا کر اور بھاری پتھر نیچے کی طرف لڑھکا کر مغلوں کو پیچھے ہٹا دیا، اس پر قاسم خان بذات خود کشمیریوں سے مقابلہ کے لیے بڑھا، کشمیریوں نے سخت مقابلہ کیا، لیکن فوجی سرداروں میں محمد قاسم خان نایک، اس کے لڑکے ظفر خان نایک، شمس چک کے لڑکے محمد چک کے مارے جانے کے بعد ان کی ہمت چھوٹ گئی، اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، مغلوں نے ان کا تعاقب کیا، قاسم خاں کی ہدایت پر یادگار حسین فوراً سری نگر پر قبضہ کرنے کو بڑھا، کسی نے اس کا مقابلہ نہیں کیا، اور ۱۴ اکتوبر کو وہ سری نگر میں داخل ہوا، اور شہنشاہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا[۵۶]، دوسرے دن قاسم خان خود بھی راجدھانی میں وارد ہوا،

(بقیہ حاشیہ ۲۹۳) دباؤ سے اس نے انھیں پھر قید کر لیا، لیکن بگڑتے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھا کر وہ دونوں قید سے فرار ہو گئے، (اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۰۸)

[۵۴] حیدر ملک ورق ۱۵۷ اب ۱۹۷ ب،

[۵۵] بہارستان شاہی ورق ۱۴۸ الف میں یہ غلط لکھا ہے کہ شمس چک مغلوں سے لڑنے کے خیال سے کرن پل پہاڑی کے اوپر گیا تھا، اور اس کی شکست کھانے کے بعد مغلوں نے ہستی ونج میں اپنا کیمپ لگایا، [۵۶] اکبر نامہ ج ۳ ص ۵۰۷، ۷۹، حیدر ملک ورق ۱۹۸ الف، مزید دیکھو حیدر ملک (Bibliothique Nationale) ورق ۱۶۴ الف،

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اپنے حامیوں کی غداری کا شکار ہو کر یعقوب شاہ کشتواڑ بھاگ گیا تھا لیکن اس کے خسر کشتواڑ کے راجہ بہادر سنگھ نے مغلوں سے لڑے بغیر، اس طرح بزدلی کے ساتھ بھاگ آنے پر سخت سرزنش کی، چنانچہ یعقوب شاہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ پھر وادی کو لوٹا، یوسف خان، ابراہیم خان اور ملک حسن اس سے آکر ملے[1]، اور دوسرے بہت سے لوگ قاسم خان کی جابرانہ حکومت سے تنگ آکر یعقوب کے ساتھ ہو گئے[2]، اس طرح اس کی فوج میں ۸ ہزار سوار ہو گئے، اور اس نے حیدر کوٹ[3] کو اپنا صدر مقام بنایا، دوسری طرف شمس چک نے سوپور میں اپنے قدم جما لیے تھے، اس کے پاس ۳ ہزار سوار، ۷ ہزار پیدل فوج تھی، اور حسین خان اور ابو المعالی اس کے حامی ہو گئے تھے، حیدر کوٹ اور سوپور سے کشمیری الگ الگ جتھوں میں مغلوں پر حملے کرنے لگے، انھوں نے جم کر لڑنے سے احتراز کیا، اور اچانک حملہ کر کے پیچھے رہ جانے والی فوجوں پر چھاپہ مار کر اور رسد روک کر، ان کو پریشان کرنا شروع کیا، یہ ترکیب اتنی کامیاب رہی کہ مغلوں کے لیے شہر چھوڑنا ناممکن ہو گیا[4]،

ڈیڑھ مہینے کی مستقل پریشانیوں کے بعد قاسم خان نے یعقوب پر حملہ کا ارادہ کیا، لیکن اپنے فوجی کیمپ میں پہنچ کر اس کو معلوم ہوا کہ یعقوب نے اس سے پہلے ہی

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۹۸ اب، [2] اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۹۷،

[3] سری نگر سے شمال مغرب میں ۲۹ میل پر بارہ مولہ تحصیل میں یہ ایک اہم گاؤں ہے،

[4] حیدر ملک ورق ۱۹۸ اب ۱۹۹ الف،

شہر پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کر دی ہے، قاسم خان اُلٹے پاؤں لوٹا اور محمد علی کی زیر نگرانی ایک فوج اس کی طرف بھیجی، سری نگر کے جنوب مشرق میں دلر میں ایک پہاڑی کے قریب یعقوب شاہ ان کا انتظار کر رہا تھا، اس نے مغلوں پر حملہ کیا، اور فتح اسی کی ہوئی،[۱] اس سے اس کی ہمت اور بڑھی، اور اس نے شہر کے مغربی حصہ پر شبخون مارا، بہت سے مکانوں کو آگ لگا دی گئی، اور یوسف شاہ کے محل کو بھی جس میں قاسم خان رہا کرتا تھا، نذر آتش کر دیا گیا، اس کو مجبوراً ملک محمد ناجی کے باغ میں پناہ لینی پڑی، وہاں سے وہ مدافعت کے متعلق ہدایات دیتا رہا، اور حیدر چک کی پھانسی کا حکم دیا، کہ کہیں وہ بھاگ کر یعقوب سے نہ جا ملے،[۲] جب کشمیریوں نے حیدر چک کی موت کی خبر سنی تو انہیں بہت غصہ آیا، اور انھوں نے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کیا،[۳] شہر کے ہر ایک کونے اور چپے میں مغلوں پر حملہ شروع کر دیا، اور بہتروں کو مار ڈالا، اور شاید اس طرح انہیں فتح حاصل ہو گئی ہوتی، اگر یعقوب نے ایک حماقت نہ کی ہوتی، اپنی ابتدائی فتح سے خوش ہو کر اس سے حسین خان اور اس کے حامیوں کو پھانسی کا حکم دیدیا، حسین خان ہیرا پور میں تخت پر بیٹھا تھا، اس سے یعقوب شاہ کی فوج میں خوب و ہراس پھیل گیا، اور ان میں سے بہت سے میدان جنگ

۴۰۹

[۱] اکبر نامہ ج ۳ ص ۵۰۸، ۵۰۷ [۲] بہارستان شاہی ورق ۸۷ الف، تکملہ حیدر ملک ورق ۱۹۹ اب پر لکھا ہے کہ حیدر چک کو اس کے محافظوں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ قاسم کے حکم کے بغیر اس کو پھانسی دی گئی ہوگی،

[۳] بہارستان شاہی ورق ۸۷ الف، اکبر نامہ ج ۳ ص ۵۰۷،

سے چلے آئے، اس سے اس کی حالت کمزور ہو گئی،[۱] اسی درمیان میں مغلوں نے پھر جارحانہ حملہ شروع کر دیا، کیونکہ انہیں فتح خان کے لڑکے محمد خان نے جہلم کو پار کر کے مزید کمک پہنچا دی تھی یعقوب کے ساتھی اس حملہ کا مقابلہ نہ کر سکے، اور بھاگ کھڑے ہوئے، علی اکبر شاہی[۲] نے ان کا تعاقب کیا،

اس فتح سے مغلوں کا حوصلہ بڑھا، اور قاسم خان نے کشمیر کے مختلف حصوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے فوجی جتھے بھیجنے شروع کر دیئے، اسی زمانہ میں اس نے شیخ دولت بختیار کی زیر نگرانی ایک فوج شمس چک کے خلاف بھیجی، جو سوپور میں تھا، جب مغل دناڈری پہنچے تو شمس چک نے سید حسین بیہقی اور شمس دونی کے ساتھ مل کر شبخون کیا، لیکن شکست کھا کر سوپور چلے گئے، وہاں سے موسم سرما کی وجہ سے وہ کرناؤ[۳] کی پہاڑیوں کی طرف چلے گئے، دوسرے کشمیری سردار بھی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے، اور یعقوب شاہ کشتواڑ واپس چلا گیا،[۴] لیکن یوسف خان خانخاناں، حسین خان اور محمد بٹ نے مدافعت کو فضول سمجھ کر قاسم خان سے بات چیت شروع کر دی، اور اپنے تحفظ کا یقین کر کے ۹ دسمبر ۱۵۸۶ء کو حاضر ہو گئے، انہیں بابا خلیل، بابا مہدی، اور سید مبارک کے ساتھ جن پر کشمیریوں کو مغلوں کے خلاف ورغلانے کا شبہ تھا، لاہور بھیج دیا گیا، اور

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۹۹ ب

[۲] اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۷۶

[۳] حیدر ملک ورق ۲۰۰ الف، بہارستان شاہی ورق ۱۸۷ الف اور آگے،

[۴] بہارستان شاہی ورق ۱۸۸ الف،

۲ر مارچ ۱۵۸۶ء کو شہنشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا[1]،

موسم سرما میں دو مہینے تک جنگ رکی رہی، لیکن موسم بہار کے آتے ہی یعقوب شاہ کشتواڑ سے واپس ہوا، اور دکھر پرگنہ[2] میں ایک پہاڑی کے دامن میں اپنے قدم جمالیے، اور شمس چک کرناؤ سے سوپور لوٹ آیا[3]، کچھ دنوں تک مغلوں اور کشمیریوں میں روزانہ جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن یہ جھڑپیں فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکیں، آخر کار ۱۵۸۶ء کے شروع میں قاسم خان نے میرزادہ علی خان اور سید عبداللہ خان[4] کے زیر نگرانی ایک فوج روانہ کی، شیر خان ماگرے اس کا رہبر تھا، یعقوب اور ان کے درمیان مقام گسو میں مقابلہ ہوا[5]، شدید برف باری، تنگ راستہ اور سڑک کی پھسلن کی وجہ سے مغل ہار گئے، میرزادہ علی خان اپنے تین سو سپاہیوں کے ساتھ کام آیا، اور بقیہ یا تو قید کر لیے گئے، یا بھاگ کر قاسم خان سے

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۸۸ الف ب، اکبر نامہ ج ۳ ص ۸۷، شک ص ۱۱۴، بہارستان شاہی میں لکھا ہے کہ سید مبارک اس زمانہ میں خانہ نشینی کی زندگی گذار رہا تھا،

[2] یہ ایک پرگنہ تھا، جہلم کے شمال میں اونتی پور، بیج بہار کے درمیان پھیلی ہوئی ایک لمبی وادی پر مشتمل تھا، اس کا قدیم نام ہولادا تھا، (اشٹائن ج ۲ ص ۴۶۰، کشمیر گزیٹیر از Bates ص ۲۰۵)

[3] بہارستان شاہی ورق ۸۹ الف، حیدر ملک ورق ۲۰۰ ب،

[4] ان دونوں سپہ سالاروں کو اکبر نے قاسم خان کی کمک میں بھیجا تھا، (اکبر نامہ ج ۳ ص ۸۸)،

[5] یہ ترال تحصیل (اونتی پور) میں ایک گانوں ہے،

جائے، اس فتح میں یعقوب کی ہمت بڑھی، اور اس نے تخت سلیمان کی طرف پیش قدمی کی، اور وہاں خیمہ زن ہوا، شمس چک کو بھی جوش آیا، اور اس نے سری نگر سے چار میل مغرب میں ہانجک کے قلعہ پر قبضہ کرلیا،[2]

دوسرے روز قاسم خان بذات خود یعقوب پر حملہ کرنے کو بڑھا اور تخت سلیمان کے دامن میں دونوں میں مقابلہ ہوا، مغل پھر شکست کھا گئے ہوتے، لیکن قسمت نے یاوری کی، یعقوب شاہ کے سپہ سالار نورنگ چک کی آنکھ میں تیر لگا، اور وہ مرگیا، اس سے کشمیریوں کے حوصلے پست ہوگئے، اور وہ شکست کھاگئے،[3]

لیکن اس کے باوجود یعقوب نے ہمت نہیں ہاری، اس نے شمس چک کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ماضی کو بھول کر متحد ہوجائیں، اور دشمن کے خلاف لڑسکیں، شمس چک نے اس کا خاطر خواہ جواب دیا، یعقوب حسن ملک کے ساتھ اس سے ہانجک کے قلعہ میں ملا، دونوں سردار مغلوں پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، اور ہانجک کے قریب برسرِ آزما ہوئے،[4] مغلوں کو شکست فاش

---

[1] حیدر ملک ورق ۲۰۰ ب ۔ ۲۰۱ الف، آئین اکبری (ملاجا من) ص ۴۹۱، ۵۱۸، مآثر الامراء ج ۲ ص ۵۰۸ آئین اکبری اور اکبر نامہ میں میرزادہ علی خان کی موت ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۷ء لکھا ہے، لیکن بدایونی جو میرزادہ علی خان کا دوست تھا، اس کی موت کا سال ۹۹۲ھ مطابق ۱۵۸۴ء بتاتا ہے،

[2] حیدر ملک ورق ۲۰۱ الف، [3] ایضاً ورق ۲۰۱ الف،

[4] حیدر ملک ورق ۲۰۱ ب ۲۰۲ الف،

ہوئی، اور ان کے ۵ا سو سپاہی کام آئے، حسن ملک نے سری نگر میں ڈیالدگر تک ان کا تعاقب کیا[1]

کشمیریوں کی اس فتح کے بعد یعقوب اور شمس کوہ ماران پر اپنے قدم جمانے کے قابل ہو گئے، دوسری طرف مغلوں کی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی، دو مہینے تک انھوں نے شہر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی، اور کشمیری ان کو پریشان کرتے رہے، کشمیریوں کی ہمت اتنی بڑھی کہ وہ دشمن پر شہر کے اندر حملہ کرتے اور گھوڑے اور رسد اٹھائے جاتے[2]، ان حالات نے قاسم خان کو مایوس کر دیا، اور اس نے شہنشاہ سے واپس بلائے جانے کی درخواست کی، چنانچہ اکبر نے یوسف خان رضوی[3] کو ملا طالب اصفہانی، بابا خلیل اور محمد بٹ کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم دیا، جو راہبری اور دروں کے محافظوں کو اپنی طرف ملانے پر مامور ہوئے، یوسف رضوی لاہور سے ۵۹۸۶ھ کے وسط میں روانہ ہوا[4]،

جب یعقوب شاہ کو معلوم ہوا کہ قاسم شاہ کی مدد کو ایک زبردست فوج آرہی ہے، اس نے شمس چک کے بھائی لوہر چک کو کشمیر میں اس کا داخلہ روکنے

---

[1] حیدر ملک ورق ۲۰۲ ب ۱۳ الف، [2] ایضاً ورق ۲۰۳ ب، [3] وہ مشہد کا سید تھا، اس کی زندگی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو آئین اکبری (بلاخ من) ص ۳۶۹ اور آگے،

[4] اکبر نامہ ج ۳ ص ۹۸ ۷، حیدر ملک و۔ ق ۲۰۳، سید مبارک کو بھی ان کے ساتھ جانے کا حکم ملا تھا، تاکہ ملک میں حالات بگڑنے نہ پائیں، اس نے جانے سے انکار کیا، تو اکبر نے خفا ہو کر اس کو قیدی بنا کر بنگال میں شہباز خان کمبو کے پاس بھیج دیا، ایک

تعینات کیا[1] حسن ملک نے اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ چاہتا تھا، کہ لوہر چک بابا خلیل کا دوست تھا، اور وہ مغلوں سے مل جائے گا، اس نے یوسف رضوی کے خلاف شمس چک کے بھیجے جانے اور خود یعقوب کو قاسم خان کی ناکہ بندی کرنے کے لیے پیچھے رہ جانے کا مشورہ دیا، کیونکہ رسد نہ پہنچنے سے وہ اور اس کی فوج ہلاک ہو کر رہ جائے گی، لیکن اس کا مشورہ قابل اعتنا نہ سمجھا گیا، حسن ملک کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی، لوہر مغل فوج کو روکنے کے بجائے بہرام نایک کے ساتھ قاسم خان سے جا ملا، اس خبر سے ہانجک میں مقیم کشمیری فوج میں سراسیمگی پھیل گئی، اور جب انہیں ہیرا پور میں یوسف رضوی کی آمد کی اطلاع ملی، تو ان کے بہت سے سردار ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے، اور یوسف رضوی کے اطاعت گذار ہو گئے،[2] کشمیری فوج مکمل طور پر منتشر ہو گئی، حالات سے برگشتہ ہو کر یعقوب شاہ کشتواڑ چلا گیا، اور شمس چک برنگ پرگنہ میں جا چھپا،[3]

یوسف رضوی نے مصالحت کی حکمت عملی کو اپنایا، اور بہت سے سرداروں کو اپنی طرف ملا لیا، اس کے بعد اس نے سید بہار الدین اور محمد بٹ کی زیر نگرانی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰) سال کے بعد جب شہباز خان شہنشاہ کے حضور میں تعظیم بجا لانے کے لیے لاہور جا رہا تھا، فیروز آباد پہنچنے پر سید مبارک بیمار پڑا اور انتقال کر گیا، (دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۹۰ الف

[1] حیدر ملک ورق ۲۰۳ ب، [2] ایضاً ورق ۲۱۳ ب ۱۴ الف،

[3] اکبر نامہ ج ۳ ص ۸۰۹، بہارستان شاہی ورق ۱۹۱ الف،

شمس چک کے خلاف فوج کشی کی، لیکن شمس چک نے تری گام کے گانوں سے اندر شبخون مارا اور بہت سامان و اسباب لوٹ کر لے گیا، لیکن صبح ہوتے ہوتے اس کو مغلوں کے ہاتھوں زبردست شکست اٹھانی پڑی، اور کمراج کی پہاڑیوں کی طرف واپس جانا پڑا[۱]۔ اس درمیان میں یعقوب شاہ کشتواڑ سے لوٹا اور داچون خودر میں پنج یاری کے مقام پر خیمہ زن ہوا، اس پر یوسف رضوی نے محمد بٹ اور رحاجی میر کو اس کے خلاف روانہ کیا، مغل سپہ سالاروں نے یعقوب کے پاس اطاعت قبول کرنے کے لیے ایک پیغام بھیجا، لیکن ابوالمعانی کے مشورہ پر یعقوب نے صلح کے پیغام کو ٹھکرا دیا، اور دشمن سے لڑتے ہوئے ایک ہیرو کی موت مرنے کا فیصلہ کیا، اس نے مغلوں پر حملہ کیا، اگرچہ اس کو محمد میر کے ہراول دستہ پر فتح حاصل ہوئی، لیکن یہ جنگ فیصلہ کن نہ ہوئی، کیونکہ سخت بارش کی وجہ سے لڑائی بند کرنی پڑی، اس کے بعد یعقوب شاہ دکرکے پرگنہ میں لوٹ کر اپنی فوج کو پھر سے منظم کرنے لگا، لیکن اس کو معلوم تھا، کہ اس کے کیمپ میں دھوکے اور فریب کا بازار گرم ہے، اور اس کی فوج مغلوں سے ملتی جارہی تھی، اسی وجہ سے جب محمد بٹ اور محمد میر اس پر حملہ کرنے کے لیے بڑھے وہ مدافعت کے بغیر کشتواڑ بھاگ گیا[۲]، لیکن ابوالمعانی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی، اس کو حراست[۳] کے

---

[۱] اکبر نامہ ج ۳ ص ۹۹-۸۰۰، مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۹۱ الف، ب، لیکن بہارستان شاہی میں لکھا ہے کہ شمس چک برنگ پرگنہ گیا تھا،

[۲] بہارستان شاہی ورق ۱۹۲ الف، ۱۹۳ ب، [۳] ایضاً ورق ۱۹۴ الف،

گانون میں گرفتار کر لیا گیا، ان غیر متوقع باتوں کے رونما ہونے سے شمس چک کو یقین آ گیا، کہ مغلوں سے مقابلہ کرنا بے سود ہے، اور سید بہار الدین کی مداخلت سے اس نے ہتھیار ڈال دیئے، تھوڑے عرصہ کے بعد اس کو شہنشاہ کے پاس بھیج دیا گیا، شمس چک کی اطاعت گذاری سے یعقوب شاہ کی ہمت چھوٹ گئی، چنانچہ ۹۹۸ھ میں اکبر کشمیر آیا، تو اس نے بھی جنگ بند کرنے اور اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ وہ کشتوار سے واپس ہوا، اور جولائی کے آخر تک شہنشاہ کے سامنے خود کو پیش کر دیا، شہنشاہ نے اس کو حسن بیگ ترکمان کے ساتھ راجہ مان سنگھ کے یہاں روہتاس بھیج دیا، راستہ میں یعقوب اور اس کے ساتھیوں نے یہ سازش کی کہ اس کا بھائی ابراہیم حسن بیگ کو قتل کر دے، اور وہ سب فرار ہو جائیں، لیکن یہ سازش ناکام رہی، لیکن جب حسن بیگ پر ابراہیم نے حملہ کیا تو مغل محافظ نے اس کو بچا لیا،

لے بہارستان شاہی ورق ۱۹۴ ب ۱۹۵ الف، اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۹۹، اس کے بعد شمس چک نے دکن میں انتقال کیا، (بہارستان شاہی ورق ۲۰۵ ب)

لے اکبر نامہ ج ۳ ص ۵۴۲، بہارستان شاہی ورق ۱۹۷ الف، حیدر ملک ورق ۲۰۴ ب، مزید دیکھو شنک ص ۱۸۴ لیکن منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۵ اور طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۰۴ میں لکھا ہے کہ یعقوب نے قاسم خان کی اطاعت گذاری کی، یہ غلط ہے، کیونکہ اس زمانے میں کشمیر یوسف رضوی کے زیر کمان تھا،

سے بہارستان شاہی ورق ۱۹۹ ب ۲۰۰ الف،

اور ابراہیم کا کام تمام کر دیا، یعقوب شاہ نے اس میں حصہ لینے پر اظہار تاسف کیا، تو حسن بیگ نے اس کو معاف کر دیا، اور یعقوب شاہ کو اس کے باپ کے پاس حفاظت سے جونپور پہونچا دیا، وہاں سے یوسف شاہ سے ضمانت کا خط لے کر یعقوب شاہ کو روہتاس میں راجہ مان سنگھ کے پاس بھیج دیا، اس کو قیدی بنا کر رکھا گیا، کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ وہ پھر فرار ہونے کی کوشش کرے گا، لیکن یوسف شاہ کے انتقال کے بعد مان سنگھ نے اس کا منصب یعقوب کو دے دیا، اور اپنی جاگیر میں جانے کی اجازت دے دی، روہتاس چھوڑنے سے پہلے یعقوب شاہ قاسم خان سے رخصت ہو گیا، جو یوسف شاہ کی اولاد ہونے کا دعوی دار تھا، قاسم خان نے اس کو پان میں زہر دیا، جس کو وہ کھا گیا، بھیرہ[۱] پہونچتے پہونچتے اس کی حالت غیر ہو گئی، اور محرم ۱۰۰۱ھ مطابق اکتوبر ۱۵۹۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، ابو المعالی اس کی لاش لسوک لے گیا، اور اس کے باپ کی قبر کے پاس دفن کر دیا[۲]،

---

[۱] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۲۰ (نولکشور اڈیشن) میں بھرا لکھا ہے، لیکن آئین اکبری ج ۲ ص ۱۶۶ (انگریزی ترجمہ) اور جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۸۵ء ص ۱۶۷ میں بھیرہ لکھا ہے، یہ اکبر کے زمانہ میں بہار سرکار میں تھا،

[۲] بہارستان شاہی ورق ۱۲۰۱ الف، ۲۰۲ ب، مزید دیکھو ص ۲۸۰ فٹ نوٹ کتاب ہذا، صرفی ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۷ نے یہ غلط لکھا ہے کہ یعقوب کشتواڑ میں دفن ہوا تھا،

گیارہواں باب[11]

سلطنت کا نظم و نسق

مرکزی حکومت

سلطنت کے نظم ونسق پر کوئی رسالہ یا کتاب موجود نہیں ہے، اور تاریخوں میں متفرق حوالوں کی مدد سے وادی میں سلاطین کے عہد میں نظم ونسق کی کوئی جامع تصویر پیش کرنا دشوار ہے، اس لیے صرف اس کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں جو شہادتیں ہمارے سامنے ہیں، اُن سے تو یہی ظاہر ہے کہ شاہ میر اور اس کے جانشینوں نے ہندو راجاؤں کے سرکاری نظام کو نہیں بدلا، بلکہ انھوں نے نظم ونسق کو مضبوط اور مستحکم بنایا، اور اس طرح کسانوں کو حریص عمال سے بچانے، زراعت کو ترقی دینے، باغی سرداروں کو مغلوب کرنے اور امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی۔ سلطان سکندر کے زمانہ سے ایرانیوں اور ترکوں کے اثرات پیدا ہوئے، اس لیے مسلم ممالک کے طرز پر یہاں کے نظم ونسق کو

بھی چلانے کا رجحان پیدا ہوا، اس طرح بہت سے نئے دستور پرانے دستور کی جگہ پر آگیے، یوں تو چھوٹی چھوٹی نئی باتیں سلاطین کے آخری دور تک وجود میں آتی رہیں، لیکن نظم و نسق کے ارتقا کے اہم خط و خال سلطان زین العابدین ہی کے عہد میں نمایاں ہوئے،

سلطان

اپنے پیشرووں کی طرح کشمیر کا سلطان مطلق العنان ہوتا تھا، ...... وہ نظم و نسق قانون سازی اور عدل اوانصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا، وہ قانون بنا سکتا تھا اور شرعی قوانین کی تصریح کر سکتا تھا وہ خود اپنا سپہ سالار بھی ہوتا، اور جنگ میں یا تو خود جاتا، یا اپنی جگہ کسی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتا۔ وہ اپیل کی سب سے بڑی عدالت ہوتا، اور اس کو رعایا کی موت اور زندگی پر اختیار ہوتا،

سلطان کے ساتھ وزیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی ایک مجلس بھی ہوتی تھی، جس سے وہ نظم و نسق، خارجی امور اور صلح و جنگ کے مسئلوں پر مشورہ لیتا تھا، اگرچہ قطعی فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہوتا، لیکن مجلس کے سارے اراکین طاقت ور جاگیردار خاندانوں کے ہوتے تھے، جس کی وجہ سے سلطان مطلق العنان نہیں بن سکتا تھا، ورنہ مجلس کی حکومت سے ملک کی بہبود و ترقی ممکن نہیں ہوتی اگر سلطان کمزور ہوتا، تو اصل طاقت امرا کے ہاتھ میں ہوتی، یہی امرا مجلس کے ارکان بھی ہوتے، وہ جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے، جنگ یا صلح کا اعلان کرتے، اور کبھی تو مملکت کو آپس میں تقسیم بھی کر لیتے، ان کی زبردست طاقت ملک کے لیے سودمند ثابت نہ ہوتی، کیونکہ

اس بات سے نہ صرف مضبوط مرکزی حکومت کے قیام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی، بلکہ سازشوں، حکومت حاصل کرنے کے لیے مستقل ریشہ دوانیوں، خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کا باعث ہو جاتی، جو خاندانِ لوہر کے دورِ حکومت میں ہوا کرتی تھی،

شریعت کے معمولی امور میں سلطان شیخ الاسلام[1] سے مشورہ لیتا تھا، لیکن اگر کوئی اہم مسئلہ ہوتا، تو وہ ملک کے تمام ممتاز فقہار کو بلاتا، اور ان سے مشورہ طلب کرتا، مرزا حیدر نے نوربخشیہ فرقہ کو ممنوع قرار دینے اور اس کے اہم سربراہوں کو سزائے موت دینے سے پہلے ایسا ہی کیا تھا،[2] اسی طرح علمار سے مشورہ کرکے حسین شاہ چک نے یوسف اور بعد میں قاضی گنائی اور قاضی الماس[3] کی پھانسی کا حکم دیا تھا،

اقتدارِ اعلیٰ کے امتیازات

ان اختیارات کے علاوہ سلطان کے کچھ خاص حقوق ہوتے تھے جن سے وہ امرار اور اپنی رعایا سے ممیز ہوتا، یہ حقوق عوام میں اس کا وقار بڑھاتے اور دبدبہ قائم رکھنے کے لیے ضروری تھے،

(الف) لقب، شاہ میر اور چک خاندان کے تمام حکمرانوں نے سلطان کا لقب اختیار کیا، دوسرے عام القاب شاہ، بادشاہ اور سلطان الاعظم تھے،

---

[1] جون راج ص ۸۷،

[2] دیکھو ص ۱۳۰ کتاب ہذا،

[3] دیکھو ص ۱۵۷-۱۵۵ کتاب ہذا،

اس کے علاوہ ہر ایک حکمران نے کچھ خاص القاب بھی اختیار کیے، سلطان زین العابدین اپنے آپ کو نائب امیر المومنین اور غازی چک اپنے کو ہمایوں کہتا تھا، سلطان حسین شاہ چک نے نصیر الدین بادشاہ غازی کا لقب اختیار کیا، اور یہی لقب یوسف شاہ نے بھی برقرار رکھا، لیکن علی شاہ اپنے آپ کو ظہیر الدین محمد علی بادشاہ کہتا تھا، یعقوب شاہ نے اسمعیل شاہ[۱] کا لقب اختیار کیا، ظاہر ہے کہ چک حکمرانوں نے یہ القاب ہندوستان کے مغل شہنشاہوں اور ایران کے صفوی شاہوں کی نقل میں اختیار کیے تھے،

(ب) خطبہ اور سکہ: پہلے تو یہ صرف خلیفہ کا حق تھا کہ اس کا نام نماز جمعہ کے خطبہ میں لیا جائے، اور اس کے ساتھ کسی اور نام کو شامل کرنے کی کوشش کو فقہاء نے بدعت قرار دیا، لیکن تیسری صدی ہجری کے آخر سے مقامی حکمران خلیفہ کے نام کے ساتھ عام طور سے اپنا بھی نام خطبہ میں شامل کرنے لگے،[۲] بغداد میں خلافت کے خاتمہ کے بعد اگرچہ مسلمان حکمرانوں نے خطبہ میں اپنا نام لازمی طور پر شامل کرنا شروع کر دیا تھا، انھوں نے قاہرہ کے نام نہاد عباسی خلفاء کے نام لیے جانے کی رسم ختم کر دی،[۳] ہمیں یہ نہیں معلوم کہ مصر کے خلفا سے کشمیر کے سلطان سے کیا تعلقات تھے، جونکہ تاریخوں میں سلطان زین العابدین اور مصر کے حکمران کے درمیان سفارت خانوں کے تبادلہ کے علاوہ کچھ اور نہیں لکھا ہے، لیکن اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ دوسرے مسلم ممالک کی طرح

---

[۱] دیکھو ضمیمہ ب سلاطین کے القاب کے لیے،

[۲] "ایران کے عہد وسطیٰ میں خلافت اور بادشاہت،، از صدیقی

[۳] "خلافت،، از آرنلڈ باب ۷،

کشمیر میں بھی سلطان کا نام خطبہ میں لیا جاتا، اور کشمیر کا سلطان اس کو امتیازی خصوصیت سمجھتا تھا، سلاطین کشمیر کے پورے دور میں صرف تین بار اس خصوصیت[۱] سے اُن کو دست بردار ہونا پڑا، سلطان کا دوسرا خاص حق اپنے نام اور لقب کے ساتھ سکہ رائج کرنا تھا،[۲] اگرچہ سلاطین اپنے پیش رووں اور بڑے بڑے اولیاء کے نام سکوں پر نقش کرنے کی اجازت دے دیتے تھے، لیکن سکہ ڈھالنے کے حق سے وہ کبھی دست بردار نہیں ہوئے، اس حق کو اُسی وقت خیرباد کہتے تھے، جب انہیں تخت چھوڑنا پڑتا تھا، اس زمانہ کے کسی بھی سکہ پر کسی خلیفہ کا نام نہیں ہے،[۳]

(ج) تاج و تخت: تخت پر بیٹھنے اور[۴] تاج پہننے کا حق صرف سلطان کو تھا، اور تخت و تاج سے دست بردار ہوتے وقت وہ تاج کو اپنے جانشین کے حوالہ کر دیتا،[۵] جب یوسف شاہ کو مجبوراً تخت چھوڑنا پڑا، تو اس نے تاج کو سید مبارک کے پاس بھیج دیا، جس کو امراء نے سلطان بنا دیا تھا،[۶] اسی طرح جب غازی چک نے شاہی اختیارات لینے چاہے، تو حبیب شاہ کے سر سے

---

۱ حیدر ملک ورق ۱۷۱ ب، ۱۸۰ الف،

۲ دیکھو ص ۱۲۹، ۱۴۲، ۱۶۱، کتاب نمبر ۱

۳ حیدر ملک ورق ۱۷۱ ب،

۴ The word of Lalla از ٹمپل ص ۲۱۱، شری ور ص ۲۰۷

۵ بہارستان شاہی ورق ۱۳۲ ب، ۱۴۰ الف،

۶ حیدر ملک ورق ۱۸۸ الف، بہارستان شاہی ورق ۱۴۸ ب،

تاج اتار کر غازی چک کے سر پر رکھا گیا، اور غازی چک نے تخت پر اس کی جگہ لی،[1]

(د) چھتر اور چوری:۔ چھتر اور چوری (مور چھل) سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا تھا، یہ ہندو راجاؤں کے عہد میں شاہی اختیار کے نشان تھے اور سلاطین نے انہیں برقرار رکھا،[2]

(ہ) خلعت: امرا، سرکاری افسروں اور باج گذار لوگوں کو خلعت عطا کرنے کا حق صرف سلطان کو تھا، یہ پرانا ایرانی دستور تھا، جو عباسی خلفاء سے مستعار لیا گیا تھا،[3] بعد میں یہ دستور دوسرے ممالک میں بھی پھیل گیا، خزانہ شاہی[4] اصطبل[5] اور جھنڈا[6] کشمیر میں شاہی اقتدار کی دوسری علامتیں تھیں، ہندو حکمرانوں کے زمانہ میں رتھ بھی شاہی اقتدار کی علامت تھا،[7] لیکن سلاطینِ کشمیر کے عہد میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی،

---

[1] نوادر الاخبار ورق ۲۷ ب، تاریخ کشمیر از نراین کول، ورق ۴۷

[2] The word of Lalla از ٹمپل ص ۲۱۰-۱۱، یون راج ص ۷، اور شری ور ص ۲۲۷، چھتر کے لیے مزید دیکھو بہارستان شاہی ورق ۱۴۸ ب،

[3] ہارون الرشید پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے خلعت عطا کرنے کی ابتدا کی، (Dozy, Noms des vetements chez les Arabes)

[4] دیکھو ص ۸۰ کتاب ہذا [5] شری ور ص ۲۳، ایونٹ قلمی نسخہ ورق ۲۷ الف، حیدر ملک ورق ۲۵ اب، [6] جون راج ص ۵، شری ور ص ۱۰۷،

[7] The word of Lalla از ٹمپل ص ۲۱۱،

وزیر: شاہ میر خاندان کے شروع کے حکمرانوں کے عہد میں وزیرِ اعلیٰ کا پرانا نام سرداد ھیکار[1] تھا، شاید زین العابدین کے عہد میں یہ نام بدل کر وزیر کہلایا، اور حسن شاہ اور محمد شاہ کے زمانہ تک یہ نیا لقب عام طور پر رائج ہو چکا تھا[2]۔ وزیر غیر فوجی نظم ونسق کا سربراہ اور حکومت کا سب سے اعلیٰ عہدہ دار ہوتا، سلطان کے مشیر کی حیثیت سے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھا، اس کے اختیارات بہت وسیع تھے، اس لیے اس کی اہلیت اور دانش مندی پر عوام کی خوش حالی اور مملکت کے استحکام کا دارو مدار ہوتا، اس عہدہ کی اہمیت اور عزت کو دیکھتے ہوئے امرا میں اس پر مامور ہونے کے لیے کافی مقابلہ رہتا، لیکن اس سے رشک وحسد اور آپس کی رقابت پیدا ہوتی جس کے لیے اکثر تلواریں نیام سے باہر آجاتیں، چونکہ اختیارات الگ الگ نہیں تھے، اس لیے وزیروں کو لڑائیوں کی سربراہی بھی کرنی پڑتی، مثال کے طور پر سلطان سکندر کے عہد میں سوہ بھٹ نہ صرف غیر فوجی نظم ونسق کا سربراہ تھا، بلکہ فوج کا بھی سردار تھا، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، اسی طرح شہاب الدین کے دور میں وزارت اور شعبۂ مالیات ادے شری کے ہاتھ میں تھا، اور فوج کی کمان چندر ڈامر اور لولا کے سپرد تھی[3]، شاہ میر کے خاندان کے زوال

---

[1] اسٹین ج ۲ نمبر ۲۱۴ ج نمبر ۱۹۹ اور حاشیہ

[2] سید علی ص ۴۴، لیکن شری ور وزیر کو سچیو کہتا ہے، (شری ور ج ۳ نمبر ۲۳)

[3] بہارستان شاہی ورق ۱۰ الف، حسن شاہ کے عہد میں غیر فوجی نظم ونسق ملک احمد کے ہاتھ میں تھا، اور تازی بٹ سپہ سالار تھا (شری ور ص ۲۳۰)

کے زمانہ میں وزیر فوج سپہ سالار بھی ہوتا حقیقت میں ان کے اقتدار کا سرچشمہ ان کی فوجی جوان مردی تھی، وہ اتنے طاقت ور ہوتے کہ وہ سلطان کو کٹھ پتلی بنادیتے اور خود اصل حکمران بن جاتے، قاضی کے ساتھ اپیل کی سب سے اونچی عدالت کی صدارت بھی کرتے، امراء کو جاگیر دیتے، افسروں کو مقرر اور برخاست کرنے کا بھی اختیار ان کو ہوتا، جنگ یا صلح کا اعلان کرتے، آخر میں چک جو شاہ میر خاندان کے وزیر تھے، اتنے طاقت ور ہو گئے کہ انھوں نے شاہ میر سلطان کو معزول کر کے خود عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی، وزیروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں بڑی جاگیریں عطا ہوتی تھیں[۱] لیکن یہ نہیں معلوم کہ جاگیر کے علاوہ ان کو تنخواہ بھی ملتی تھی، یا نہیں،

دیوان کل

وزیر کے بعد مملکت میں سب سے اہم عہدہ دیوان کل کا تھا، لیکن یہ عہدہ شاہ میر خاندان کے ابتدائی دور میں نہیں تھا، اس کی ابتداء فتح شاہ نے کی تھی، جو وزیر کے اختیارات کم کرنا چاہتا تھا، وزیر کے پاس فوج، نظم ونسق، اور عدل وانصاف کے محکمے تھے، لیکن شعبۂ مالیات کا اختیار وزیر کے ہاتھ سے لے کر دیوان کل کے سپرد کر دیا گیا تھا[۲] اختیارات کے اس طرح تقسیم کیے جانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، اور وزیروں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی،

---

[۱] حیدر ملک ورق ۱۳۰ ب، بہارستان شاہی ورق ۱۰ ب ۸۲ الف،

[۲] مونخ قلمی نسخہ ورق ۸۲ ب ۸۳ الف، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۰، ۴۸۵،

خاندان چک کے دورِ حکومت میں دیوانِ کل کی تاریخ سے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں ہو سکے،

مذہبی امور کی وزارت

شیخ الاسلام امور مذہبی کا صدر ہوتا، کشمیر میں یہ عہدہ سلطان سکندر کے عہد میں پہلی بار شروع ہوا تھا۔[1] شیخ الاسلام علمار کا نمائندہ ہوتا، اور وہ شریعت کے قوانین کو نافذ کرتا، ان حالات میں اس عہدہ پر صرف اوس شخص کا تقرر ہوتا، جو علم اور تقوی کے لیے مشہور ہوتا، شیخ الاسلام تاج پوشی کی رسم اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتا اور سلطان کو قانونی اور مذہبی مسائل سے متعلق مشورے دیتا، کبھی کبھی وہ سیاسی مسائل پر فتوی جاری کرتا، جس میں کافی وزن ہوتا، چنانچہ ۱۵۳۲ء میں جب مرزا حیدر نے کشمیر پر حملہ کیا، اور اس کے سپاہیوں نے وادی کو لوٹنا شروع کیا، تو شیخ الاسلام نے ایک فتوی جاری کیا کہ حملہ آوروں سے لڑنا اور ان کو قتل کرنا جائز ہے، اور دشمن سے مقابلہ کرنے میں جو بھی کشمیری مارا جائے گا، وہ شہید ہوگا، اس فتوی کا اثر یہ ہوا کہ کشمیری امرا غفلت سے بیدار ہو گئے، اور مغلوں کے مقابلہ کے لیے کمربستہ ہونے لگے،[2]

سلطان کے مشیرِ کار ہونے کے علاوہ شیخ الاسلام کارِ خیر اور تعلیمی اوقاف کا نگران ہوتا، ان اوقاف کی

---

[1] تاریخ کبیر از معین الدین مسکین ص ۲۸۹ میں لکھا ہے کہ ملا احمد علامہ کشمیر میں شمس الدین اول کے عہد میں پہلے شیخ الاسلام ہوئے۔ وہ بلبل شاہ کے ساتھ ترکستان سے کشمیر آئے تھے، لیکن اس کی کوئی سند نہیں ملتی، اس کے علاوہ اتنے پہلے اس قسم کے دستور کا ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے،

[2] دیکھو ص ۱۲۷، کتاب ہذا

آمدنی سے مدرسے چلائے جاتے، غیر مستطیع طلبہ کو وظائف دیے جاتے اور ملک میں مسافروں کے لیے اس وقت تک کھانا اور رہائش کا انتظام کیا جاتا جب تک کہ انہیں مناسب ملازمت نہ مل جاتی[1]، خاندان چک کے زمانہ میں شیخ الاسلام کے عہدہ کے فرائض قاضی سری نگر انجام دیتا، جس کا دوسرا نام قاضی القضاۃ بھی تھا،[2]

نظام عدل

نظام عدل قاضی کا عہدہ سب سے اعلیٰ تھا، اس عہدہ کی ابتدا سلطان سکندر نے غالباً شیخ الاسلام کے عہدہ کے ساتھ کی تھی، پہلا قاضی جس کا نام تاریخوں میں ملتا ہے، سید حسن شیرازی تھا، اس کو سکندر[3] نے سری نگر کا قاضی بنایا تھا، خاندان چک کے عہد میں قاضی کے دبدبے اور اختیارات بہت زیادہ بڑھ گئے، کیونکہ وہ انصاف اور مذہبی امور کے شعبوں کا صدر بھی ہوتا، وہ نماز کی امامت کرتا، کار خیر اور تعلیمی اوقاف کی نگہداشت کرتا، اور مذہبی معاملوں میں سلطان کو مشورہ دیتا، اس کا معاون ایک مفتی ہوتا، جو حنفی قوانین کے مطابق استفتا تیار کرتا[4]، قاضی کے تحت ایک اور عہدہ دار ہوتا، جو میر عدل کہلاتا تھا، جو نظم ونسق کے تھوڑے فرائض بھی ادا کرتا، قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے فریقین

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۴۳ ب، حیدر ملک ورق ۱۱۹ ب، [2] واقعات کشمیر ورق ۵۲ الف، ۶۰ الف، [3] بہارستان شاہی ورق ۳۱ ب،

[4] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۹۵، ایک بار حسین شاہ کے عہد میں شافعی قانون بھی استعمال کیا گیا تھا، (دیکھو ص ۵۶ کتاب ہذا) حسین شاہ کے عہد میں مفتیوں کو غلط فتوی دینے کی بنا پر قتل کر دیا گیا تھا،

میر عدل کے پاس جاتے، وہ مقدمہ کی تنقیح کرتا اور اگر مقدمہ پیچیدہ نہ ہوتا اور فریقین راضی ہوتے تو معاملہ کو خود ہی طے کرا دیتا[1]،

عدل گستری کا کام سلطان اور وزیر بھی کرتے، سلطان کی ذات ابتدائی اور آخری عدالت دونوں تھی، وہ فوجداری اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن اپیل کا کوئی باضابطہ طریقہ نہیں تھا، دیوان خانہ میں کھلے دربار میں بیٹھ کر سلطان مقدموں کا فیصلہ کرتا، حسن شاہ چک نے اس کام کے لیے دوشنبہ کا دن مقرر کر دیا تھا، اور اس روز وہ عدالت میں قاضی اور میر عدل کے ساتھ رونق افروز ہوتا[2]، لیکن دوسرے سلاطین کسی مقررہ دن عدالت میں نہیں بیٹھتے، عوام ہفتہ میں کسی روز بھی ان سے دادرسی کر سکتے تھے، وہ فیصلہ غیر جانبداری کے ساتھ کرتے تھے، لیکن مجرموں کو دی جانے والی سزائیں ہمیشہ شریعت کے مطابق نہیں ہوتیں، مثال کے طور پر زین العابدین چوروں اور ڈاکوؤں کو پھانسی دینے یا ان کے اعضا کاٹنے کے خلاف تھا، اس کے بجائے وہ ان سے سرکاری عمارتوں کی تعمیر کا کام لیتا[3]، بعد میں اس کے جانشینوں نے سزائے موت کو پھر سے جاری کر دیا، بغاوت کے مجرموں کو قید، موت یا اعضا کاٹنے کی سزا دیجاتی، اعضا کاٹنے کی سزا کی ابتدا غازی شاہ چک نے

---

[1] برائے میر عدل دیکھو حیدر ملک، ۱۵۹ ب اور اس کا مقابلہ شاہد سے کرو،

(Metz ii, Renaissance of Islam ص ۲۲۷-۲۹)

[2] دیکھو ص ۸۰ کتاب ہذا،

[3] دیکھو ص ۸۴ کتاب ہذا،

کی تھی، لیکن بعد میں علی شاہ نے اس کو ختم کر دیا[۱]،

شاہی اصطبل:

یہ ایک اہم شعبہ تھا، تخت کے دعوے دار ہمیشہ سب سے پہلے گھوڑوں ہی پر قبضہ کرتے، کیونکہ سوار، فوج کے بہت اہم جزو تھے، اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شاہی گھوڑوں پر ایک بار قبضہ کر لینے کے بعد فتح آسان ہو جائے گی، اسی لیے حاجی خان نے اپنے باپ کی موت کے فوراً بعد تخت حاصل کرنے کی غرض سے سب سے پہلے شاہی اصطبل پر قبضہ کیا تھا[۲]، اس سے ادہم خان کو کامیابی کی امید نہ رہی، اور وہ ہندوستان بھاگ گیا، اسی طرح دولت چک کو مغلوب کرنے کے لیے غازی چک کو شاہی اصطبل پر قبضہ کرنا پڑا تھا[۳]، ہندوؤں کے عہد میں شاہی اصطبل کو ہیاشواشالہ[۴] (office of the chief Master of Horse) کہا جاتا تھا، لیکن یہ نہیں معلوم کہ سلاطین کے عہد میں اس منصب کو کیا کہا جاتا تھا، تاریخوں میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ کہ دلی کے سلاطین کی طرح اس کو اخور بیگ کہا جاتا تھا،

---

۱ دیکھو ص ۱۶۱ کتاب ہذا،

۲ شری ور ص ۱۶۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۷ الف،

۳ حیدر ملک ورق ۱۵۷ ب،

۴ اسٹین ج ۲ نمبر ۳-۱۴۲۔

میر بخشی:

میر بخشی فوج کے محکمہ کا نگران اعلیٰ ہوتا، اور اس وجہ سے اس کی اہمیت زیادہ تھی، وہ سپاہیوں کا رجسٹر رکھتا، ان کی تنخواہ تقسیم کرتا، اور ان کو بھرتی کرنے کی ذمہ داری اس کے سر تھی،[۱] مغلوں کے عہد میں اس کے بڑے اختیارات اور اثرات تھے،[۲] لیکن سلاطین کشمیر کے عہد میں اس کا بظاہر وہ مقام اور وقار نہیں تھا، تاریخوں میں اس کا سب سے پہلا حوالہ علی شاہ کے عہد میں ملتا ہے،[۳]

امیر دار[۴]

امیر دار جس کو یون راج ودار پال[۵] کہتا ہے، اہم افسر ہوتا تھا، اس عہدہ کا وقار بہت زیادہ تھا، جو سلطان کے مخصوص اور معتمد علیہ امرار کے لئے محفوظ رہتا، اس کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی تھی کہ وہ ہر وقت سلطان کی معیت میں رہتا تھا، سلطان کے پاس ساری عرضیاں اس کے ذریعہ سے پیش کی جاتی تھیں، اور سلطان کے حضور میں اس سے ملے بغیر کسی کو بھی جانے نہیں دیا جاتا تھا، وہ دربار میں اہم تقریبوں کا انتظام کرتا تھا،[۶]

۱؎ حیدر ملک ورق ۱۰۹ ب

۲؎ central Structure of the mughal Empire

۳؎ میو نخ قلمی نسخہ ورق ۱۷۷ الف   ازابن حسن ص ۲۱۵

۴؎ طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۸ پر حاجب دار لکھا ہے،

۵؎ تہری ورص ۲۰۸، کلہن اس کو مہا پرتی ہار پیڈا کہتا ہے (اسٹین ج ۱ ص نمبر ۱۴۲، ۱۴۳)

نایک:-

نایک[1] کشمیر کے دروں کے نگہبان تھے، ہندو راجاؤں کے عہد میں دروں کا انتظام صرف ایک افسر کے ہاتھ میں ہوتا تھا، اس کو دوارپتی کہتے تھے[2] سلاطین کے عہد میں دروں کا انتظام متعدد افسروں کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا، ان کو نایک کہتے تھے، ان کا تقرر سلطان خود کرتا اور وہ براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتے ان کا تقرر کبھی خاندانی ہوتا، اور انکی خدمات کے صلہ میں ان کو جاگیریں عطا کی جاتیں، انکے پاس ایک فوجی دستہ بھی ہوتا جو محفوظ چوکیوں میں رہتا، اور وہ وادی میں کسی کو خطرہ[3]،، کے بغیر داخل نہ ہونے دیتے تھے، انہیں وادی کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا اور شورش پسند پہاڑی قبائلیوں مثلاً جنوب میں دردوں اور جنوب مغرب میں کھوکھوں[4] کو روکنا بھی پڑتا تھا، اس کے علاوہ انہیں خفیہ درآمد کو روکنا پڑتا اور درآمد برآمد کے مال پر محصول بھی وصول کرنا پڑتا تھا[5] جب دروں کا دفاع قابل اعتماد فوجی سرداروں کے ہاتھ میں ہوتا، تو کشمیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہتا، لیکن دروں کے دفاع کی طرف سے آنکھیں پھیر لی جاتیں، نایک غداری کرنے لگتے، تو وادی پر آسانی سے حملہ ہو جاتا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۷) [6] اس کا مقابلہ دلی دربار کے امیر حاجب بار بک سے ہو سکتا ہے دیکھو *Administration of Delhi Sultanate* از قریشی ص ۶۱۰۲

[1] نمری ور ص ۲۱۰، ۲۱۳، شک ص ۴۰۵، اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۶، اسٹین کا یہ قول کہ ان کو ملک کہتے تھے، غلط ہے، ملک تو اصل میں سرکاری عہدہ داروں کو سلاطین کا عطا کیا ہوا خطاب تھا،

[2] اس کے مرادف الفاظ دوارا دھیپ، دوارش وغیرہ تھے، (اسٹین ج ۵ نمبر ۲۱۴)

جاسوسی کا نظام

سلاطین اپنے آپ کو رعایا اور عمال کی سرگرمیوں سے مخبروں کے ذریعہ باخبر رکھتے تھے، چنانچہ مخبروں ہی کے ذریعہ حیدر شاہ کو اپنے خزانچی حسن کی چالوں کا پتہ لگا، اور وہ سازش کا شروع ہی میں سدباب کرنے میں کامیاب ہو سکا[۱]، زین العابدین کے عہد میں جاسوسی کا نظام بہت ہی اچھا تھا، اور اس کے ذریعہ اس کو مملکت کے کونے کونے کی خبر ملتی رہتی،[۲] کبھی کبھی تو خلیفہ ہارون الرشید کی طرح وہ خود بھی بھیس بدل کر راج دھانی کی سڑکوں پر اپنی رعایا کی حالت معلوم کرنے کے لیے گھوما کرتا[۳]، مخبری اور اطلاع فراہم کرنے کے لیے عام طور پر طوائفوں کو رکھا جاتا[۴]، ملکہ اور شہزادے خود اپنے ایجنٹ رکھتے[۵]، سلاطین وادی کی سرحدوں پر بھی اپنے مخبر رکھتے جن کا کام نائیکوں کی سرگرمیوں[۶] پر نظر رکھنا اور سرحدوں کے آگے دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع دینا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۸) [۳] تحفۃ الاحباب ص ۲۴، یون راج ص ۶۶ شری ور ص ۱۲۷،

[۴] اسٹائن ج ۲ ص ۳۹۲۔

[۵] جون راج ص ۹۷۔

[۱] دیکھو ص ۶۹ کتاب ہذا،

[۲] شری ور ص ۱۰۱ [۳] حیدر ملک ورق ۱۲۱ ب حسن ورق ۱۲۲ الف [۴] نصیب ورق ۲۰۵ ب وغیرہ،

[۵] جون راج ص ۳۴۳

[۶] شک ص ۳۵۰،

خزانچی یا خزانہ دار[1]

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، خزانچی خزانہ کا نگراں ہوتا تھا، ہندوؤں کے عہد میں اس کو فارسی لفظ گنج ور کے تتبع میں گنج وار کہا جاتا، اور خاندان شاہ میر کے ابتدائی دور میں وہ اسی نام سے پکارا جاتا رہا لیکن بعد میں اس کا نام خزانچی رکھ دیا گیا، چنانچہ زین العابدین کے خزانچی نے تخت کا وارث بنانے میں بہت اہم حصہ لیا تھا، اور جب حاجی خاں[2] تخت پر بیٹھا، تو حسن نے اس کے سر پر تاج رکھا تھا[3] کسی اور خزانچی کے امور مملکت میں اتنا اہم حصہ لینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے،

پولیس، کوتوال اور محتسب

راجاؤں کے عہد میں سری نگر میں ایک پولیس افسر ہوتا تھا جس کو نگرآدھیپ یا نگرادھکرتا کہتے تھے[4]، وہ لوگوں سے سرکاری جرمانے وصول کرتا اور ان کے اخلاق کی دیکھ بھال کا کام اس کے سپرد ہوتا، وہ ناپ تول کے باٹوں اور صنعتوں اور شہر کے دوسرے معاملوں کی جانچ بھی کرتا، سلاطین کے عہد میں یہ کام کوتوال اور محتسب کے سپرد تھا، کوتوال کا کام شہر میں امن و امان قائم رکھنا اور شہریوں

---

[1] حیدر ملک ورق ۱۵۹ اب، [2] اسٹائن ج ۵ نمبر ۷۷ اور حاشیہ، ملتا دتیہ کے زمانہ میں اس کو مہا بھنڈاگار کہتے تھے، (اسٹین ج ۵ نمبر ۱۴۳) شری ور (بمبئی اڈیشن ج ۲ نمبر ۲۴ میں کوشش لکھا ہے،

[3] دیکھو ص ۸۰ کتاب ہذا،

[4] شری ور ص ۱۸۴،

[5] یون راج (کلکتہ اڈیشن) نمبر ۸۶ نمبر ۵۹۴ میں اس کو ادھیکار کہا گیا ہے،

کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچاتا تھا، اس کے اختیارات بہت وسیع تھے، اور وہ چوروں کو سزائے موت دے سکتا تھا۔[1] فرائض کی بہتر انجام دہی کے لیے اُس کے پاس ایک پولیس کا دستہ بھی ہوتا، محتسب بازاروں کی نگرانی، ناپ تول کے باٹوں کی جانچ اور لوگوں کے اخلاق کی دیکھ بھال کرتا، اس کے علاوہ اس کو یہ بھی دیکھنا پڑتا کہ نماز باجماعت باقاعدہ ہو، نشہ آور چیزیں اور دوائیں عام طور سے نہ بنائی جائیں نہ بیچی جائیں، عام جگہوں میں کوئی نشہ کی حالت میں نہ جائے، اور قمار بازی اور غیر اخلاقی زندگی رواج نہ ہونے پائے، سکندر اور ایسے حکمرانوں کے عہد میں ہر نگر کے ہر حصہ اور مملکت کے ہر گانوں اور پرگنہ میں ایک محتسب رہتا تھا جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ لوگ پنجگانہ نماز ادا کریں، اور اسلام کی تعلیمات سے انحراف نہ کریں[2]، محتسب کو مقدمہ چلانے کا اختیار نہیں تھا یہ کام صرف قاضی کا تھا، لیکن وہ مقدمات عدالت میں دائر کر سکتا تھا، اور سرسری تحقیقات کے بعد معمولی بدچلنیوں کے لیے ہلکی سزائیں بھی دے سکتا تھا، سنگین جرائم جن کی باقاعدہ تفتیش اور قانونی توضیح کی ضرورت ہوتی، قاضی اور مفتی کے حوالہ کر دیے جاتے، محتسب اصل میں انتظامی افسر ہوتا تھا[3]

مرکزی محافظ خانہ

تمام سرکاری دستاویزات کو ہر نگر میں علٰحدہ محافظ خانہ میں رکھا جاتا تھا،

---

[1] شری ور ص ۲۷۹، ایک بار اس نے ایک پل کی تعمیر کی نگرانی کی۔ (یون راج ص ۸۹)

[2] نصیب ورق ۱۲۵ الف [3] محتسب کے فرائض کے لیے دیکھو،

Administration of the Sultanate of Delhi از قریشی ص ۱۶۴-۱۷۴ میں

پھر دیکھو ص ۵۷ Orient under the caliphs از وان کریمر ص ۲۹۲ وغیرہ (مترجم خدا بخش)

سلطان زین العابدین کے عہد سے پہلے کاغذ کی کمی کی وجہ سے دستاویز بھرجا پر ایک ایسی روشنائی سے لکھی جاتی، جو بادام کے کوئلہ کے سفوف کو گو متر میں ابال کر بنائی جاتی تھی، یہ روشنائی نمی یا پانی پڑنے سے خراب نہیں ہوتی تھی،[۹۱] زین العابدین کے زمانہ سے کشمیر میں کاغذ سازی کا کام شروع ہوا، تو دستاویز بھرجا اور کاغذ دونوں ہی پر لکھی جانے لگی[۹۲] شری نگر کے علاوہ کرراج کی راجدھانی سوپور میں بھی ایک محافظ خانہ تھا، لیکن زین العابدین کے عہد میں ساری گذشتہ دستاویزیں تلف ہو گئیں[۹۳]،

اس کے علاوہ حکومت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے شعبے اور اون کے عمال تھے، ہر شعبہ کا ایک معتمد ہوتا، جو دبیر کہلاتا تھا، سلطان کی عدالت میں جس کو جون راج دھرم ادھیکار کہتا ہے، ایک ناظم ہوتا تھا جو بہت ہی ذمہ دار افسر ہوتا تھا، وہ سلطان کا معتمد خاص ہوتا تھا، لیکن اس کے فرائض کیا تھے، نہیں معلوم ہو سکے، شہزادوں کی اتالیقی کے عہدہ کے لیے آپس میں بڑا مقابلہ ہوتا، سب لوگ اس عہدہ کے متمنی ہوتے، جو اس عہدہ پر مامور ہوتا، وہ وزیر کے برابر سمجھا جاتا، اور سلطان کی مجلس مشاورت کا رکن بھی ہوتا، اس کے علاوہ راج جوتشی اور راج وید بھی ہوتے تھے جن پر سلطان کو کافی اعتماد ہوتا،[۹۵] موسیقی کا ایک علحدہ شعبہ تھا[۹۶]، جو ایک افسر کے

---

۹۱ Buhler's Report of Tour (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۲ ۱۸۷۷ء) ص ۳۰-۲۹
۹۲ دستاویز، ۱۰ویں صدی تک بھرجا پر لکھی جاتی تھی (اسٹائن ج ۲، نمبر ۵۰۸)
۹۳ شری ور ص ۱۵۵-۶ ۹۴ اسٹائن ج ۵ نمبر ۱۷۷ ۹۵ جون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۱۱ ص ۱۳۰۷
۹۶ دیکھو ص ۸۰ کتاب ہذا برائے راج جوتش اور راج وید زین العابدین کے عہد میں، اس کا مقابلہ اسٹائن جلد ۱ نمبر ۱۹-۱۱۸ سے ہو سکتا ہے،

تحت ہوتا،[۱] برہمنوں کی اہمیت خاندانِ شاہ میر کے ابتدائی دور میں بہت زیادہ تھی، لیکن بعد میں اس کی اہمیت کم ہوگئی، کیونکہ اس کی ذمہ داریاں شیخ الاسلام نے سنبھال لی تھیں۔[۲]

صوبائی اور مقامی نظام

پوری سلطنت میں صرف وادی کشمیر اور لوہر سلطان یا اس کے نمائندوں کی براہ راست حکمرانی میں تھے، بقیہ حصہ پر سرداروں کی حکومت تھی، جو اندرونی معاملوں میں خود مختار تھے۔ وادی کشمیر میں دو صوبے تھے، مراج مشرق میں اور کمراج مغرب میں تھا،[۳] مراج میں جہلم کے دونوں طرف کے اضلاع شامل تھے، اور کمراج میں اس کے نیچے کے اضلاع تھے،[۴] کمراج کا صدر مقام سوپور تھا اور مراج کا خاص شہر سری نگر تھا،[۵]

سری نگر کی حکومت براہ راست سلطان کے ماتحت تھی، اور دونوں صوبے گورنروں کے انتظام میں تھے، جن کو حاکم کہا جاتا تھا،[۶] اور عام طور سے ان کا تعلق شاہی خاندان سے ہوتا، زین العابدین نے اپنے لڑکے ادہم کو کمراج کا حاکم مقرر

---

۱ حسن شاہ کے عہد میں شری ور شعبۂ موسیقی کا صدر تھا،

۲ یہ تبدیلی سکندر کے عہد میں ہوئی تھی،

۳ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۶۷، ہندوؤں کے عہد میں ان حصوں کو مدوراجیہ اور کرم راجیہ کہا جاتا تھا، (اسٹین ج ۲ ص ۴۳۶)

۴ اسٹائن ج ۲ ص ۴۳۶ ۵ ایضاً شری ور ص ۱۹۷،

۶ ہندوؤں کے عہد میں گورنر کو منڈلیش کہا جاتا تھا، (اسٹین ج ۰ نمبر ۱۱۱۷)

کیا تھا، اور بعد میں حسین شاہ نے بھی اس صوبہ کو اپنے لڑکے حسن کو بطور جاگیر دیدیا تھا[1]، خاندان شاہ میر کے آخری دور میں وادی تین یا چار سرداروں میں تقسیم کر دی گئی تھی، اور وہی اپنے اپنے علاقوں کے نظم وانصرام کے ذمہ دار تھے، لیکن مملکت کی عام نگرانی وزیر کے ہاتھ میں تھی جو کٹھ پتلی سلطان کے نام پر حکومت کرتا تھا،

صوبہ کی سرکار مرکزی سرکار کی نقل ہوتی، حاکم کا کام امن وامان قائم رکھنا، لگان وصول کرنا اور انصاف کرنا تھا، صوبہ کے ملکی اور فوجی نظام کا صدر ہونے کی وجہ سے اُس کے اختیارات وسیع تھے، اور چونکہ اس پر کوئی آئینی پابندی نہیں تھی، وہ کبھی کبھی مرکز کے احکام کی خلاف ورزی بھی کر لیا کرتا تھا، اس کو روکنے کے لیے سلاطین صرف قابل اعتماد اشخاص کو گورنر بناتے تھے، لیکن ان کا انتخاب ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا تھا، چنانچہ آئے دن بغاوتیں ہوا کرتی تھیں،

قاضی صوبہ کی عدالت کا صدر ہوتا، اور اس کا تقرر مرکز کرتا تھا، اس کے ماتحت شہروں اور پرگنوں میں قاضی اور مفتی ہوتے، لیکن کوئی میر عدل نہیں ہوتا، جس کا تقرر صرف سری نگر میں ہوتا، قصبہ کے باشندوں کے تحفظ اور ان کے اخلاق کی درستی کی ذمہ داری کوتوال اور محتسب کے سر ہوتی، جاسوسی کا شعبہ سلطان کو صوبوں کے حالات اور مقامی عمال کی سرگرمیوں سے باخبر رکھتا، حکومت کے کاغذات محافظ خانہ میں ایک خاص افسر کے تحت رکھے جاتے تھے،

نظم ونسق کے خیال سے صوبوں کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا،

---

[1] دیکھو ص ۷۹ کتاب ہذا،

جن کو پرگنہ[1] کہتے تھے، اور ہر ایک پرگنہ شقدار کے ماتحت ہوتا[2]، ان پرگنوں کی تعداد مستقل نہیں ہوتی تھی، وقتاً فوقتاً[3] انتظامی اسباب کو مدنظر رکھ کر ان کو کبھی توڑ کر الگ اور کبھی ایک دوسرے میں ملا دیا جاتا تھا، یہ نہیں معلوم کہ زین العابدین کے عہد یا اس سے پہلے پرگنوں کی کیا تعداد تھی، لوک پرکاش کے مطابق وادی میں ۲۷ وسیاس (Vinyas) تھے، لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بات اس نے کس زمانہ کے بارے میں کہی ہے، اس کے علاوہ اس نے صرف ۱۹ پرگنوں کے نام گنوائے ہیں، جن میں سے صرف تھوڑے ہی پرگنوں کو معلوم کیا جا سکا ہے[4]، محمد شاہ کے عہد میں پرگنوں کی تعداد ۲۷ تھی، لیکن ان کے نام کا کوئی ذکر نہیں ملتا، مرزا حیدر دوغلت کے عہد میں ان پرگنوں کی تعداد بڑھا کر ۳۰ کر دی گئی تھی[5]، ابو الفضل کے قول کے مطابق اکبر کے عہد میں آصف خان کی آمدنی میں ۳۸ پرگنے دکھائے گئے ہیں، جب کہ اس سے پہلے قاضی علی کی آمدنی کے سلسلہ میں ۴۱ پرگنے درج ہیں[6]، خاندان چک کے عہد میں پرگنوں کی تعداد بھی شاید ۴۱ تھی،

ہر پرگنہ میں کئی گانوں ہوتے، وادی میں ان کی کل تعداد ۶۰ ہزار تھی[7]، ہر گانون

---

[1] پرگنہ کو ہندوؤں کے عہد میں (Vinyas) کہتے تھے، (اسٹائن ج ۲، ص ۴۳۷) ثریا در (بمبئی اڈیشن) ج ۴ نمبر ۵۰ [2] فرشتہ ص ۶۵۰، تاریخ حسن ج ۲ ورق ۱۹۷ الف

[3] Indische Studien ج ۱۸ ص ۳۷۰، اسٹین ج ۲ ص ۴۳۷ اور حاشیہ ۶

[4] ثریا در (بمبئی اڈیشن) ج ۴ نمبر ۵۰ [5] نصیب ورق ۵۱۳ ب

[6] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۶۷، ہفت اقلیم ورق ۱۱۵۷ الف میں پرگنوں کی تعداد ۳۲ اور ان کی آمدنی ۳ کروڑ ٹنکا درج ہے،

[7] جون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۱۵۳-

میں ایک پٹواری ہوتا تھا جس کو ہندو عہد میں گرام کائستھ کہتے تھے۱؎، سلاطین کے عہد میں اس کو کیا کہا جاتا تھا معلوم نہیں امن و امان کے قیام کے لیے ایک پولیس افسر ہوتا جس کو سرہنگ زاد کہا جاتا تھا، اس کے ماتحت کئی گانوں کا گروپ ہوتا تھا۲؎، اس کے ماتحت چنڈال ہوتے تھے، جو دن کے وقت گھروں میں جھاڑو لگاتے اور رات کو گانوں کی چوکیداری کرتے، اور اس خدمت کے لیے گانوں والے انہیں کھانے کو دیتے۳؎، مرزا حیدر کے عہد میں ہر گانوں میں ایک محتسب بھی ہوتا تھا، جو یہ دیکھتا کہ گانوں والے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار رہے ہیں، تاریخوں میں یہ نہیں لکھا ہے کہ پنچایت کا ادارہ تھا، یا نہیں، اور نہ کوئی ذکر سرپنچ ہی کا ملتا ہے،

جاگیردار

جاگیرداروں کا تعلق ماگرے، ماریا، چک، بٹ اور ڈار خاندانوں سے تھا، جو بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے، ان کو بڑی جاگیریں عطا کی گئی تھیں، جو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہو سکتی تھیں، ان کے بجائے سلطان کو خراج دینا پڑتا، سرکاری ملازمت اور جنگ کے زمانہ میں فوجی امداد کرنی ہوتی، یہ سردار بہت طاقتور ہوتے، ان کے ارد گرد کافی مصاحب رہتے، اس لیے سلطنت کو ان سے کافی خطرہ رہتا، وہ بار بار بغاوت کرتے، اور مرکزی حکومت کو طاقتور بننے میں مزاحم ہوتے، مگر دور سلاطین کے زمانہ میں تو وہ ملک کا بڑا حصہ آپس میں تقسیم کر لیتے۴؎،

۱؎ اسٹائن ج ۵ نمبر ۱۷۵ ۲؎ نورنامہ ورق ۱۹۲ ب ۳؎ حسن ورق ۹۰ الف، حیدر ملک (Bibliotheque Nationale) ورق ۱۳۱ الف ان چنڈالوں کا مقابلہ Valley ۱۷ از لارنس ص ۲۲۸ کے ڈوموں سے کرو، راجاؤں کے عہد میں بھی چنڈال چوکیداری کرتے تھے (اسٹائن ج ۵ نمبر ۳۰۹)
۴؎ شری ور ص ۳۰۳،

چونکہ وہ زمین کی لگان اور دوسرے محاصل نہیں ادا کرتے[1] اس لیے ملک کے بقیہ حصہ سے جو آمدنی ہوتی وہ اچھے نظم و نسق کے چلانے کے لیے ناکافی ہوتی تھی،

اراضی خالصہ

یہ زمینیں سلطان کی ذاتی ملکیت ہوتیں اور سلطان خود ان کا انتظام کرتا تھا یہان تک کہ جب کبھی سلطان سے اختیارات چھین لیئے جاتے تھے، اور داوی کے امرا ر داوی کو اپنی ذاتی ملکیت بنا کر تقسیم کر لیتے تب بھی سلطان ان زمینون پر قابض رہتا،

لوہر

لوہر کا علاقہ زمانۂ قدیم سے کشمیر کے ہندو راجاؤن کے قبضہ میں تھا، لیکن ان کے انحطاط کے زمانہ میں وہ آزاد ہو گیا تھا، سلطان شہاب الدین نے اپنی حکومت کے آخری عہد مین اس کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے پھر سے فتح کیا، قطب الدین نے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا، بالآخر زین العابدین کے زمانہ میں اس کو فتح کر لیا گیا، زین العابدین نے یہان کے برسر اقتدار خاندان کو ہٹایا، اور سلطنت کے خاتمہ تک لوہر یہ الگ حاکم کے ذریعہ سری نگر کی حکومت رہی، سلطان کا دوسرا لڑکا حاجی خان اس کا پہلا حاکم ۱۴۵۲ء میں ہوا[2]،

---

[1] نری ور ص ۴۲، ۳۰ [2] دیکھو ص ۵، کتاب ہذا، ۱۵۰۳ء میں جب محمد شاہ چوتھی بار سلطان ہوا، تو اس نے لوہر سے ٹیکس وصول کیا، دشک ص ۲۶۸

باج گذار ریاستیں

باج گذار ریاستیں پکھلی، داوی کشن گنگا، لداخ، بلتستان، کشتواڑ کے علاوہ ان بیرونی پہاڑیوں کے علاقہ تک پھیلی ہوئی تھیں، جو مشرق میں راوی سے لے کر مغرب میں جہلم تک واقع تھا۔ ان ریاستوں کے حکمران کشمیر کے سلطان کو اپنا فرماں روا سمجھتے، ان کو باج ادا کرتے، اپنی لڑکیوں کا رشتہ سلطان یا اس کے ولی عہد سے کرتے، اور سلطان سے اپنے تخت کی جانشینی کی منظوری لیتے،[۵] جنگ میں یہ حکمران سلطان کو فوجی امداد دیتے اور نئے سلطان کی تخت نشینی کے وقت دربار میں حاضر ہوتے، اور تاج پوشی کی رسم میں شرکت کرتے، جس کے صلہ میں انہیں خلعت اور تحائف ملتے۔[۶] اپنی ریاستوں کے اندرونی انتظام میں ان کو پوری آزادی تھی، مداخلت صرف بغاوت کی حالت میں ہوتی، اور فوج بھیج کر ان کو پھر مطیع اور فرمان بردار کر لیا جاتا، کمزور سلاطین کے زمانہ میں یہ سردار اکثر آزادی کا اعلان کر دیتے، اور باج دینا بند کر دیتے۔

فوج

سلاطین کے عہد میں فوج چار حصوں پر مشتمل تھی (۱) مستقل فوج (۲) صوبہ کی فوج (۳) جاگیر دار کی فوج اور (۴) رضا کار۔

اول الذکر کی فوج سلطان کے براہ راست اختیار میں ہوتی تھی، اس میں قبیلہ کھس کے لوگ، راجپوت، سادات، ماگرے، چک، رینا، اور ایسے

۵؎ شری ور ص ۱۲۳

۶؎ شری ور ص ۲۸۴

دوسرے لوگ بھرتی کیے جاتے جو اچھے سپاہی کی حیثیت سے مشہور ہوتے، ڈوم بھی بھرتی کیے جاتے تھے، وہ بڑے اچھے سپاہی بھی ہوتے تھے، لیکن ان کے اندر ایک عیب تھا، وہ ناقابلِ اعتماد تھے، اور ذرا سا موقع پاکر میدانِ جنگ سے ہٹ کر لوٹ مار شروع کردیتے، مستقل فوج راج دھانی میں رہتی، اور جنگ کے زمانہ میں دشمن کی سرکوبی کے لیے سلطان اس کے آگے چلتا، اور اس کے ایک ٹکڑے کو دوسرے سپہ سالار کے ماتحت رکھ دیتا، فوج میں پیدل اور سوار دونوں تھے، سوار ٹٹوؤں پر چلتے، لیکن فوجی سردار ترکستانی اور عراقی گھوڑوں پر سوار رہتے، کیونکہ کشمیر میں اچھی ذات کے گھوڑے نہیں ہوتے تھے[1] ملک کے پہاڑی ہونے کی وجہ سے سوار، فوج کا اہم جزو تھے، اور اسی وجہ سے تخت پر قبضہ کرنے سے پہلے ہمیشہ شاہی اصطبل پر قبضہ کرنے کی کوشش کیجاتی، ہاتھیوں سے بھی کام لیا جاتا، لیکن چونکہ انہیں ہندوستان سے تنگ دروں سے لانا پڑتا تھا، ان کی تعداد اور بھی کم ہوتی، اس لیے ان کا کام فوج میں اہم نہیں ہوتا،

صوبہ کی فوج صوبہ کے مختلف شہروں میں رہتی تھی، ان کی تعداد مقامات کی فوجی اہمیت پر منحصر ہوتی، اس کے علاوہ حفاظتی دستے سرحدی قلعوں میں دروں کے ناکوں[3] پر رہتے، ان کے فوجی سردار نایک ہوتے تھے، وادی کے اندر بھی فوجی اہمیت کے مقامات پر مثلاً ناگام، لار، اندرکوٹ، کھراودر، منار اور بربرڈیہ

---

[1] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸ [2] حیدر ملک ورق ۱۵۲ الف، ب، کشمیر کے راجہ ہرش کے عہد میں ہاتھیوں کے استعمال کے لیے دیکھو اسٹین ج، نمبر ۱۵۵۳ ،

[3] اسٹین جلد، نمبر ۱۲۰۱ و حاشیہ ۔

بھی فوجی دستے رہتے تھے، جاگیرداروں کی فوج وہ فوج تھی جو امرا رجنگ کے زمانے میں سلطان کو مہیا کرتے تھے، ہر دستہ کا سپہ سالار اُس کا اپنا سردار ہوتا، رجوری، جموں اور کشتواڑ اور دوسری باج گذار ریاستوں کے حکمراں بھی فوج مہیا کرتے تھے، ہنگامی حالات میں جب کہ وادی پر بیرونی حملہ کا خطرہ ہوتا، رضاکار بھرتی کر لیے جاتے، عام طور سے جب سلطان اپیل کرتا، تو لوگ اپنے ملک کے دفاع کے لیے خاطر خواہ طریقہ پر جمع ہو جاتے،

ہتھیار:۔

عام استعمال کے ہتھیار تلوار، تیر کمان، نیزہ، کٹارہ، اور تبر تھے، سپاہی زرہ بکتر پہنتے تھے اور گھوڑے آہنی ساز و سامان سے لیس ہوتے، شری ور زین العابدین کے عہد میں ایک ایسے ہتھیار کے متعلق جو کشمیر میں پہلی بار بنا تھا، لکھتا ہے، "یہ ہتھیار قلعوں کو مسمار کر سکتا ہے، آدمی کے دل میں چبھ سکتا ہے اور گھوڑوں کو خوف زدہ کر سکتا ہے اور فاصلہ سے پتھر کے گولے برسا سکتا ہے اور پھر سپاہیوں کو نظر نہیں آتا"[1] ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتا ہے کہ "سلطان کی فوج ایسے ہتھیاروں سے مسلح تھی، جو بجلی کی سی سرعت سے تیز اور طویل گرج کے ساتھ تیر برسا سکتے تھے"[2] اس بیان سے بعد میں یہ اندازہ لگایا گیا کہ یہ ہتھیار توپ تھی جس میں بارود کا استعمال ہوتا تھا[3] لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ شری ور شاعر تھا، اور شاعرانہ تخیل سے کام لیتا تھا، اس لیے

---

[1] شری ور ص ۱۰۵ [2] ایضاً ص ۱۱۲

[3] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۴ ص ۴۰۷ شری ور نے وجر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہتھیار ہے، نہ کہ توپ (شری ور ج ۱ باب ۱ ص ۸۲، وغیرہ)

اس کے بیانات کو لفظ بہ لفظ صحیح نہیں ماننا چاہیئے، اس کے علاوہ وہ کہیں بھی الوگذ (بارود) کا ذکر نہیں کرتا، وہ صرف "کشتارہ" [1] کے استعمال کا ذکر کرتا ہے، اس بات کا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا کہ زین العابدین کے عہد میں بارود کی دریافت ہوئی تھی، حقیقت میں جس چیز کا استعمال ہوا ہوگا، وہ یونانی آگ یا Nappatha ہو گی جو بارود کی طرح آواز پیدا کرتی تھی [2]، اور جو ہتھیار ایجاد ہوا تھا، وہ توپ نہیں بلکہ ایک مشین تھی، جس سے پتھر پھینکے جا سکتے تھے [3]، ان ہتھیاروں کا بنانا بہت مشکل تھا، اس لیے ان کا استعمال کم ہی ہوتا تھا، اس وجہ سے محمد شاہ اور فتح شاہ کی خانہ جنگی یا مرزا حیدر سے جنگ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا [4]، خاندان شاہ میر کے آخری دور میں یا خاندان چک کے عہد میں بارود کا استعمال شروع ہوا، لیکن یہ محدود طریقہ سے استعمال ہوتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غازی شاہ پہلا سلطان تھا جس کے پاس توپ تھی، اور اس نے اس توپ کو قرا بہادر کے خلاف

---

[1] تیموری در (بمبئی اڈیشن) جلد ا باب ۴ نمبر ۱۹ وغیرہ کشتار کا مطلب شورہ ہے یہ لفظ مرۃ ۲۵ میں بھی ملتا ہے۔ [2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۴ ص ۳۰ یہ یاد رہے کہ مسلمان مصنفوں نے نفت (Naphte) اور بارود کو ایک ہی سمجھا ہے، دیکھو بحث ڈیوڈ ایالون کی تصنیف "Gunpowder and firearms in the mamluk Kingdom" ص ۹ وغیرہ [3] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۴ ص ۴۲ - ۴۰ "واقعات کشمیر" ورق ۹۴ ب، اس پتھر کے متعلق جو خانقاہ معلی پر پھینکا گیا تھا جس سے اس کی چھت کو نقصان پہنچا تھا حیدر ملک ورق ۱۵۱ الف نے یہ غلط لکھا ہے کہ وہ پتھر توپ کا گولہ تھا،

[4] بہارستان شاہی کے مطابق (ورق ۸۳ ب) کشمیر میں محمد شاہ اور فتح شاہ کی خانہ جنگی میں ۲۰ بندوقیں استعمال ہوئی تھیں،

استعمال کیا تھا[1] بعد میں یوسف شاہ اور ابدال چک کے درمیان جانشینی کی جنگ میں بندوقیں استعمال ہوئی تھیں، کیونکہ ابدال چک گولی لگنے سے زخمی ہوا تھا[2] یوسف شاہ کی فوج میں سات ہزار بندوقچی تھے، جو راجہ بھگوان داس کی سربراہی میں مغل حملہ کو روکنے کے لیے تیار کیے گئے تھے، لیکن یہ تعداد کافی مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے[3]

جنگ کا طریقہ

سلاطین کے فوجی نظام کے متعلق جو تھوڑی بہت معلومات حاصل ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فوج پانچ حصوں میں تقسیم تھی، بیچ میں دو حصے ہوتے، ایک ہراول دستہ اور دوسرا عقبی دستہ[4] آگے کبھی کبھی ہاتھی ہوتے[5] آج کل کے طریقہ جنگ کے خلاف اس زمانہ میں سپہ سالار خود حملہ کی سربراہی کرتا، اس کے مارے جانے پر اس کا نائب اس کی جگہ پر ہوجاتا تھا[6] کبھی کبھی صرف ایک ایک آدمی لڑتے[7] اس کے بعد پھر عام معرکہ آرائی ہوتی، سپاہیوں کا جوش ڈھول بجا کر بڑھایا

---

[1] شک (بمبئی اڈیشن) نمبر ۲۰۴ تبریزی درنے توپھ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو توپ کی بگڑی ہوئی صورت ہے [2] آئین اکبری (بلاخ من) ص ۵۳۵

[3] حیدر ملک ورق ۱۸۹ ب،

[4] ایضاً ورق ۱۴۴ الف، اکبرنامہ ج ۳ ص ۷۰،

[5] ایضاً ورق ۸۷ الف، دیکھو سٹین ج ۱ نمبر ۵۰۳ کشمیر کے بادشاہوں کے عہد میں ہاتھی کے استعمال کے متعلق،

[6] بہارستان شاہی ورق ۹۲ ب [7] ایضاً،

جاتا، فوج کی کوئی خاص وردی نہیں ہوتی، صرف کچھ علامتیں ہوتیں جن سے وہ دشمن سے امتیاز کیے جاسکتے تھے[1] اس کے علاوہ ان کے ساتھ خون کے رنگ کے سرخ جھنڈے بھی ہوتے[2]

کشمیریوں کا خاص طریقہ جنگ جس کے وہ ماہر تھے، اچانک حملہ تھا، جو دن نکلنے سے پہلے کیا جاتا تھا، یہ خانہ جنگی اور بیرونی حملہ آوروں کے خلاف بھی ہوتا رہا ان ہی اچانک حملوں سے مرزا حیدر کو تنگ کیا گیا تھا، اور اکبر کے سپہ سالار قاسم خان کو سخت نقصانات اٹھانے پڑے، اچانک حملہ اس وقت کیا جاتا جب تعداد کی کمی کی وجہ سے جم کر لڑائی میں کامیابی حاصل کرنے کی امید نہ ہوتی،

کشمیریوں میں گوریلا طریقہ جنگ بھی بہت پسند کیا جاتا تھا، یہ طریقہ اس وقت اپنایا جاتا، جب ملک پر بیرونی حملہ ہوتا، اس وقت کشمیری سردار بھاگ کر پہاڑیوں میں چھپ جاتے، اور وہاں سے جنگ جاری رکھتے، وہ دشمن کی رسد کا سلسلہ کاٹ دیتے، اپنی پہاڑی کمین گاہوں سے ان پر چھاپہ مارتے، اور غنیم کو صلح کرنے یا واپس ہونے پر مجبور کر دیتے،

قلعے جو مختلف جنگی مقامات پر واقع تھے، خانہ جنگیوں یا بیرونی حملہ کے وقت زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتے، جنگ یا تو پہاڑ کے تنگ راستوں، دروں یا میدانوں

---

[1] شریوَر ص ۲۸۸، ٹنک ص ۳۰۷

[2] شری وَر ص ۲۹۳

[3] یون راج ص ۵۷، شری وَر ص ۲۰۷،

میں ہوتی تھی، قلعے صرف اس حیثیت سے مفید ہوتے کہ وہاں سے فوجی دستے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے نکلتے تھے، ان قلعوں سے دشمن سے غنیم کی پیش قدمی روکنے کا کام نہیں لیا جاتا تھا، اور غنیم بھی ان کا محاصرہ کرنے کے لیے کبھی رکتا نہیں تھا، یہ بات قابلِ غور ہے، کہ خود سری نگر میں کوئی قلعہ نہیں تھا، نوشہر (سری نگر) میں ایک قلعہ ضرور تھا، لیکن یہ مضبوط نہیں تھا، اس پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ یا تو آس پاس یا خود شہر میں ہوتی، خانہ جنگی کے زمانہ میں شہر کے دفاع کے خیال سے دریائے جہلم کے پل عام طور سے تباہ و برباد کر دیے جاتے تھے، لیکن یہ طریقہ زیادہ کارگر نہ تھا، کیونکہ بہادر سپہ سالار اپنی فوج کو دریا پار کرنے پر آمادہ کر لیتا تھا،

مال

سلاطین کے عہد میں مالی امور سے متعلق تاریخوں میں بہت کم معلومات ہیں، لیکن اتنا واضح ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ ہمیشہ شریعت کے مطابق نہیں ہوتا تھا، لگان کے خاص ذرائع یہ تھے،

(۱) خراج (۲) جزیہ (۳) زکوٰۃ محصول اور چنگی (۴) دوسرے ٹیکس،

(۵) جاگیر اور راج

خراج مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں ہی سے لیا جاتا تھا، کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، کہ مسلمان خراج دینے سے بری تھے، اور ان کو صرف دسواں حصہ دینا پڑتا تھا،[۱] شاہ میر نے تخت نشین ہونے پر اراضی کی پیداوار کا ۱/۷ حصہ لگان لگایا،[۲]

---

[۱] کشمیر میں عشری زمین نہیں تھی، ہندو مسلمان دونوں ہی پر ایک ہی شرح سے ٹیکس لگتا تھا، تاریخوں میں خراج کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے۔ [۲] مورخ قلمی نسخہ ورق ۳۵ ب

اس نے شرح لگان دو وجہوں سے اتنی کم کی، ایک تو وہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا، دوسرے یہ کہ اس نے یہ محسوس کیا کہ دو سو برس سے وادی کی مالی حالت خراب ہوتی جارہی تھی، اور کسانوں کی قوت ادائگی بہت گھٹ گئی تھی، لیکن اس کے جانشینوں نے شرح لگان ½ سے ⅓ کر دی، اور یہی شرح لگان سلاطین کے عہد میں جاری رہی[1]، قحط یا سیلاب میں لگان کی شرح میں حکومت بڑی کمی کر دیتی، چنانچہ زین العابدین کے عہد میں قحط پڑا، تو سلطان نے لگان کی شرح گھٹا کر ¼ کر دی، اور کچھ مقامات پر تو یہ شرح ⅛ تک کر دی گئی[2]،

مرزا حیدر دوغلت کے عہد میں کشمیر میں چار قسم کی زمینیں تھیں، آبی، للمی، باغی اور چراگاہ[3]، پہلی قسم کی زمین پر آب پاشی کی مدد سے فصل اگائی جاتی تھی، اس زمین پر لگان کی شرح نسبتۃً زیادہ ہوتی تھی، دوسری قسم پر بارش سے کھیتی ہوتی تھی، چونکہ بارش پر کوئی اختیار نہیں تھا اس لیے اس پر شرح کم ہوتی تھی، تیسری قسم کی زمین پر پھل کے درخت لگائے جاتے تھے، خاندان شاہمیر کے عہد میں اس پر لگان معاف تھی[4]، اگرچہ خاندان چک کے دور میں حکمرانوں نے باغوں پر ٹیکس لگا دیا تھا، یوسف شاہ نے منسوخ کر دیا[5] چوتھی قسم کی زمین یعنی چراگاہ پر جو دریاؤں کے کنارے واقع تھی، ناقابل کاشت ہونے کی وجہ سے اس پر ٹیکس

---

۱ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۶۶ ۔ ۲ شری ور ص ۱۵۲

۳ تاریخ رشیدی (قلمی نسخہ) ورق ۱۱۵ الف مزید آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲ اور حاشیہ، دیکھیے،

۴ تاریخ رشیدی ص ۴۲۵،

۵ حیدر ملک ورق ۱۸۲ ب

نہیں تھا،[1]

ہر گانوں میں حکومت کے تخمینہ کے مطابق کچھ خروار چاول ہوتا تھا اور پیداوار کو کھلیان سے گانوں کے لوگ حکومت کا حصہ ادا کیے بغیر اٹھا نہیں سکتے تھے، یہ چاول شہر میں سرکاری گوداموں میں بھر لیے جاتے اور حکومت کے مقررہ نرخ پر ایسی آبادی میں فروخت کر دیا جاتا جہاں زراعت نہ ہوتی، اس طرح قیمتوں کو بڑھنے نہیں دیا جاتا، اور قلت کے زمانہ میں ذخیرہ اندوزی نہیں ہو پاتی تھی، اور لوگ سستے داموں چاول خرید سکتے تھے،[2]

جزیہ

تاریخوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سلطان سکندر سے پہلے خاندان شاہ میر کے حکمراں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرتے تھے، جزیہ سب سے پہلے سلطان سکندر نے اپنی حکومت کے نظم و نسق کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی غرض سے عائد کیا تھا،[3] جب زین العابدین تخت نشین ہوا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں مقررہ شرح کو چاندی کے ڈوبل سے گھٹا کر صرف برائے نام چاندی کا ایک ماشہ کر دیا،[4] لیکن یہ بھی وصول نہیں کیا جاتا تھا، اور ایسا ہی اس کے جانشینوں نے بھی کیا،[5] لیکن جب فتح شاہ دوبارہ برسر اقتدار ہوا، تو اس کے وزیر اعظم موسیٰ رینا نے شمس الدین کے اثر میں

---

[1] تاریخ رشیدی ص ۴۲۵

[2] شری ور ص ۱۱۹، سیونغ قلمی نسخہ ورق ۵، ب ڈھوائٹین ج ۸، نمبر ۲۶، راجاؤں کے عہد کے حالات کے لیے مزید دیکھو ج ۸ نمبر ۴۵ ۱۱۲ اور حاشیہ نمبر ۸، [3] حیدر ملک ورق ۱۱۳ ب، یون راج کے مطابق ص ۶۰، برہمنوں کو اپنی ذات برقرار رکھنے پر جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، یہ ایک طرح کا جزیہ ہی تھا [4] دیکھو ص ۷۰ کتاب ہذا [5] ایضاً،

اگر جزیہ دوبارہ وصول کرنا شروع کر دیا، اور سلطان اسمٰعیل شاہ ثانی کے وزیر اعظم دولت چک کے زمانہ تک وصول کیا جاتا رہا، اور خاندان چک کے عہد تک یہ سلسلہ جاری تھا[۱] لیکن یوسف شاہ نے جزیہ منسوخ کر دیا[۲]، ممکن ہے کہ یعقوب شاہ نے جزیہ دوبارہ لگا دیا ہو، کیونکہ جب اکبر نے کشمیر پر قبضہ کیا، تو ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، اور آخر کار اس نے منسوخ کر دیا[۳]،

زکوٰۃ اور محصول

مسلمانوں سے زکوٰۃ شریعت کے مطابق وصول کی جاتی تھی، صوفیا اور علماء زکوٰۃ کی ادائگی کی برابر تلقین کرتے تھے[۴] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لازمی نہین بالکل رضاکارانہ تھا، بہرحال کچھ سلاطین کے عہد میں زکوٰۃ بھی دوسرے ٹیکسوں کی طرح وصول کی جاتی تھی، چنانچہ سلطان سکندر کے عہد میں ہر ایک آدمی زکوٰۃ دیتا تھا[۵] اسی طرح یوسف شاہ صرف ملاحوں کو چھوڑ کر جو زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل نہیں تھے، ہر ایک سے زکوٰۃ وصول کرتا تھا[۶] یہ نہیں معلوم کہ زکوٰۃ کی رقم

---

۱ قمری ورق ۳۸۸، ۴۲۰ ۲ حیدر ملک ورق ۱۸۲ ب مزید دیکھو حیدر ملک (Bibliotheque Nationale) ورق ۱۵۹ الف

۳ شک ص ۲۰-۲۱ ۴

۴ ذخیرۃ الملوک از سید علی ورق ۷۰ ب، ۱۴۷ ب، نصیب ورق ۲۲۲ الف

۵ میونخ قلمی نسخہ ورق ۴۷ ب پر لکھا ہے کہ سکندر نے تاجروں کو زکوٰۃ ادا کرنے سے معاف کر دیا تھا، لیکن یہ غلط ہے،

۶ حیدر ملک ورق ۱۸۲ ب،

الگ خزانہ میں رکھی جاتی یا دوسرے غیر مذہبی ٹیکسوں میں شامل کر دی جاتی تھی، اور نہ کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ زکوٰۃ کا صرف کس طور پر کیا جاتا تھا، غالباً وہ ساری رقم جو سلاطین غریبوں کو دیتے تھے، یا مسافروں، طلبہ، حاجت مندوں اور طالب علموں کو کھانا اور رہنے کی جگہ فراہم کرنے میں صرف کرتے تھے، وہ زکوٰۃ ہی سے لی جاتی تھی، شریعت کے اصول کے مطابق محصول کا لینا ممنوع ہے، کیونکہ قانونی ٹیکس زکوٰۃ، خراج اور جزیہ ہیں[1]، لیکن چونکہ کسٹم سرحدوں پر وصول کیا جاتا تھا، فقیہوں نے محصول کو زکوٰۃ کے تحت لاکر نظری اور عملی تضاد کو ختم کر دیا، چنانچہ مسلمان تاجروں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد سرحد پار کرنے کی اجازت دیدی جاتی تھی[2]، لیکن کشمیر میں اس کے علاوہ ان تاجروں کو برآمدی اور درآمدی اشیاء پر بھی چوکیوں پر محصول ادا کرنا ہوتا، ان چوکیوں کو راہ داری کہتے تھے[3]، ہندو تاجروں کو بھی اپنی اشیاء پر چنگی دینی ہوتی تھی، جیساکہ اوپر بیان آچکا ہے، کہ دروں کے محافظ خفیہ درآمد کو روکنے کے لیے موجود تھے، وہ ہر ایک تاجر سے محصول وصول کرتے تھے[4]،

دوسرے محصول

راجاؤں کے زمانہ میں لوگوں سے طرح طرح کے ٹیکس وصول کیے جاتے تھے، گانوں کے لوگ اگر ان بوجھوں کو اٹھانے نہیں آتے جو ان کو اٹھانے کو

---

[1] Aghnides : Mohammaden Theories of Finance ص ۲۰۰

[2] ایضاً ص ۲۲۱ وغیرہ [3] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۷۷ × اص ۳۸۵ - ۹۲ : [4] جون راج ص ۷، ۹ ہندو مسلمان تاجروں کو یکساں طور پر کسٹم ادا کرنا ہوتا تھا،

کہا جاتا، تو ان کو اس بوجھ کی قیمت بطور جرمانہ ادا کرنی پڑتی تھی، مندروں کے پجاری بیگار سے محفوظ تھے[1] شادی، دعوت اور تہوار پر کوئی رقم وصول کی جاتی تھی، اور ملاحوں، کاریگروں، گایوں اور سنڈ اس پر بھی ٹیکس تھے[2]، شاہ میر نے برسر اقتدار ہوتے ہی ان میں سے بہت سے ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا، اسی طرح سلطان سکندر نے باج اور "تمغہ" منسوخ کر دیا[3]، سلطان زین العابدین نے دوسرے زاید ٹیکس ختم کر دیئے، اور اپنے حکام لوگوں پر من مانے جرمانے لگانے سے روک دیا، بعد میں یوسف شاہ نے کاریگروں، گایوں، اور باغوں پر ٹیکس اور ملاحوں سے زکوٰۃ لینی بند کر دی[5]، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ٹیکس یک قلم منسوخ نہیں کیے گیے اور نہ بعد میں لگائے گیے، بلکہ حکمران ان کو آہستہ آہستہ منسوخ کرتے رہے جب مغلوں نے وادی کو مسخر کیا تو انھوں نے بہت سے ظالمانہ ٹیکس لینا بند کر دیے، جن میں باج، تمغہ، ایندھن پر دو دام ملاحوں سے محصول وغیرہ تھے۔ گاؤں والوں سے بھیڑیں بھی لی جاتی تھیں[6]، یہ بھی لینا بند کر دیا گیا،

کان سے بھی آمدنی ہوتی تھی، لیکن تاریخوں میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی،

---

[1] اسٹین ج ۵ نمبر ۴۸، ۱۱۰ اور حاشیہ

[2] ایضاً ج، نمبر ۴۶۲ ج نمبر ۱۴۲۹

[3] ایضاً ج، نمبر ۱۱۰، [4] دیکھو ص ۶۲ کتاب ہذا برائے باج اور تمغہ

[5] حیدر ملک ورق ۱۸۲ ب،

[6] آئین اکبری ج ۲ ص ۷۰، Travels I ۳۴۷ از مورکرافٹ ص ۲۷۔۲۷ پر لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں نانبائی، قصاب، ملاح، مہتر اور طوائفوں تک پر ٹیکس تھا،

صرف اتنا معلوم ہے کہ دریاؤں کے کناروں سے سونے کے ذرات اکٹھا کیے جاتے تھے، زین العابدین کے عہد میں اس میں حکومت کا حصہ ۱/۲ تھا، اور غالباً بعد کے حکمرانوں نے بھی یہی شرح قائم رکھی[1]،

جاگیریں اور باج

ہندوؤں کے عہد میں امرا اور عمال کو جاگیر عطا کرنے کا عام رواج تھا جب شاہ میر نے اپنی حکومت مستحکم کی، تو اس نے بغیر سوچے سمجھے جاگیریں دینے سے احتراز کیا، کیونکہ اس کی رائے میں اس سے امرا کی طاقت بڑھتی اور بغاوت کی ہمت افزائی ہوتی تھی، لیکن اس کے جانشینوں نے اس روش کو اختیار نہیں کیا، اور وہ دل کھول کر جاگیر عطا کرتے رہے، خاندانِ شاہ میر کے آخری دور میں امرا ملک کے اصل حکمران بن بیٹھے تھے، انھوں نے سلاطین کو شاہی زمینوں کو چھوڑ کر، ساری وادی ان کو دینے پر مجبور کیا، اور اس کو آپس میں تقسیم کرلیا، جب خاندانِ چک برسرِ اقتدار ہوا تو اس نے یہ جاگیریں واپس لے لیں، اور اپنے درباریوں اور عمال کو نئی جاگیریں دیں، یہ جاگیریں موروثی ہوتی تھیں، اور ان کا انتظام ان کے مالکوں کے ہاتھ میں ہوتا، لیکن جاگیر داروں کی غداری کی صورت میں یہ جاگیریں ضبط بھی ہوسکتی تھیں[2]،

قرب و جوار کی ریاستوں سے جو کشمیر کے زیرِ نگیں تھیں، باج کی وصولی کا کوئی اطمینان بخش طریقہ نہ تھا، کیونکہ اس کا انحصار مرکزی حکومت کی طاقت

---

[1] دیکھو ص ۸۳ کتاب ہذا۔

[2] تبری ۵ ص ۴۴۲۔

پر تھا، باج عام طور سے جنس کی صورت میں وصول ہوتا، چنانچہ لداخ اور بلتستان سے سلاطین کو اون اور رچمڑا[1]، اور کشتواڑ سے زعفران ملتا[2]،

---

[1] Travels in the Moghul Empire از برنیر ص ۴۲۰، ابراہیم شاہ کے عہد میں لداخی بطور لگان پانچ سو گھوڑے، ایک ہزار ٹٹو کے ٹکڑے، پچاس پاک اور دو سو تولہ سونا دیتے تھے،

[2] (طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۸۱)

بارھواں باب (۱۲)

معاشرتی اور معاشی حالات

چودھویں صدی کے آخری نصف حصہ اور اس کے بعد کشمیر میں اسلام کے فروغ سے عوام کی زندگی میں ایک بڑا انقلاب رونما ہوا، ایران اور ترکستان سے ثقافتی تعلقات قائم ہوئے، اور ان ملکوں سے مسلمان بہت بڑی تعداد میں آئے، تو معاشرت میں گہری تبدیلیاں نمایاں ہونے لگیں، لیکن ان بیرونی اثرات کے باوجود ماضی سے رشتہ نہیں ٹوٹا، کیونکہ کشمیری اپنے اعتقادات اور رسم و رواج کو ایک دم چھوڑنے پر تیار نہ تھے، چنانچہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں ان لوگوں میں مستقل آویزش ہوتی رہی، جو روایتی رسم و رواج سے چمٹے رہنا اور جو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنا چاہتے تھے، آخر کار یہ آویزش اس طرح ختم ہوئی کہ دونوں طرز زندگی ایک دوسرے میں مدغم ہو گیے جس سے ایک نیا سماج وجود میں آیا، اور قدیم و جدید طرز ایک دوسرے سے مل گیے۔

معاشرہ:۔

کشمیر میں ہندوؤں کے عہد میں معاشرہ چار ذاتوں میں تقسیم تھا، لیکن

یہ تقسیم ہندوستان میں بے لوچ تھی، یہاں نہ تھی، کیونکہ ہندو راجہ ڈومنیوں یا طوائفوں کو اپنی زوجیت میں لے کر ان کو خاص رانیوں کا مرتبہ عطا کرتے تھے[1]، اس عہد میں اس کی مثال بھی ملتی ہے، کہ نیچی ذات کے لوگ ترقی کر کے حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچ گئے، تاہم برہمنوں کو کافی مراعات حاصل تھیں، جو برہمن مندروں کی دیکھ بھال کرتے تھے، ان سے بے گار اور ٹیکس نہیں لیا جاتا[2]، برہمن پروہت سلطنت کے معاملات میں اکثر مداخلت کرتے تھے، اور اگر ان کو کوئی بات ناپسند ہوتی، تو وہ برت رکھتے تھے[3] اور حکومت کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتے[4]،

اسلام کے فروغ کے بعد برہمنوں کا اثر کم ہوتا گیا، کیونکہ ان کی جگہ اب سادات، علماء، پیروں اور مسلمانوں کے دوسرے فرقوں نے لے لی تھی، ایک دوسری بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ برہمنوں کو چھوڑ کر جو تبدیلی مذہب کے مخالف تھے دوسری ذاتوں کے لوگ مشرف باسلام ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ صرف برہمن بچے رہے، اور ساری ذاتیں ختم ہو گئیں، لیکن بہت سے نومسلموں نے اپنے خاندانی نام نہیں چھوڑے، چنانچہ کول بٹ، اتو، منٹو، گنائی اور رینا (رازداں) برہمنوں کی نسل سے ہیں، اور مار گرے، ڈار، (ہندوؤں میں دریادھر) رینا (راجپوت) راٹھور، ٹھاکر، نانک، اور چک چھتری نژاد ہیں[5]، لیکن کچھ ایسے بھی

---

[1] اسٹین ج ۵ نمبر ۳۶۱ وغیرہ ج ۸ نمبر ۲۰۰ - ۱۴ [2] ایضاً ج ۵ نمبر ۱۷۴ اور حاشیہ ۱۷۴،

[3] ایضاً ج ۸ ص نمبر ۱۳۰ ج ۸ نمبر ۲۰۶ [4] Valley از لارنس ص ۳۰۷، رینا دو فرقوں پر مشتمل ہیں (۱) برہمن جو اپنے کو رازداں کہلاتے ہیں، (۲) راجپوت جو اپنے کو چندر نسبی راجاؤں

خاندان بھی تھے، جنھوں نے تبدیلی مذہب کے بعد پرانے نام چھوڑ دیئے، اور پیشہ کے نام سے پکارے جانے لگے[۱] اور برہمن جو اپنی ذات اور دھرم سے منسلک رہی امتداد زمانہ کے ساتھ دو فرقوں میں بٹ گیے، ایک فرقہ "کارکن، کہلایا جو فارسی پڑھ کر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گیا، اور دوسرا فرقہ بھاشا بھٹ کہلایا جو سنسکرت کے مطالعہ سے قوم کے مذہبی امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔[۲]

اگرچہ کشمیر میں ذات پات کے امتیازات بڑی حد تک ختم ہو گئے، لیکن ان کی جگہ طبقاتی امتیازات نے لے لی جن کی وجہ سے پرانے اصولوں میں سختی باقی رہی، اسلام بلاشبہ ایک اتحاد پیدا کرنے اور دوسروں کو خود میں سمونے والی طاقت تھی، اور صوفیہ نے مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کی، لیکن معاشی ناہمواری اور پیشہ ورانہ امتیازات کی بنا پر حقیقی معاشرتی مساوات پیدا نہ ہو سکی،

امراء

سلطان اور اُس کے خاندان کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا تھا اس کے بعد وہ امراء ہوتے جو اپنے خاندان مثلاً چک، ماگرے، رَینا، ڈار اور رینہ خاندانوں کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) کی نسل سے بتاتے ہیں، وہ کشمیر میں راجہ جے سنگھ کے عہد میں نگر کوٹ سے آئے تھے (تاریخ حسن ورق ۱۶۶ الف ب)

[۱] کشمیر میں کبھی کسی شخص کو بھی اس کے خاص پیشہ یا کچھ خاص حالات کی بنا پر جن میں وہ رہا کوئی "کرام"، یا عرف عام کا نام دینے کا قدیم رواج رہا ہے (۔) Dictionary of Kashmiri proverbs and Sayings از Knowles ص ۱۱۰ (۲) A history of Kashmiri Pandits از Kilam ص ۵۳

سربراہ ہوتے، ان کے پاس بڑی بڑی جاگیریں ہوتیں، اور وہ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوتے، ان کے خطابات، حقوق اور جاگیریں مغل امراء کے برخلاف نسل در نسل چلتی رہتیں، اور سوائے بغاوت کے الزام کے وہ کبھی ضبط نہ ہوتیں، اپنی دولت اور حیثیت کی بنا پر یہ امراء اپنے ساتھ بہت سے مصاحب رکھتے، امراء عام طور سے علم وادب کے دل دادہ ہوتے اور اہل علم کی سرپرستی کرتے، وہ مذہبی عمارتیں بنواتے، اور تعلیم کے لیے جائدادیں وقف کرتے، اس کے علاوہ ان ہی میں سے فوجی اور غیر فوجی افسر بھی لیے جاتے جو بیرونی حملوں سے ملک کو بچاتے، لیکن وہ اپنی زیادہ تر قوت سلاطین کے لطف وکرم کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے خلاف سازش کر کے ضائع کرتے یا اگر سلطان کمزور ہوتا تو اس کے سارے کام خود سنبھال لیتے، یا اس کی جگہ لے لیتے، اسی طرح چکوں نے خاندان شاہ میر کی جگہ لے لی، اور اپنے خاندان کی داغ بیل ڈالدی، لیکن اس تبدیلی سے بھی جاگیرداروں کی باہمی رقابت اور ریشہ دوانیوں میں کمی نہیں آئی، چنانچہ خانہ جنگیوں نے ایسی خراب صورت حال پیدا کر دی جس سے بیرونی حملوں کو شہ ملی، اور بالآخر کار کشمیر کی آزادی ختم ہو گئی،

مسلمانوں کے عہد حکومت میں جو خاندان ممتاز رہے، وہ یا تو بیرون ملک سے آئے تھے، یا انھوں نے سلاطین کے عہد میں اہمیت حاصل کر لی تھی، چک کشمیر میں سوہدیو کے عہد میں اور بیہقی سادات سکندر کے دور حکومت میں آئے تھے، رینا، ماگرے، ڈار، اور دوسرے خاندان کشمیر ہی کے تھے، لیکن رینا خاندان کو چھوڑ کر بقیہ کی اہمیت مسلمانوں کے دور میں بڑھی، شہزادوں کا لقب ہمیشہ

خان ہوتا، لیکن کبھی کبھی امرا بھی اپنے نام کے ساتھ خان استعمال کرتے، اس کے علاوہ سلاطین کی طرف سے امرا کو ملک امیر الامرا، خان زمان، مرزا[۵۱] اور شوکت جنگ کے لقب بھی عطا ہوتے تھے،

سلاطین، چک، ماگرے اور بیہقی سادات کے خاندانوں میں شادی بیاہ کرتے، اس کے علاوہ انھوں نے جموں، کشتواڑ اور رجوری کے راجاؤں اور پکھلی اور سندھ کے حکمرانوں کے خاندانوں سے بھی رشتے کیے، امرا عام طور پر اپنے ہی خاندان میں شادیاں کرتے تھے، لیکن مختلف خاندانوں میں بھی شادیاں ہو جاتی تھیں[۵۲] اگرچہ معاشرتی حیثیت کو بلند رکھنے کے سلسلہ میں خاندانی امتیاز کو بڑا دخل تھا، لیکن معاشرہ کوئی محدود دائرہ نہیں تھا، کیونکہ ہمارے سامنے معمولی اور غریب گھرانوں کے گمنام افراد کی مثالیں موجود ہیں جو اپنی صلاحیت اور محنت کے بل بوتے پر اونچے مراتب پر پہنچے،

مذہبی طبقہ

امرا کے بعد مذہبی طبقہ تھا جو علما، سادات، صوفیہ اور ان کی نسل کے لوگوں پر مشتمل ہوتا،

(الف علما، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے رو سے اسلام میں مذہبی پیشواؤں کا کوئی خاص طبقہ نہیں ہوتا، لیکن جو قرآن و حدیث کی تعلیم پاتے رفتہ رفتہ

---

۵۱ یہ خطاب خاندان چک کے عہد میں شہزادوں کو ملا تھا، (دیکھو حیدر ملک ورق ۱۴۳ ب، اور بہارستان شاہی ورق ۱۲۹ ب)

۵۲ شری ور ص ۲۲۳ - ۳۰۳، ہشک ص ۳۵۹

فقیہوں کے حیثیت سے وہی حیثیت اختیار کر لیئے تھے، جو عیسائیوں میں پادریوں کی تھی، اور اپنے علم و تقدس کی بنا پر عوام اور پبلک میں ان کی بڑی عزت تھی، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت محمد (صلعم) نے فرمایا تھا کہ علمار قابلِ تعظیم ہیں، کیونکہ وہ رسول کے جانشین ہیں، جو علمار کی تعظیم کرتا ہے وہ رسول اور اللہ کی تعظیم کرتا ہے، چنانچہ تمام اسلامی ملکوں کی طرح کشمیر میں بھی علمار کی بڑی تعظیم و تکریم ہوتی تھی، ان میں سے قاضی، مفتی، اور شیخ الاسلام مقرر کیے جاتے، اصولی طور پر تو علمار کا طبقہ جمہوری اصولوں کا پابند تھا، لیکن عملی طور پر ان میں موروثی رجحانات پائے جاتے تھے، بہت سے علمار بیرونی نسل کے تھے، اور دینیات، منطق، اور حدیث پر عبور رکھتے تھے، کشمیری علمار سری نگر میں اہلِ علم سے تعلیم پاکر سمرقند، ہرات اور مکہ کا سفر کرتے، اور مزید تعلیم پاکر واپس ہوتے، اس کے بعد ان کو سند یافتہ فقیہ سمجھا جاتا، اصولی طور پر علمار سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے، اور شریعت کو ہر حال میں برقرار رکھتے، اور بدعات کی مخالفت کرتے رہتے، ان کی دلچسپیاں صرف معاشرتی اور مذہبی مسائل تک محدود نہیں تھیں، کبھی کبھی تو وہ اپنے زمانہ کی سیاست میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے تھے،

(ب) سادات

چودھویں صدی میں سادات کی ایک کثیر تعداد پہلے تو منگولوں اور بعد میں تیمور کے عتاب سے محفوظ رہنے کے لیے کشمیر میں پناہ گزین ہوئی تھی، کشمیر ان کو اس وجہ سے پسند آگیا کہ وسط ایشیا اور ایران کے آئے دن کے معاشرتی اور سیاسی انقلابات کے مقابلہ میں وادی میں نسبتہً زیادہ امن و سکون تھا،

اس کے علاوہ سلاطین کی سرپرستی بھی انہیں کھینچ لائی تھی، ہجرت کا یہ سلسلہ سلطنت کے زوال تک چلتا رہا،

سادات حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہیں، اس لیے مسلمانوں میں وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی خاص تعظیم و تکریم ہوتی، اور سلطان اور امراء ان کو ہر طرح کے لطف و کرم سے نوازتے۔ کشمیر میں آنے والے مہاجروں میں کچھ سادات فقیہ بھی تھے، سلاطین نے ان کو قاضی اور مفتی کے عہدوں پر مامور کیا، کچھ سادات نے درس و تدریس کا کام شروع کیا، اور جو متقی پرہیزگار تھے، وہ رشد و ہدایت میں لگ گئے، اور عوام کے مرشد اور ہادی بن گئے، کچھ دیہات جاکر کاشتکاری کرنے لگے، بیہقی سادات سیاست میں حصہ لینے لگے، انھوں نے سلاطین کے خاندان میں شادی بیاہ کیے، اور اس طرح کشمیری امراء کی صف میں شامل ہو گئے، لیکن اپنے تکبر اور اولوالعزمی کی بنا پر کشمیری سردار اُن سے جلنے لگے، اور ان کو نیچا دکھانے کی سازش میں مصروف ہو گئے، آہستہ آہستہ بیہقی سادات نے اعتدال اور حب الوطنی کی پالیسی پر چل کر اپنے اوپر غیر ملکی ہونے کا الزام دور کر دیا، اور لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا، اس کے بعد انھوں نے وادی کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ میں بہت سے اہم کارنامے انجام دیئے،

(س) صوفیہ

عہد وسطی کے کشمیر میں پیروں اور ان کے مریدوں کو کافی اہمیت حاصل تھی، معاشرتی، مذہبی اور ثقافتی زندگی پر علماء سے زیادہ ان کا اثر تھا، ایک

تو ان کے علم و تقویٰ کا اثر تھا، دوسرے ان کی کرامات کی وجہ سے عوام میں ان کی بڑی عزت تھی، وہ سادہ زندگی بسر کرتے لیکن نہ تو وہ تارک الدنیا ہوتے اور نہ اپنے آپ کو عوام اور ان کے مسائل سے الگ کرتے، بلکہ ان میں سے زیادہ تر عام آدمیوں کی طرح رہتے سہتے، شادی کرتے، بال بچے پیدا کرتے، اور لوگوں کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ لیتے[1]،

سید علی ہمدانی کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی ساری خواہشات مذہبی احکام کے مطابق تو ہوں لیکن ہندو سادھوؤں اور مسلمان فقیروں کی طرح ان خواہشات کو بالکل ختم نہ کر دینا چاہئیے[2] انھوں نے ہاتھ پاؤں کو بے کار کر دینے یا بلا وجہ اپنے جسم کو ایذا پہنچانے کی سخت مذمت کی، ان کا ایمان متوازن زندگی پر[3] تھا جو زندگی کے زرین اصول ہیں،

پیر شہزادوں اور امراء کی تعمیر کی ہوئی خانقاہوں[4] میں اپنے خاندان اور مریدوں کے ساتھ رہتے تھے، وہ ان کے ساتھ عبادت کرتے[5] اور علم معرفت کی ساری باتیں سکھاتے، پہلے بیعت کی ایک چھوٹی سی رسم ہوتی، اور مرید سچے دل سے زہد و اطاعت کا عہد کرتا، اس کے بعد وہ پیر کی معیت میں رہتا اور آہستہ آہستہ

---

[1] بابا حسن، حمزہ مخدوم اور دوسرے صوفیوں نے اپنے عہد کی سیاست میں جو حصہ لیا، اُس کا پہلے ذکر آچکا ہے،

[2] ذخیرۃ الملوک از سید علی ہمدانی ورق ۴۲ الف [3] ایضاً ورق ۴۱ ب

[4] خانقاہوں کا نظام ہندوستان ایران اور ترکستان میں یکساں تھا [5] جدی بل کی خانقاہ میں پیشہ ور مرید اپنے کنبوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کا خرچ وقف کی آمدنی سے چلتا تھا، (دیکھو تحفۃ الاحباب ص ۴۴۲ وغیرہ)

وہ سلوک کے اعلیٰ مدارج طے کرتا، اور پھر باہر جاکر اپنے مرشد کے طریقوں کو پھیلاتا اور نئے، مرید بناتا۔[۱] جب پیر کی وفات ہو جاتی، تو مریدوں میں اخلاقی، ذہنی اور روحانی اوصاف کے لحاظ سے جو سب سے افضل ہوتا، وہی خلیفہ ہوتا، کبھی کبھی اس تقرر میں وراثت کا بھی دخل ہوتا، خانقاہ میں نماز باجماعت کے لیے ایک امام بھی ہوتا۔[۲]

ازمنۂ وسطیٰ کے کشمیر میں صوفیہ کے چھ خاص سلسلے تھے، ان کے نام یہ ہیں، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، نقشبندیہ، نوربخشیہ اور ریشی[۳]، ان میں سے پہلے پانچ ایران اور ترکستان سے آئے، البتہ ریشی سلسلہ خالص کشمیری تھا،[۴] اس سلسلہ کے بانی نورالدین[۵] تھے، ان کی پیدائش ۷۷۹ھ مطابق ۱۳۷۷ء میں بج بہار کے دو میل مغرب میں کیموہ گانوں میں ہوئی تھی، ان کے والد بزرگوار کا نام شیخ سالارالدین تھا، جو خود بھی بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، اور کشتواڑ کے شاہی خاندان سے تھے، اگرچہ نورالدین راسخ العقیدہ مسلمان تھے، لیکن ان پر تارک الدنیا سادھوؤں کا اثر تھا، سید علی ہمدانی

---

[۱] دیکھو Mohammeda nism از گب ص ۱۵۱،۵۲ اجان پیرون، اور مریدوں کے تعلقات کا ذکر ہے کشمیر میں بھی کم وبیش وہی حالات تھے، مرید پیر کو خدا اور رسول کا نائب اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انتہائی ضروری سمجھتے تھے، (دیکھو حلیۃ العارفین از خواجہ اسحاق قاری ص ۱۲ ب اور تحفۃ الاحباب ص ۹۹، ۱۲۶ وغیرہ) [۲] حلیۃ العارفین از اسحق ورق ۹ الف ب. [۳] ریشی سنسکرت کا لفظ ہے جس کا مطلب سادھو، عالم یا سنیاسی ہوتا ہے، مقامی روایتوں کے مطابق اس سلسلے کے بانی خواجہ اویس تھے وہ پیغمبر اسلام کے ہم عصر تھے اور یمن کے باشندہ تھے،

A Dictionary of Kashmiri Proverbs and Sayings

از Knowles ص ۲۳) [۵] اسرار الابرار از داؤد مشکواتی ورق ۶۳ الف،

اور شمس الدین کے برخلاف انھوں نے گوشہ نشینی کی زندگی کو پسند کیا، اور اکثر غاروں میں ذکر و فکر اور عبادت کے لیے چلے جاتے، انھوں نے دنیا اور اس کی مسرتوں سے کنارہ کشی اختیار کی، بیوی بچوں کو خیر باد کہا اور گوشت کھانا ترک کر دیا، زندگی کے آخری ایام میں وہ روزانہ صرف ایک پیالہ دودھ پیا کرتے اور مرنے سے کچھ دن قبل صرف پانی پیتے، ان کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ۸۴۲ھ مطابق ۱۴۳۸ء[1] میں ہوا، ان کے مرید کثیر تعداد میں تھے، جن میں بابا نصیر الدین، بابا امام الدین، بابا زین العابدین اور بابا لطف الدین کافی ممتاز تھے، ان کے مقبرہ پر جو سری نگر سے جنوب مغرب میں چرار میں واقع ہے، ہر سال ہزاروں ہندو مسلمان زیارت کے لیے جاتے ہیں،

نورالدین کی وفات کے بعد رشیوں میں ترک دنیا کے . . . . رجحانات بڑھتے گئے، اور انھوں نے سولھویں صدی کے شروع ہی سے حکمراں طبقہ کی حرص، طمع، خود غرضی اور مستقل خانہ جنگیوں سے تنگ آکر دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرلی، وہ شادی نہیں کرتے، اور نہ گوشت کھاتے اور سوکھی روٹی اور پہاڑ کے جنگلی پھل کھا کر گذر بسر کر لیتے، وہ آبادی سے دور رہتے، اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہوتے رہتے، اور لوگوں کی بھلائی کے لیے سایہ دار اور پھل دار درخت لگاتے،[2] نورالدین اور ان کے مریدوں کے

۱؎ نورالدین کی زندگی کے لیے دیکھو تذکرہ مشائخ کشمیر از بابا نصیب ورق ۱۹۰ ب وغیرہ فتوحات کبرویہ ورق ۲۱۵ ب وغیرہ، تاریخ کبیر از مسکین ص ۹۲ وغیرہ، اسرار الابرار ورق ۶۲ ب وغیرہ

۲؎ ہفت اقلیم ورق ۶ ۱۱۵ الف، نصیب ورق ۱۵ ۱۴۸ الف، ۱۴۱ ۱۷ الف تزک جہانگیری ص ۵۰-۱۴۹

برخلاف آخری دور کے رشی زیادہ تر جاہل تھے، اور اپنے مذہب کا انہیں کوئی علم نہیں تھا، تاہم وہ پرہیزگاری، نفس کشی، سادگی اور نیکوکاری کی زندگی بسر کرتے، اکبر اور جہانگیر کے عہد میں وادی میں تقریباً ۲ ہزار رشی تھے[۱]

صوفیوں نے کشمیر میں اسلام کے فروغ میں کافی اہم حصہ لیا، اس کے علاوہ تصوف میں معاشرتی مساوات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اس لیے صوفیہ امرار اور غربا کے درمیان رابطہ بن گئے تھے، ذکر کی مجلسیں نہ صرف عبادت دریاضت کے لیے تھیں، بلکہ ان کا ایک معاشرتی مقصد بھی تھا کہ ان مجلسوں میں مختلف طبقوں کے لوگ امارت و غربت کا خیال کیے بغیر ایک جگہ مل بیٹھتے،

صوفیہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھاتے رہے، مثال کے طور پر نورالدین رشی نے ایک گاؤں کے کسانوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی سخت سرزنش کی[۲]..... اسی طرح سید علی ہمدانی حکمرانوں کو ہمیشہ انصاف اور نرمی سے حکومت کرنے کی نصیحت کرتے تھے، ان کی رائے میں ایک انصاف پسند حکمراں قیامت کے دن خدا کے قریب تر ہوگا، اور ظالم حکمران کو سخت سے سخت سزائیں ملینگی،[۳]

---

[۱] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۹ - ۱۵۰، ہفت اقلیم از رازی ورق ۱۵۷ الف رشی مسلمان تھے، لیکن جادو ناتھ سرکار نے جاریٹ Jarrett (آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳) کی غلطی درست نہیں کی جس نے ان کو برہمن کہا ہے (دیکھو تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۹ اور حاشیہ) [۲] نور نامہ از نصیب الدین ورق ۱۹۲ الف

[۳] ذخیرۃ الملوک از علی ہمدانی ورق ۶۵ ب، ۶۷ ب

صوفیہ معاشرتی مصلح بھی تھے، چنانچہ سید محمد ہمدانی کے زیر اثر سلطان سکندر نے ہر قسم کی منشیات بند کیں، اور دوسری رسموں کو ممنوع قرار دیا، مخدوم حمزہ لوگوں کی نیکو کاری کی زندگی بسر کرنے، مذہبی ٹیکس ادا کرنے اور علم حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے[1]، ایک بار وہ ایک شرابی سے اتنا خفا ہوئے کہ انھوں نے اس کے سر پر ڈنڈے سے مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا[2]۔

تصوف کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کا ایک رجعت پسندانہ پہلو بھی تھا، اس میں عالم بالا پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اس کی وجہ سے تسلیم و رضا اور رزار بندی کے فلسفہ کو فروغ ہوا جس کے خاص نمائندے کشمیر کے رشی تھے، اس کے علاوہ غیر اسلامی رسوم اور خیالات کے شامل ہو جانے کی وجہ سے اس کی شکل ہی مسخ ہو گئی زیارت گاہیں اور خانقاہیں جو ملک بھر میں موجود تھیں توہمات اور باطل پرستی کا مرکز بن گئیں ضعیف الاعتقاد عوام پیروں کی مدد طلب کرنے آتے، لیکن رفتہ رفتہ ان کی پرستش بھی ہونے لگی، پیر کی پرستش کشمیریوں کی زندگی میں داخل ہے، اور آج بھی پیرزادے ان کے مرید عوام سے ہر قسم کے بیجا فوائد اٹھا رہے ہیں۔

تاجر، دوکاندار، چھوٹے سرکاری ملازمین اور صناع

کشمیر کی اندرونی اور بیرونی تجارت سے امیروں کا ایک ایسا طبقہ معرض وجود میں آیا، جس کا معاشرتی مرتبہ یوں تو دکان داروں اور چھوٹے سرکاری ملازموں کے برابر تھا، لیکن اپنی دولت کی وجہ سے وہ سلاطین اور امرا کے مقرب ہو گئے

---

[1] حالیۃ العارفین از اسحٰق ورق ۱۲ الف، [2] ایضاً ورق ۲ ب

تھے، اور کبھی کبھی ملک کے امور میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، چنانچہ تنری بھٹ اور رٹا تاجر تھے، لیکن سلطان سکندر ان کی بہت عزت کرتا تھا، مرزا حیدر دوغلت کا سفیر خواجہ حاجی بھی ایک تاجر تھا، اس نے اپنے زمانہ کی سیاست میں بہت اہم کام کیے، حسین شاہ چک کے عہد میں فتح خواجہ بقال وزیر اعظم بنا، اور اس کو خان زمان کا خطاب ملا، اس کے لڑکے کو بھی کچھ عرصہ تک سلطان کا اعتماد حاصل رہا، دولت مند تجار سری نگر میں جہلم کے کنارے اور بارہ مولہ میں اپنے خوبصورت مکانوں میں رہتے تھے،[2] دکاندار چھوٹے سرکاری ملازمین اور صناع شہر کے گنجان علاقوں میں رہتے تھے

عوام

عوام میں کسان، دستکار، ملاح، قصاب، باغبان اور چھوٹے کام کرنے والے لوگ شامل تھے، یہ سب کے سب ہندو نژاد تھے، جو زین العابدین کے عہد تک آتے آتے مسلمان ہو گئے تھے، اس لیے تبدیلی مذہب کے باوجود ان کے ساتھ ذات پات کی کچھ خصوصیات چمٹی رہ گئی تھیں، ان کے اندر ذات پات کے رسوم اور کام باقی رہے، اور مختلف طبقوں میں شادی بیاہ بہت کم ہوا کرتا ہے سب سے نچلے درجہ پر چنڈال، ڈوم اور چمار تھے، چنڈال چوکیداری کے علاوہ چھوٹے موٹے مثلاً پھانسی پائے اور جنگ میں کام آئے ہوئے آدمیوں کی لاشوں کو

---

[1] یون راج رمبھی (ڈیش) نمبر ۲۰،

[2] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۴،

اٹھانے کا کام بھی کرتے تھے[۱] وہ کاشتکاری بھی کرتے، لیکن غربت کی وجہ سے کبھی کبھی چوری بھی کرتے تھے،[۲] ڈوم بہت غریب تھے، چوری کرتے، اور اخلاقی طور پر گرے ہوئے تھے، بہرحال وہ اچھے سپاہی ہوتے تھے، اور ان کو فوج میں بھرتی کیا جاتا،[۳] جو کشمیر میں سلاطین کے عہد میں آئے تھے، مردہ جانوروں کی کھال اتارتے تھے،[۴] وادی کے چرواہے چوپان کہلاتے، اور ان کا الگ گروہ تھا،[۵] لیکن وہ گلوانوں (Glowans) میں شادی بیاہ کرتے تھے،[۶] عہد وسطیٰ کے اسلام میں معاشرتی اور سیاسی زندگی میں غلامی کو خاص اہمیت حاصل تھی. لیکن یہ رسم کشمیر میں بڑے پیمانہ پر نہیں پائی جاتی تھی، یہ حقیقت ہے کہ کچھ سلاطین کے پاس غلام تھے، جن میں سے بعض نے حکومت کے بڑے اونچے مراتب حاصل کئے، لیکن تاریخوں میں اس کا ثبوت نہیں کہ تاجر اور امراء بھی غلام رکھتے تھے، کشمیری رسم غلامی سے واقعۃً نفرت کرتے تھے،[۷]

عورتوں کی حیثیت

کشمیر میں عورتوں کی حیثیت بجنسہٖ ایران، ترکستان اور ہندوستان کی عورتوں کی سی تھی، اونچے طبقہ کی عورتیں پردہ نشین تھیں، لیکن گاؤں اور شہر دونوں

---

۱ شری ور ص ۱۹۲، ۲۷۴ ۲ ایضاً ص ۱۰۱ ۳ یون راج ۹۵ شری ور ص ۲۸۴، ۳۱۲ ۴ Word of Lalla از ٹمپل ص ۸-۲۰۷

۵ حیدر ملک ورق ۱۵۳ ب ۶ Valley از لارنس ص ۳۱۲

۷ حیدر ملک ورق ۱۱۰ الف، راجاؤں کے عہد میں لباس کے لیے دیکھو،
Ray: Early History and Culture of Kashmir ص ۱۰-۲۰۸

میں نچلے طبقہ کی عورتیں اپنے گھر کی چار دیواری میں رہنے کی عشرت سے محروم تھیں، اور نقاب کے بغیر آزادی سے گھومتی پھرتیں، گھر کے باہر کام کرتیں، کھیتوں، باغوں اور دریاؤں میں اپنے شوہروں کے ہاتھ بٹاتیں۔

متمول گھرانوں کی عورتوں میں تعلیم عام تھی، وہ بہت مہذب ہوتیں، وہ اسکول کھولتیں، خانقاہ اور مساجد بنواتیں، اور امور مملکت میں حصہ لیتیں جیسا سورہ، حیات خاتون، گل خاتون، اور رحبہ خاتون کی زندگی کے کارناموں سے ظاہر ہے، نچلے طبقہ کی عورتیں جاہل تھیں، کیونکہ ان کے پاس نہ تو اسکول جانے کا وقت تھا، اور نہ ذاتی معلموں سے پڑھنے کے ذرائع تھے، لیکن یوسف شاہ کی ملکہ حبہ خاتون کی زندگی ظاہر کرتی ہے کہ کسانوں کی لڑکیوں کو بھی جو حصول علم کا شوق رکھتیں، مواقع کی کمی نہیں تھی، اور وہ ان سے فائدہ اٹھاتی تھیں۔

جیسا کہ آج بھی رواج ہے، شادیاں والدین کی پسند سے ہوتی تھیں، کثرت ازدواج کا عام رواج تھا، لیکن عام طور پر گھروں میں داشتہ عورتوں کے رکھنے کا دستور نہ تھا، اگرچہ زنان بازاری سے تعلق رکھنے کا عام رواج تھا، لیکن حیدر شاہ اور حسن شاہ کو چھوڑ کر، جو عورتوں کی صحبت کے گرویدہ تھے، بقیہ تمام سلاطین زیادہ تر اچھے اخلاق کی زندگی بسر کرتے، اور شرعی حدود کے اندر چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھتے، سلاطین کے دربار جنسی آلودگیوں اور عیاشی سے پاک تھے، یہ باتیں آخری ہندو راجاؤں کے عہد کی خاص خصوصیات میں شامل تھیں،

لباس

اونچے طبقہ کا لباس وہی تھا، جو عرب، ایران، اور ترکستان کے دولت مند

لوگوں کا تھا، شاید سلطان قطب الدین[1] کے دورِ حکومت میں سید علی ہمدانی نے نے اس لباس کو رائج کیا، اور سلطان سکندر کے زمانہ تک تو برہمنوں نے بھی اس کا استعمال شروع کر دیا تھا[2] جسم کا نچلا حصہ ایرانی طرز کے چوڑے پاجامے (سراول) سے ڈھانپا جاتا، اوپر کے حصہ پر پوری آستین کی قمیص ہوتی[3]، اور قمیص کے اوپر چھوٹی سی صدری ہوتی، اوپر کے کپڑے کو جبہ کہتے جو کہ ٹخنوں تک لٹکتا رہتا[4] جبہ میں لمبی اور ڈھیلی آستین ہوتی، اور کمر کے گرد کمر بند (پٹکا) ہوتا[5]، سر پر جیت ٹوپی ہوتی جس پر کپڑا لگا ہوتا، جو عمامہ کا کام کرتا[6]، قاضی اور علماء سیاہ رنگ کا عمامہ پہنتے[7] تقریبوں میں ریشمی لباس پہنے جاتے[8]، اور سلاطین اپنے درباریوں کو ریشمی کپڑوں کے خلعت دیتے تھے[9]، سلاطین اور امراء زیور بھی پہنتے تھے[10]

بیرونی اثرات کے باوجود نچلے طبقہ کا جو لباس ہے، اوس میں ازمنۂ وسطیٰ سے تبدیلی نہیں پیدا ہوئی ہے، مرد منڈے ہوئے سر پر جیت ٹوپی پہنتے، وہ

۱؎ دیکھو ص ۶۲ کتاب ہذا، ۲؎ یون راج ص ۶۷

۳؎ نصیب ورق ۲۳۴ الف، اسی ورق پر چمڑے کے کرتے کا بھی ذکر ہے،

۴؎ بہارستان شاہی ورق ۱۴۲ ب، ۱۳۹ ب پر "قبا"، درج ہے،

۵؎ سُری ور ص ۲۶۵ ، ۶؎ ایضاً ۲۱۴، ۲۴۵، ۲۶۵

۷؎ تحفۃ الاحباب ص ۹۰

۸؎ سُری ور ص ۲۰۷

۹؎ سُری ور ص ۲۳۴ ، ۱۰؎ ایضاً ۲۰۷، ۲۱۴، ۳۳۰

جانگھیا نہیں پہنتے، بلکہ ایک لمبا ڈھیلا ڈھالا اونی کرتا پہنتے[1] جس کو پھرن کہتے، یہ فارسی لفظ پیراہن کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، یہ گردن سے کمر تک کھلا اور ٹخنوں تک لٹکتا رہتا، اور کمر کے گرد پٹی کسی ہوتی[2] جوتے گھاس کے بنائے جاتے[3] عورتوں کا لباس بھی وہی تھا، اس کے علاوہ سر بند بھی استعمال کرتیں، اور اس کے اوپر ایک سیاہ ڈوپٹہ ہوتا جو سر سے کندھے اور پیر دن تک چلا جاتا، مسلمان عورتوں کے سر کے لباس کو "کسابا"، اور ہندو عورتوں کے سر کے لباس کو "ترنگا" کہتے، جو ایک ٹوپی سے بندھا اور پیچھے سے ایڑی تک آتا ہے[4] آب وہوا سرد ہونے کی وجہ سے وادی میں کشمیری لوگ بہت طویل وقفوں پر غسل کرتے، اور مفلسی کی وجہ سے ان کے پاس ایک سے زیادہ جبہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے اس کو پھٹنے تک پہنے رہتے، اور تار تار ہو جانے کے بعد بدلتے[5]

غذا (کھانے اور مشروبات)

آج کل کی طرح اس وقت بھی چاول کشمیریوں کی خاص غذا تھی، جب دھان کی فصل خراب ہوتی، تو ملک میں قحط پڑ جاتا، چاول پکانے کے کئی طریقے تھے، عام طور سے چاول ابال کر کھایا جاتا تھا، اور کچھ لوگ صبح کو باسی چاول کھانا پسند

---

[1] تزکِ جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸، پھرن خراسان سے آیا ہو گا جبہ سے نکلا ہو گا، دیکھو Dozy, Dictionnaire de Noms des vetement chez Les Arabes جلد دوم یا یہ ایرانی قمیص کی نقل ہو جو گردن سے ناف تک کھلا ہوتا،

[2] Voyages du chevalier Chardin en Perse) جلد سوم ص ۱۱۷-(۱۱ [3] نصیب ورق ۲۳۲ الف، [4] دیکھو Remonstrantie ، Pelsaert ص ۳۵ [5] کشمیری

کرتے تھے[۲۰] ایرانی اثرات کے تحت مختلف قسم کے پلاؤ مثلاً زرد پلاؤ، ترش پلاؤ اور شلا پلاؤ پکتا تھا[۲۱] غریبوں یا دنیا سے کنارہ کش لوگوں کے لیے جو کا سادہ مناسب سمجھا جاتا[۲۲] گوشت، مچھلی انڈے، اور سبزیاں قدیم زمانہ سے کشمیری کھانوں کا خاص جزو رہی ہیں[۲۳] اور مسلمانوں کے عہد میں، ان کی اہمیت قائم رہی اسلام سے پہلے سور کا گوشت ہندوؤں میں عام طور سے کھایا جاتا تھا[۲۴] لیکن یہ نہیں معلوم کہ سلاطین کے عہد میں بھی کھایا جاتا تھا کہ نہیں، مرغ، بھیڑ، بکری، اور مختلف چڑیوں کے گوشت عام طور سے کھائے جاتے تھے[۲۵] گھوڑے کا گوشت بھی رغبت سے کھایا جاتا[۲۶] گائے کا گوشت کھانے کا رواج مسلمانوں کی حکومت کے بعد شروع ہوا[۲۷] پھر بھی سلطان حسن شاہ کے زمانہ تک بہت سے مسلمان گائے کا گوشت نہیں کھاتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ گائے کا گوشت مقبول ہوتا گیا، یہاں تک کہ کچھ ہندو بھی کھانے لگے تھے[۲۸] سری نگر میں گائے کے گوشت کا ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۸) عورتوں کے لباس کے لیے۔ [۲۰] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۸۱،

ہفت اقلیم از رازی ورق ۷۵ الف۔ [۲۱] ایضاً آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳،

[۲۲] تحفۃ الاحباب ص ۱۰۹، ۱۳۱، اسرار الابرار اردو، ڈوشکواتی ورق ۳۸ ب [۲۳] آئین اکبری ج ۲

ص ۳۵۴، تمری ورق ص ۲۶۴، [۲۴] تمری ورق ص ۲۶۷، مزید دیکھیو اسٹین ج ۸ نمبر ۱۸۷۴، اور حاشیہ

[۲۵] مارکوپولو از یول (Yule) ج ۱ ص ۱۶۶، اسٹین ج ۸ نمبر ۱۸۷۷، آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۴

ابو دلاف مسعر جو کہ بخارا کے خاندان سامانی کے دربار سے منسلک تھا، اور دسویں صدی کے آخر میں کشمیر آیا تھا، رقم طراز ہے، کہ کشمیری گیہوں اور مچھلی کھاتے تھے لیکن انڈا نہیں کھاتے تھے، اور وہ جانوروں کی گردن نہیں کاٹتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ ص ۳۶۱ پر)

خاص بازار تھا[۱]، سبزیاں سکھلا کر محفوظ کر لی جاتی تھیں، کشمیریوں کا ایک خاص کھانا مرغ کا گوشت اور بیگن ملا کر پکایا تھا[۲]، گوشت کو مختلف دالوں میں ملا کر پکایا جاتا، اور کشمش اور منقی کا شوربہ بھی تیار کیا جاتا، زعفران اور دوسرے مسالے کشمیری کھانے کا خاص جزو ہوتے تھے[۳]۔

پھل اس کثرت سے ہوتے تھے کہ انہیں خریدنے یا فروخت کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی، باغ کے مالک یا وہ لوگ جن کے پاس باغ نہ ہوتے، دونوں کی حیثیت برابر تھی، کیونکہ باغوں کے گرد دیواریں نہیں ہوتی تھیں، ہر شخص کو پھل توڑنے کی اجازت تھی[۴]۔ پھلوں میں ناشپاتی، شاہ دانہ، آلوچہ، خوبانی، انگور، سیب اور شفتالو خاص طور سے کھائے جاتے تھے، شہتوت ریشم کے لیے لگایا جاتا تھا، اس لیے اس کا پھل کھایا نہیں جاتا تھا[۵]، کچھ پھل جو دوا کے کام آتے مثلاً منقی وغیرہ وہ سکھا کر رکھ لیے جاتے[۶]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۹) G. Ferrand ii Relations de voyages ص ۸۹

[۱] اسٹین ج، نمبر ۱۱۴۹ [۲] یہ کھانے کشمیر میں اسلام سے پہلے بھی مقبول تھے (دیکھو Proceedings of Indian Historical congress سنہ ۱۹۴۶، ص ۱۳۷)

[۳] تذکرۃ ملا علی رینا ورق ۲۴۳ الف، حلیۃ العارفین از اسحٰق ورق ۶۵ - ۶۶ الف،

[۴] تحفۃ الاحباب ص ۲۴۱، ۲۴۶ [۵] شری ور ص ۲۳۵،

[۶] شری ور ص ۲۳، [۲] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۷،

[۳] شری ور ص ۱۴۰ [۴] تاریخ رشیدی ص ۴۲۵، فرشتہ ج ۲ ص ۳۴۰ [۵] ایضاً، [۶] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳،

شراب نوشی عام طور پر مقبول تھی، لیکن جو مذہبی ہوتے اُس کو برا مانتے تھے، چونکہ ہندو دھرم میں تقریبات میں شراب نوشی کی اجازت ہے[1] اس لیے ہندو تہواروں کے موقع پر عام آدمی اور برہمن دونوں شراب پی کر بدمست ہو جاتے[2]، ان تہواروں میں جو مسلمان شریک ہوتے وہ بھی شراب پیتے، زیادہ تر سلاطین اور ان کے امرا بھی شراب پیتے تھے[3]، زین العابدین اعتدال کے ساتھ پیتا تھا، لیکن حیدر شاہ بلانوش تھا، اور یہی وجہ تھی، کہ امور مملکت سے غافل رہتا، حسن شاہ اپنے محل یا دریائے جہلم پر کشتیوں پر شراب کی دعوت دیا کرتا تھا، اور ان موقعوں پر خوب پیتا تھا[4]، شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور چیزیں مثلاً بھانگ اور افیون بھی عام طور پر استعمال ہوتی تھیں[5] اس کے علاوہ چھاچھ اور دوسرے شربت بھی پیئے جاتے تھے، راجاؤں کے عہد میں پان عام طور سے استعمال ہوتا تھا، لیکن مسلمانوں کے عہد کی تاریخوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا،

تفریحات

گھر کے اندر کھیلوں میں چوسر اور شطرنج خاص طور سے پسند کیے جاتے

---

[1] نیلمت نمبر ۵۳ - ۵۰۴ جس کا اقتباس رائے نے Early History and culture of Kashmir ص ۲۰۸ پر دیا ہے

[2] شری ور ص ۱۲۴، ۱۲۲ [3] ایک بار زین العابدین کے ایک درباری میر شاہ نے شراب پی اور اپنی بیوی کو مار ڈالا دیون راج ص ۸۰

[4] شری ور ص ۲۳۲ - ۲۴۵

[5] حاشیۃ العارفین از اسحٰق ورق ۲ ب

تھے،[1] میدان کے کھیلوں میں چوگان جو شاید لداخ سے کشمیر میں لایا گیا تھا، سلاطین اور امراء کا مرغوب کھیل تھا، سلطان علی شاہ اس کو بہت پسند کرتا تھا، اور چوگان[2] کھیلنے ہی میں اس کی جان گئی تھی، اونچے طبقہ میں شکار بھی کافی محبوب مشغلہ تھا،[3] سلطان شہاب الدین کو شیر کا شکار پسند تھا، اور ایک بار تو شیر کو تلوار سے مارنے کی کوشش میں اس کی جان بال بال بچی،[4] بارہ سنگھا، تیتر، ہرن اور چیتے کا بھی شکار ہوتا تھا،[5] شکرے (باز) سے شکار کھیلنے کا فن ایران سے آیا تھا،[6] کشمیریوں کو اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ایسے مناظر دیکھنے میں بڑا لطف آتا، جبکہ باز جنگلی مرغ کا شکار کرتے یا دوسرے پرندوں پر جھپٹتے، اور شکار کے ساتھ واپس آتے،[7] ان کے علاوہ دوسرے کھیل مثلاً تیر اندازی، شمشیر زنی اور نیزہ بازی بھی مقبول تھے،

عام لوگ ہاکی کھیلتے تھے،[8] ایک تفریحی مشغلہ یہ بھی تھا کہ جمعہ کے دن سری نگر کے ایک علاقہ کے کچھ نوجوان جمع ہوتے، اور دوسرے علاقہ کے جوانوں کو چیلنج کرتے، اس کے بعد وقت اور مقام کا تعین ہوتا، دونوں جماعتیں ڈنڈے

---

[1] شک ص ۳۳۸ [2] یون راج ص ۴۵، شری ور ص ۲۶۰ [3] یون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۱۵ وغیرہ، یون راج نے "سنگھ" کا لفظ استعمال کیا جس کے معنی شیر ہوتے ہیں، لیکن وہ مقام کھرگ معلوم نہ کرسکا، جہاں شہاب الدین شکار کھیلتا تھا، یہ مقام یقیناً کشمیر کی بیرونی پہاڑیوں کے دامن میں جنگلوں میں ہوگا، [4] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۴

[5] اس کا مقابلہ Life and condition of The People of Hindustan از اشرف ۱۰۵-۲۸۹ سلاطین دہلی کے شکار کے احوال سے ہو سکتا ہے۔ [6] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۴، شری ور ص ۲۶۳، [7] Ward of Dalla از مٹیل ص ۲۰۸

اور فلاخن لے کر آجاتیں، پھر گھمسان کی لڑائی ہوتی جس میں نوجوانوں کے سر پھوٹتے، اعضا زخمی ہوتے اور موت بھی ہو جاتی۔[۱]

کشمیری نٹ اور شعبدہ باز اپنے کرتب میں بڑے ماہر ہوتے تھے، اور لوگوں کو اپنے مظاہروں سے خوش کرتے۔[۲] زین العابدین کے عہد سے آتش بازی لوگوں کی تفریح کا سامان بن گئی تھی، اگرچہ شرعاً موسیقی ممنوع تھی، لیکن نشاط اور تفریح کا سامان فراہم کرنے کی وجہ سے کشمیریوں میں بہت مقبول تھی، سلطان زین العابدین جہلم میں کشتیوں پر موسیقی کی محفلیں منعقد کراتا، ایسی ہی محفلوں میں اس کے کچھ جانشین اپنے دوستوں کے ساتھ ضیافتیں بھی کرتے، جن میں خم کے خم شراب لنڈھائی جاتی، اور رباب بر نشاط کے رقص و سرود بھی ہوتے

مکانات

مکانات اسی نمونہ کے بنتے تھے، جس نمونہ کے آج کل شہروں اور گاؤں میں بنتے ہیں، لکڑی کی کثرت اور مستقل زلزلوں کی وجہ سے پتھر اور اینٹوں کے مکانات نہیں بنائے جاتے تھے۔[۳] مکانوں کی دو یا چار اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ منزلیں ہوتیں۔[۴] مکان لکڑی کے تختوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر مربع[۵] صورت میں بنائے جاتے اور ان کے اندر کے شگافوں میں مٹی بھر دی جاتی،[۶]

---

[۱] Knowles از A Dictionary of Kashmiri Proverbs and Sayings ص

[۲] شری ور ص ۱۵۲ امرید از Marco Polo از Yule ج ۱ ص ۱۷۷ حاشیہ ۲

[۳] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲ [۴] ایضاً، [۵] Remonstrantie از ص ۳۴

De Fillippi از Travels of Desideri کے علاوہ Pelsaert ص ۳۵۱

جنگلوں کے قریب دیواریں پورے پورے لٹھوں سے بنائی جاتیں[1]، مکانوں کی چھتیں نوک دار ہوتیں، تاکہ برف ان پر رک نہ سکے، ان میں لکڑی کے تختوں کو رسی سے باندھ دیا جاتا، اور ان پر مٹی کی ایک تہ جمادی جاتی جس پر سفید، بنفشی رنگ کے سوسن اور لالہ کے پودے بوئے جاتے[2]، ان سے موسم بہار میں نہایت ہی خوشنما منظر پیدا ہو جاتا، جھیل کے کنارے آباد گاؤں میں گھروں کے چھپر دھان کے پیال یا نرکل سے بنائے جاتے تھے[3]، مکانوں میں کھڑکی کے بجائے چھوٹے چھوٹے خوبصورت روشن دان ہوتے تھے[4]، نچلی منزل میں مویشی باندھے جاتے اور دوسری منزل میں خاندان کے افراد رہتے تھے، دوسری منزلوں میں گھر کے سامان رکھے جاتے،

چھتوں کے نیچے خالی جگہوں میں لکڑی اور گھاس رکھی جاتی[5]، کچھ مکانوں میں تہ خانے بھی ہوتے[6]، دولت مندوں کے مکانات جہلم کے کنارے واقع تھے، اور ان کے ساتھ خوبصورت باغ بھی ہوتے تھے[7]،

ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی تعلقات

کشمیر کی سرزمین پر صوفیوں اور سیاحوں نے جب قدم رکھا تو ان کا دوستانہ

---

[1] لارنس ص ۵۰-۲۴۹،

[2] Travels of Desideri از De Fillippi ص ۱۳۵، اس کا مقابلہ لارنس ص ۵۰-۲۴۹ سے بھی ہو سکتا ہے، [3] ایضاً، [4] Remonstrantie از Palsaert، [5] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲، [6] بہارستان شاہی ورق ۱۲۴ الف، [7] Travels از برنیر ص ۸-۳۹۷، تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۳۴،

خیر مقدم ہوا، سپاہیوں کو تو راجاؤں نے اپنی فوج میں ملازم رکھ لیا، اور صوفیہ کو اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی پوری آزادی دیدی گئی، اسلام جب بہت تیزی سے فروغ پانے لگا، تو برہمنوں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا، کیونکہ اسلام کے فروغ سے انھوں نے اپنے روایتی اقدار کو منتشر ہوتے دیکھا، اور ہندو سماج کے بنیادی اصولوں کے لیے خطرہ محسوس کیا[1]، بہرحال آہستہ آہستہ مخالفت کی ناکامی دیکھ کر انھوں نے مجبوراً خیر سگالی اور رواداری کا رویہ اختیار کر لیا، ان احساسات کا مسلمانوں نے بھی ان ہی جذبات سے جواب دیا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف حسن شاہ کے دور حکومت میں ایک فرقہ وارانہ فساد کے علاوہ سلطنت کی پوری تاریخ میں ہندو مسلمان امن و سکون اور دوستانہ طریقہ پر رہتے تھے، ہندو مسلمان میں شادی عام طور پر ہوتی تھی، مسلمان ہندو عورت سے شادی کرتے، تو نہ صرف ان عورتوں کے نام باقی رہتے، بلکہ وہ اپنے دھرم پر بھی قائم رہتیں[2]، ہندو مسلمان ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں جاتے اور تہواروں میں شریک ہوتے، ہندو صوفیہ کی عزت و تکریم کرتے، اور مسلمان سادھوؤں کو عزت کی نظر سے دیکھتے، صوفیہ ہندو جوگیوں سے مل کر مذاکرہ بھی کرتے[3]، للہ دید اور نور الدین رشی کے عارفانہ گیت

---

[1] دیکھو ص ۲۳۸ کتاب ہذا [2] سلاطین کی ہندو ملکہ اپنے نام تبدیل نہیں کرتی تھیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے دھرم پر برقرار رہتی تھیں، ہندو اور مسلمانوں میں رجوری، لداخ اور بلتستان میں بھی شادی بیاہ ہوتے تھے، (دیکھو تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۸۱ اور انڈین انٹی کواری ج ۷ ص ۱۸۸) [3] صوفیہ کی سوانح ایسے مذاکروں کے حوالوں سے بھری ہیں

ہندو اور مسلمان دونوں کے قلوب کو یکساں طور پر گرماتے تھے،

اسلام کا فروغ

اشوک کے دور حکومت سے لیکر خاندان کشن کے خاتمہ تک کشمیر میں بدھ مت کو کافی فروغ رہا، لیکن خاندان گونندہ کے بر سر اقتدار آتے ہی اس کا انحطاط شروع ہو گیا، اور جب ۳۳-۶۳۱ء میں ہوان سانگ وادی میں سیاحت کے لیے آیا، تو بدھ مت کی مقبولیت کافی گھٹ چکی تھی،[1] لیکن اس کے باوجود بدھ مت ہندو دھرم کے ساتھ ساتھ امن وسکون کے ساتھ چلتا رہا، اور ہندو راجہ شیو اور وشنو کے مندروں پر وقف کرتے اور ساتھ ہی اتنے ہی جوش وخروش کے ساتھ بودھوں کے اسٹوپوں اور وہیاروں کی بھی تعمیر کرتے رہے،[2] شاید اسی وجہ سے جب اوکانگ اٹھویں صدی کے وسط میں (۶۳-۷۵۹ء) کشمیر میں سیاحت کی غرض سے آیا تو اس کو بدھ مت ترقی پذیر نظر آیا،[3] حالانکہ شیو کی پوجا اس کی جگہ تیزی سے ہو رہی تھی جس کو وادی کے ہندوؤں میں اولیت حاصل تھی،[4] اس لیے اسلام کو ابتدائی زمانہ سے بدھ مت سے نہیں بلکہ شیو کے ماننے والوں سے مقابلہ کرنا پڑا،

مسلمان تاجر اور سیاحی کشمیر میں بہت پہلے سے آنے لگے تھے، کلہن نے لکھا ہے کہ للتادتیہ کے لڑکے اور جانشین وجرادتیہ نے بہت سے آدمی ملیچھوں کے

---

[1] اسٹین ج ا دیباچہ ص ۷۸ [2] ایضاً ص ۹

[3] ایضاً ج ۲ ص ۳۵۸،

[4] ایضاً ج ا دیباچہ ص ۸

ہاتھ فروخت کیے اور ملک میں ایسے کام کیے، جن سے ملچھوں کو فائدہ پہنچا۔[1] بعد میں ہرش نے ترکی سپاہی ملازم رکھے اور مسلمانوں کے لباس اور زیورات اختیار کیے۔[2] بھکشاچر (۱۱۲۰-۲۱ء) کے عہد میں مسلمان سپاہی دوبارہ ملازم رکھے گئے، اور لوہر میں سسل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گئے۔[3] وینس کے سیاح مارکو پولو کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ تیرہویں صدی کے آخر میں کشمیر میں مسلمانوں کی باقاعدہ ایک نوآبادی موجود تھی، کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ وادی کے لوگ جانور نہیں مارتے تھے، لیکن اگر خود گوشت کھانا چاہتے تو وہاں کے مسلمان ان کے لیے جانور ذبح کر دیتے تھے۔[4] یہ مسلمان یا تو ترکستان کے مہاجر ہوں گے، یا وہ ہندو ہوں گے جنھیں ہندوستان اور وسط ایشیا کے مبلغوں نے مشرف بہ اسلام کر لیا ہو گا۔

صوفیہ کی طرح تبلیغی کارکن تاجروں اور سپاہیوں کے بعد آئے، اور وادی میں اسلام کے پھیلانے کا سہرا ان ہی کے سر ہے، لیکن بدقسمتی سے تاریخوں میں ان کی سرگرمیوں پر کچھ لکھا نہیں گیا ہے۔ پہلے صوفی بزرگ جن کے کشمیر میں داخل ہونے کی سند ملتی ہے بلبل شاہ تھے، جو رینچن کو مشرف باسلام کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حکمران کی تبدیلی مذہب کافی اہم ثابت ہوئی، کیونکہ اس سے اسلام

---

[1] اسٹین ج ۴ نمبر ۷، ۳۹

[2] ایضاً ج، نمبر ۱۱۴۹، ایضاً ج ا دیباچہ ص ۱۱۲

[3] ایضاً ج ۸ نمبر ۲، ۸۸۵

[4] Marco Polo از Yule ج ا ص ۱۶۶-۱۶۷

کا دبدبہ بڑھا اور نئے مذہب کو کچھ امرار نے بھی قبول کیا، اور روایت ہے کہ دس ہزار باشندے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، بلبل شاہ کے بعد دوسرے صوفیہ تشریف لائے، لیکن ان میں سب سے اہم سید علی ہمدانی تھے، جنھوں نے اپنے علم، بزرگی اور عبادت گذاری سے، ۳ ہزار افراد کو مشرف باسلام کیا[1] ان کا کام ان کے مریدوں اور ان کے بیٹے محمد ہمدانی اور نورالدین رشی اور ان کے چیلوں نے آگے بڑھایا، اس سلسلہ میں بعد میں شمس الدین، حمزہ مخدوم، داؤد خاکی اور سید جمال الدین بخاری نے بہت اہم کارنامے انجام دیئے، اسٹین رقم طراز ہے، کہ چودھویں صدی کے آخر تک کشمیر کی معتد بہ آبادی مسلمان ہو چکی تھی[2]، تاریخوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نورالدین رشی کے زمانہ میں بھی مسلمان اقلیت میں تھے[3] حقیقت تو یہ ہے کہ پندرھویں صدی کے آخر میں وادی کے باشندوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی تھی،

کشمیر کے حکمراں اگرچہ صوفیہ کی تنظیم و تکریم کرتے اور ان کے لیئے مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کراتے، لیکن ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے الگ رہے، حقیقت میں صوفیہ نے خود حکومت کا تعاون بہت کم طلب کیا، اسی وجہ سے ان کے حالاتِ زندگی اور کارناموں میں سلاطین کا ذکر خال خال آیا ہے،

---

[1] بلبل شاہ از سعادت ص ۷، ۲۳،

[2] اسٹین ج ۱ دیباچہ ص ۱۳۰

[3] نصیب ورق ۲۰۵ الف

صرف سکندر ہی ایسا سلطان تھا جس نے ہندوؤں کو مسلمان کرنے میں دلچسپی لی، لیکن اس کے کارناموں پر زین العابدین نے پانی پھیر دیا، اس کے باپ نے جن مندروں کو منہدم کر دیا تھا، اس نے ان کو دوبارہ بنانے کی اجازت دیدی، وہ برہمن جو ہندوستان بھاگ گئے تھے، انھیں واپس بلا لیا، اور جو لوگ زبردستی مسلمان بنا لیے گئے تھے ان کو انکے پرانے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت دے دی، زین العابدین کے جانشینوں نے اس رواداری کو جاری رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو دھرم نے نہ صرف اپنا بہت کچھ کھویا ہوا مقام حاصل کرلیا بلکہ تشدد کی طرف بھی مائل ہونے لگا، اس سے مسلمانوں کے ایک حلقہ میں ردعمل ہوا، جو اپنے ہم مذہبوں کے ہندو ہو جانے اور غیر اسلامی رسموں کو قبول کرنے کی وجہ سے سخت ناراض ہوئے، اس ردعمل کے سربراہ میر شمس الدین تھے، جنھوں نے وادی میں نوربخشیہ فرقہ کی بنیاد ڈالی تھی، لیکن سلطان محمد شاہ اور اس کے وزیر سید محمد[۱] دونوں ہی ان کے ہم خیال نہ تھے، اور جب بھی وہ اور ان کے مرید ہندوؤں کو تنگ کرتے تو وہ ہندوؤں کی پشت پناہی کرتے، سید محمد کی مستقل مخالفت سے تنگ آکر میر شمس الدین بلتستان چلے گئے[۲]، لیکن سید محمد کے زوال کے بعد جب موسیٰ رینا وزیر اعظم بنا تو میر شمس الدین وادی میں واپس چلے آئے، لیکن محمد شاہ کی طرح فتح شاہ بھی جو اب سلطان تھا، ان کے طریقۂ کار کو ناپسند کرتا تھا، ایک بار جب کوہ ماران پر ہندو جشن بہار منا رہے تھے،

---

[۱] تحفۃ الاحباب ص ۱۵۶، ۱۸۷، صوفیہ کے حالات میں مسلمانوں کے غیر اسلامی رسوم مان لینے کا بار بار ذکر آیا ہے۔ [۲] ایضاً ص ۳۳ [۳] ایضاً ص ۳۲۲ وغیرہ،

میر شمس الدین اپنے ہمراہیوں کو لے کر وہاں پہنچے اور جشن کو اس بنا پر روک دیا کہ مسلمان بھی مذہبی رسوم میں شریک تھے، عورت مرد آزادانہ شراب پی رہے تھے، اور غیر اخلاقی حرکتیں کر رہے تھے، دوسرے دن جب ہندوؤں نے فتح شاہ سے میر شمس الدین کے برتاؤ کی شکایت کی تو وہ اس قدر برہم ہوا کہ ان کو قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن اس کے مشیروں نے ایسا کرنے سے روک دیا[1] فتح شاہ کی رواداری کے باوجود میر شمس الدین موسیٰ رینا کی سرپرستی میں اپنا کام کرتے رہے، جس سے کبھی کبھی غیر مسلموں کے جذبات کو دھکا لگتا رہتا، بہرحال موسیٰ رینا کے زوال کے بعد سے لیکر سلطنت کے خاتمہ تک ہندو امن و سکون سے رہے اور ان کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہی،

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین کی حکومت زیادہ تر مذہبی معاملوں میں عدم مداخلت کے رویہ پر کاربند تھی، اور وادی میں اسلام کی کامیابی کا خاص سبب صوفیہ کی مساعی جمیلہ تھیں لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ صوفیہ کی کامیابی کے کچھ خاص اسباب تھے، کلہن کے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیر میں سماجی اور سیاسی انتشار گیارہویں صدی کے ابتداء ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن اس زمانہ میں مذہبی حلقوں میں بھی افراتفری پھیلی ہوئی تھی، ہندو دھرم میں ایک طرح کی علٰحدگی پسندی بھی پیدا ہو چلی تھی، بہت مندروں کے پجاری گویے تھے، اور شیومت جس کے وادی کے زیادہ تر باشندے پیرو تھے، توہمات اور رسموں کا گہوارہ بن کر رہ گیا تھا، اس سے عوام کی روحانی

---

[1] تحفۃ الاحباب ص ۶۰-۱۵۷،

تشنگی فرد نہیں ہونے پاتی تھی[1] اور نہ بدھ مت کے عقائد و عمل سے کوئی امید باقی رہ گئی تھی[2]، دوسری طرف صوفیہ کا لایا ہوا مذہب اسلام تھا جو ایک سادہ اور وحدانیت پرست مذہب تھا جس میں نہ رسم و رواج کے بندھن تھے، اور نہ ذات پات اور کسی خاص مذہبی گروہ کا غلبہ و اقتدار تھا، اس وجہ سے لوگ اس کی طرف تیزی سے مائل ہوئے، برہمن بدھ مت اور ہندو دھرم کے عقائد اور رسوم سے بدظن ہو کر مسلمان ہو گیا تھا، یہ بے اطمینانی اس روحانی بے چینی کی نشان دہی کرتی ہے، جو ملک میں بہت سے دماغوں پر طاری تھی، بعد میں للہ دید نے بت پرستی، توہم پرستی اور روحانیت کی کمی کے خلاف آواز اٹھائی، لیکن برہمنوں کی رجعت پسندی کے آگے اس کی ایک نہ چلی،

وادی میں اسلام کے فروغ کو ذات پات کے ڈھیلے پن سے بھی مدد ملی، ذات پات کی سختی ایک طرح کی جوڑنے والی طاقت ہوتی ہے، جو بیرونی خیالات کو اندر داخل ہونے سے روکنے میں مضبوط احجار کا کام کرتی ہے، لیکن کشمیر میں بودھوں کے زیر اثر ذات پات پر زور نہیں دیا جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو سماج میں مدافعت کی طاقت کم ہو گئی تھی، چنانچہ اسلام کو ہندوستان کے مقابلہ میں کشمیر میں زیادہ مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، کیونکہ ہندوستان میں ذات پات کا رواج سخت تھا، جو سماج میں بیرونی اثرات کے لیے روک کا کام کرتا تھا، یہ باتیں اس بات

---

[1] Land of Kalla از ٹیمپل ص ۹۴

[2] اسٹین ج ا دیباچہ ص ۹

کا ثبوت ہیں کہ کشمیر میں اسلام کی کامیابی برصغیر کے مقابلہ میں زیادہ تیز اور مکمل تھی۔[1]

اسلام کا اثر ہندوؤں پر

کشمیر میں اسلام کا اثر مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے بہت پہلے آٹھویں صدی کے وسط کے قریب ہونے لگا تھا، لیکن سلطنت کی تاسیس اور ایرانیوں اور ترکوں کی کافی تعداد میں آمد سے ہندو سماج میں بہت ہی اہم اور نمایاں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں، یون راج لکھتا ہے کہ جس طرح ہوا درختوں کو اکھاڑ[2] پھینکتی ہے، اور ٹڈیاں شالی کی فصل کو تباہ کر دیتی ہیں، اسی طرح یونیون نے کشمیر کے رسم و رواج کو برباد کر دیا ہے[3]،، اور "کشمیر کی مملکت کو ملچھوں نے ناپاک کر دیا ہے[4]،، اسی طرح تری در نے بھی پرانی رسموں کے ختم ہونے اور ان کی جگہ نئی رسموں کے آجانے کی شکایت کی ہے، اس نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کشمیری عوام پر آنے والی زیادہ تر آفتوں کا سبب رسم و رواج اور طور طریقوں میں تبدیلی ہے[5]، لیکن ان مذمت بھرے احتجاجوں کے باوجود ہندو سماج بیرونی افکار و رسم و رواج کو اپنائے بغیر رہ نہ سکا، ان ہی اثرات کے تحت ہندوؤں نے مسلمانوں کے اطوار اپنائے اور لباس پہنے اور کچھ نے تو گائے کا گوشت بھی کھانا شروع کر دیا[6]، اسلام کے اثر سے ذات پات

---

[1] کلہن کی راج ترنگنی، میں کشمیر میں ذات پات میں ڈھیلے پن کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، [2] یون راج ص ۷، ۸، [3] ایضاً ص ۹ ۵ [4] ایضاً ص ۶۷

[5] تری در ص ۲۳۵ و ۳۱۹،

کا زور کم ہوا، چنانچہ محمد شاہ کے عہد میں ثمری در نے لکھا ہے کہ ہندوؤں کی بچاروں ذاتیں قابلِ اعتراض راہوں پر گامزن ہیں، اور انھوں نے ضروری پوجا پاٹھ کو بھی خیر آباد کہہ دیا ہے[1]، آہستہ آہستہ برہمنوں کے علاوہ ہندو سماج سے ساری ذاتیں ناپید ہوگئیں،

اسلام کا اثر اودیت شیومت پر بھی ہوا، جو للہ دید کی تعلیمات میں ملتا ہے[2]، وہ کشمیر کی مشہور یوگنی تھی، جو چودہوین صدی میں پیدا ہوئی تھی، اس کو شیومت کے ان رسوم وعقائد، مذہبی جھگڑوں اور فرقوں کی باہمی تقسیم سے بڑا دکھ ہوتا تھا[3]، اسی زمانہ میں اس کی ملاقات سید علی ہمدانی اور نور الدین رنسی سے ہوئی اور اسلام اور تصوف سے واقفیت حاصل کی[4]، اسلامی خیالات سے متاثر ہو کر اس نے ذات پات کی مذمت کی، اور بت پرستی کو بے کار اور احمقانہ فعل تبایا[5]، اگرچہ دنیا کو وہ فریب (مایا) سمجھتی اور جینے کی تمنا سے چھٹکارا چاہتی تھی، لیکن سید علی ہمدانی کے اثر سے وہ یہ بھی کہتی تھی کہ اپنی ذات کو قادر مطلق میں ضم کرنے کے لیے سادھو بننے کی ضرورت نہیں، کوئی بھی متاہل انسان نجات

---

[1] ثمری در ص ۲۲۰،

[2] اس سوانح کے لیے دیکھو word of Lalla از ٹمپل ص ۲ وغیرہ، للہ واکیانی از بارنٹ وگریرسن دیباچہ، انڈین اینٹی کواری ج ۷ ص ۱۲ - ۳۲،

[3] word of Lalla از ٹمپل ص ۵ - ۷ [4] ایضاً ص ۳ - ۲

[5] Lalla vakyami از بارنٹ وگریرسن ص ۹۳، مزید دیکھو word of Lalla از ٹمپل ص ۱۷۷،

حاصل کر سکتا ہے[1] بشرطیکہ وہ اپنے مذہبی اور دنیاوی فرائض کو کسی غرض یا مفاد کو سامنے رکھے بغیر انجام دیتا رہے، اس کے علاوہ اس نے صوفیہ سے الفاظ کو سادہ طریقہ پر رمز و کنایہ میں استعمال کرنا سیکھا[2]، اور ان ہی سے عشق الٰہی کا تصور لیا، اور ان ہی کی طرح وہ بھی خدا کے لیے "محبوب" کا لفظ استعمال کرتی تھی، اس کے روحانی وجدان میں بھی تصوف کی بازگشت نظر آتی ہے، اپنی تمثیل "محبوب کی بیداری" میں وہ یوں گویا ہے[3]،

چاند ڈوبا اور صبح ہوئی،
اس کا تن من دنیا کے فریب سے تنگ آگیا،
اور للّہ عشق الٰہی میں کھنچی چلی گئی،
اور اداس کر دینے والے دکھوں کو بہلاتی
وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہوئی: "میں ہوں
للّہ جو تم کو جگانے آئی ہے،
جو شفاف جھیل میں ڈوبی ہوئی تھی،
اور مجھ پر دنیا کی آلائشوں نے اندھیرا کر رکھا تھا[4]،

---

[1] word of Lalla از ٹمپل ص ۱۷۵، ۱۹۱، ۲۰۰-۲، علی ہمدانی کے خیالات کے لیے ان کی تصنیف ذخیرۃ الملوک ورق ۱۴ الف وغیرہ دیکھو،

[2] word of Lalla از ٹمپل ص ۲۱۷،

[3] ایضاً ص ۶-۱۹۵،

[4] للّہ واکیانی از گریرسن بارنٹ نظم نمبر ۱۰۵،

ہندو دھرم کا اثر اسلام پر

کشمیر میں ہندو سماج میں اسلام کے اثر سے بڑی تبدیلیاں ہوئیں لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، اسلام میں بھی تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں، اس کا سبب یہ تھا کہ کشمیریوں نے مذہب ضرور تبدیل کر لیا تھا، لیکن انھوں نے ماضی سے مکمل طور پر رشتہ منقطع نہیں کیا تھا، اور اپنے نئے مذہب کے ساتھ ساتھ[1] بہت سے پرانے اعتقادات اور رسوم کو بھی سینہ سے لگائے رکھا، چنانچہ ایک طرف اگر وہ اپنے تہوار عید الفطر اور عید اضحی مناتے تو دوسری طرف ہندوؤں کے تہوار مثلاً "گھن چکر، چیتر[2]، ویتھ تروواہ[3]، اور شری پنچمی میں بھی شرکت کرتے، وہ ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو مقدس مانتے اور اس کا کافی ثبوت موجود ہے، کہ وہ بت پرستی بھی کرتے تھے،[4] اسی طرح وہ ان توہمات کا ابھی تک شکار تھے، کہ دم دار ستارے کو دیکھنا، کتے کے بھونکنے کی آواز کو سننا اور سانپ کا راستہ کاٹنا تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے[5]، یہ سچ ہے کہ اسلام کے اثر سے ذات پات کی سختیاں کم ہو گئی تھیں لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، نو مسلم اپنے رسم و رواج، ذات پات کے قانون ازدواج اور پیشہ کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے،

---

[1] دیکھو ص ۸۷-۸ کتاب ہذا [2] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۲۷-۸،
[3] دیکھو ص ۱۵۸ کتاب ہذا، [4] دیکھو ص ۵۲ کتاب ہذا، داؤد خاکی (۱۵۲۱ء-۱۵۹۱ء) کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی بت پرستی کی مثالیں ملتی ہیں، (دیکھو اس کی تصنیف اسرار الابرار ورق ۲۷۶ الف [5] شری ور ص ۱۵۳-۲۲۲،

کشمیر کے سلاطین اگرچہ باہر سے آئے تھے لیکن ہندوؤں کے اعتقادات اور رسم و رواج کو اپنانے میں وہ اپنی مسلمان رعایا سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے، یہ بات ناگزیر بھی، کیونکہ سلطنت کی تاسیس کے سو برس بعد تک انہیں ایسے لوگوں کے درمیان رہنا پڑا تھا جن میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، اس کے علاوہ زیادہ تر سلاطین کی ہندو رانیاں تھیں، جو مشرف بہ اسلام ہونے کے باوجود اپنے پرانے طور طریقوں کو اپنائے رہیں، جس کا خاطر خواہ اثر اُن کے شوہروں اور اولاد پر پڑا[1]۔ مسلمان رعایا کی طرح سلاطین بھی ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتے اور کچھ تو مندروں میں دیوتاؤں سے مدد کے لیے دعا مانگنے جاتے[2]، ان کو جادو ٹونے اور ٹونکے پر یقین تھا، [3] اور دوسری آفتوں کو ٹالنے کے لیے قربانیاں کرتے اور برہمنوں کو تحائف دیتے۔ (قطب الدین کو یقین تھا کہ اس کی ملکہ کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ ایک برہمن یوگی کی دعاؤں سے ہوا[3]) اور کشمیر کے ہندو راجاؤں کی طرح سلاطین رسم تاجپوشی کی تقریب میں ہون کرتے جس میں برہمن پروہت کے بجائے شیخ الاسلام اور وزیر اعظم ان کے ماتھے پر ٹیکہ لگاتے اور سونے اور پھولوں کے نذرانے پیش کرتے[4]۔

کشمیر میں تصوف، صوفیہ کے بڑے سلسلوں کے مریدوں کے ذریعہ پھیلا تھا، اس پر ادویت شیومت کا کوئی نظریاتی اثر نہیں پڑا، اسلامی تصوف

---

[1] حیدر شاہ کی ملکہ گل خاتون کو ہندوؤں کے رسم و رواج پسند تھے،

[2] یون راج ص ۲۳۴ [3] ایضاً ص ۲۳۵

[4] شری ور ص ۲۰۷، حیدر شاہ کی تاج پوشی کے موقع پر خزانچی حسن نے یہ رسمیں ادا کی تھیں،

تیرہویں صدی کے نصف تک ارتقائی منازل طے کر کے ایک ترقی یافتہ مربوط نظامِ فکر اور طریقِ زندگی بن چکا تھا۔ اس میں اگر کوئی بات ہمہ اوست اور ویدانت کی بھی شامل ہوئی، تو کشمیر کے باہر ہوئی ہوگی[1] اس کے علاوہ وادی میں نظری طور پر قادریہ، کبرویہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے مبلغین، اسلام کے قوانین اور عقائد پر سختی سے کاربند رہے، قلندرانہ اور مشتبہانہ رجحانات کے سخت خلاف تھے[2] وہ ترک دنیا کے ایسے نظریہ کو بھی پسند نہ کرتے، جو تجرد، نفس کشی، ایذا پسندی، اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی طرف مائل کرتا تھا، لیکن اسلام کے اعلیٰ نصب العین کو سربلند کرنے کی کوشش کے باوجود صوفیہ کو کشمیر اور دوسری جگہوں پر ان روایتی عقائد سے صلح کرنی پڑی جن میں مشرکانہ باتیں آگئی تھیں، اس طرح کشمیر میں اسلام میں بیرونی اثرات پیدا ہوگئے جو آج تک باقی ہیں،

پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ ہندو یوگیوں کے اصل روحانی وارث کشمیر کے رشی تھے، نہ کہ صوفیہ، یوگیوں کی طرح رشی مجرد رہتے، اپنے جسم کو ایذائیں پہنچاتے، دنیا کو فریب (مایا) سمجھتے، اور اس سے کنارہ کش رہتے، ان کے ہمہ اوست کے اعتقادات پر ادویت شیومت کا اثر تھا، اس کے علاوہ

---

[1] le de mystique از یوسف حسین ص ۱۳۸ وغیرہ،

[2] سید علی ہمدانی اسلام کی اورائی وحدانیت پر یقین رکھتے تھے، اور ہمہ اوست کے عقیدہ کو نہیں مانتے تھے، ان کی تصنیف ذخیرۃ الملوک کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے،

صوفیہ کے برخلاف وہ نماز باجماعت اور ذکر کی محفلوں میں شریک ہونے کے بجائے، آبادی سے دور غاروں اور جنگلوں میں مراقبہ کر کے ذات کو "کل" میں ضم کرنے کی کوشش کرتے،

تجارت

آج کل کی طرح عہدِ وسطیٰ میں بھی کشمیر کی معاشی زندگی میں تجارت بہت ہی اہم تھی، اس سے حکومت کو کافی آمدنی ہوتی، دستکاروں کی ہمت بڑھتی، اور بہت سے لوگوں کو روزگار نصیب ہوتا، اس کے علاوہ اس سے کشمیری تاجروں کی دولت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا جن کا کاروبار وادی کے علاوہ بنگال، ساحلِ کارومنڈل، لاسہ، پکینگ، ایران اور وسط ایشیا تک پھیلا ہوا تھا،

اندرونی تجارت

اس میں باہر سے آئی اور ملک میں تیار کی ہوئی چیزیں شامل تھیں، درآمدی چیزوں میں سب سے اہم نمک تھا، کیونکہ کشمیر میں نمک پیدا نہیں ہوتا تھا، اور باہر سے لایا جاتا تھا، اس کے علاوہ سامان تعیش تھے، جن کا ذکر بعد میں آئے گا، وادی میں شال، ریشمی کپڑے، موٹے اونی کپڑے، اور دستکاری کے دوسرے سامان تیار ہوتے تھے، جن کا کاروبار نجی تاجر کرتے تھے، لیکن غلہ کا کاروبار حکومت اور نجی کاروباری دونوں ہی کرتے تھے، حکومت چاول کے بڑے بڑے ذخیرے رکھتی تھی، جب کبھی سٹہ بازی یا قلت کی وجہ سے بھاؤ چڑھنے لگتا، حکومت چاول کو بازار میں لاتی جس سے بھاؤ گر کے عام سطح پر آجاتا[1]، اس کے علاوہ حکومت غلہ کی ذخیرہ اندوزی کے خلاف تھی،

---

[1] دیکھو ص ۷۰ کتاب ہذا،

اس لیے بازار میں سرکاری چاول آجانے سے نجی کاروباریوں کو کم نفع پر چاول بیچنا پڑتا[1]، ان پابندیوں کی وجہ سے تاجر غلہ کا لین دین بڑے پیمانے پر کرنے سے احتراز کرتے تھے، دوسری اشیاء کی قیمتوں کو ماہانہ اعلانوں کے ذریعہ کنٹرول میں رکھا جاتا[2]، اس سے چور بازاری کا سد باب ہوتا تھا، لیکن ان پابندیوں سے تجارت کی ترقی میں کوئی خاص کمی نہیں آئی، کیونکہ عہد وسطیٰ میں کشمیری تاجر کافی کامیاب تھے[3]، بیرونی اور اندرونی تجارت کو اصل نقصان خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں سے ہوتا تھا[4]،

مرزا حیدر رقمطراز ہے کہ سری نگر کے بازاروں اور سڑکوں پر تراشے ہوئے پتھر بچھے ہوئے تھے، بازار میں صرف بزاز اور خوردہ فروش رہتے تھے لیکن پنساری، دوا فروش، شراب فروش، اور نانبائی گھر ہی پر کاروبار کرتے تھے[5]، مغلوں کی آمد تک کشمیر کے تمام شہروں میں کاروبار کا یہی طریقہ تھا، لیکن آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا ہوئی، اور ہر قسم کے تاجر بازار ہی میں کاروبار کرنے لگے، اگرچہ جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے، کہ اس کے عہد تک بھی خرید و فروخت زیادہ تر گھروں ہی پر ہوتی تھی[6]،

---

[1] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۷۴، [2] ایضاً

[3] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۷،

[4] ثمری ورص ۳۴ محمد شاہ اور فتح شاہ کی خانہ جنگی میں تاجروں کا بہت نقصان ہوا تھا،

[5] تاریخ رشیدی ص ۴۲۵ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲،

[6] فرشتہ ج ۲ ص ۱۴۷، آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲،

آمدورفت

عام آدمی ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیدل آیا جایا کرتے تھے لیکن دولت مند گھوڑے، پالکیوں اور ڈولیوں پر چلتے تھے[1] لیکن آمد و رفت کا سب سے عام ذریعہ کشتی تھی، جس سے ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان بھی منتقل کیا جاتا تھا، جو مقام دریاؤں کے کنارے نہیں ہوتے وہاں سامان تنگ راستوں سے آدمیوں اور خچروں کے ذریعہ سے لیجایا جاتا، کیونکہ سڑکین گاڑیوں کے چلنے کے قابل نہ تھین حقیقت میں قدیم اور عہد وسطیٰ کے کشمیر میں لوگ گاڑیو کا نام تک نہ جانتے تھے[2] دریاؤں پر دیودار یا لکڑی کے پل تھے، درختوں کی شاخوں کو آپس میں بٹ کر رسی کے پل بھی بنائے جاتے تھے، جو صرف پیدل چلنے والوں کے لیے تھے، ان پر سے جانوروں کو اپنی پیٹھ پر رکھ کر لے جانا پڑتا تھا،[3] رسی کے پلوں کے علاوہ لکڑی کے توڑے دار پل بھی تھے، یہ مستقل پل مسلمانوں کی حکومت کے دین تھے، کیونکہ راجاؤں کے عہد میں صرف کشتیون کے پل تھے،[4] تاہم کشتیوں کے پل کو سلاطین نے بالکل ختم نہیں کیا، کیونکہ وہ دشمن کے قریب پہنچنے پر آسانی سے توڑے جا سکتے تھے، شرف الدین یزدی کے "ظفر نامہ،، میں جہلم پر کشتیون کے پل کا ذکر ہے،[5]

---

[1] اسٹین ج ۲ نمبر ۲۲۹، کتاب الہند از البیرونی (انگریزی ترجمہ) ص ۲۰۶

[2] اسٹین ج ۲ نمبر ۱۴۲، سرخری در ص ۷-۱۵۵

[4] اسٹین ج ۲ نمبر ۶۹۴

[5] ایضاً ظفر نامہ از شرف الدین ص ۹۷، ۱

بیرونی تجارت: تجارتی راستے،

یوں تو کشمیر ہر طرف سے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، لیکن قرب وجوار کے ملکوں سے اس کے تجارتی تعلقات تھے، کشمیری تاجر ایشیا کے مختلف حصوں میں موجود تھے، اور پٹنہ، بنارس، لاسہ، کٹھمنڈو، سینگ، پیکنگ، بنگال کے شہروں میں، پنجاب، بھوٹان[1]، خراسان، ترکستان اور کارومنڈل کے ساحل تک پھیل کر بڑے پیمانے پر کاروبار کرتے تھے،

کشمیر اور پنجاب کی تجارت پیر پنجال کے دروں سے ہوتی، اور لداخ بلتستان، مشرقی ترکستان کی پنجاب سے تجارت زیادہ تر کشمیر ہی کے راستے سے ہوتی تھی[2]، لداخ میں لیہہ کا شہر تبت اور ترکستان کی برآمدی اور درآمدی تجارت کا خاص مرکز تھا، یہیں سے کشمیر میں تبت، ترکستان اور چین سے تجارتی سامان آتے جاتے تھے، کشمیر اور لیہہ کے درمیان سامان زوجی لا درہ سے، سردی کے زمانہ میں گھوڑوں پر اور گرمی میں آدمیوں کے ذریعہ آیا جایا کرتا تھا، ہری نگر سے لیہہ تک سامان آدمیوں کے ذریعہ ایک مہینہ سے کچھ زیادہ میں پہنچتا تھا،[3]

جو تاجر یارقند جاتے وہ لیہہ میں رک کر سفر کی تیاری کے سلسلہ میں گھوڑوں کے کھانے کا سامان، اور نوکروں کا انتظام کرتے، لداخ سے ان کا راستہ سبو، تھکسن اور چوجنگل کو جاتا، اور وہاں سے کراکورم کے درہ سے ہو کر گذرتا،

---

[1] Wessel: Early Jesuit Travellers in Central Asia ص ۱۵۰

[2] انڈین انٹی کواری ۱۹۰۵ء ص ۱۹۶،

[3] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۲ (۱۸۵۰ء) ص ۲۷۳

سردیوں میں مسافر اسی راستہ سے جاتے، کیونکہ ان دنوں ندیوں میں سیلاب نہیں ہوتا، گرمیوں میں سیلاب کی وجہ سے نبرہ سے ہو کر جانا پڑتا تھا[1]، قراقرم کو پار کر کے کارواں یارقند پہنچتا، جو ایک اہم تجارتی مرکز تھا، وہاں یہ لداخ، تبت، چین، ختن اور ہندوستان کے راستے کاشغر جانے والے راستوں سے ملتے تھے[2]، یارقند سے بعض کاروان کاشغر جاتے اور وہاں سے سمرقند اور بخارا کی راہ لیتے[3]، اور دوسرے کارواں چین جاتے، کاشغر سے چین پہنچنے میں سات مہینے لگتے تھے[4]،

کشمیر کی طرف مشرقی ترکستان سے ایک دوسرا راستہ بھی آتا تھا، یہ راستہ بلتستان اور قراقرم کی برف کے تودوں سے گزرتا تھا، یہ راستہ لداخ ہو کر جانے والے راستہ سے بہت زیادہ دشوار گزار تھا، برف کے بڑے بڑے تودوں اور چٹانوں کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا، یہ اس وقت استعمال ہوتا تھا، جب لداخ کا راستہ سیاسی خلفشار کی وجہ سے بند ہو جاتا تھا[5]،

---

[1] جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۲ (۱۸۴۳ء) ص ۶-۸-۹، ۳۰۴ و
جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی ج ۶ نمبر ۲ ص ۱۴۸

[2] ختن از اسٹین ج ۱ ص ۸۸ Travels in Kashmir از مورکرافٹ ج ۱ ص ۳۴۶

[3] جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۸۴۳ء) ص ۳۰۷ وغیرہ

[4] Travels از برنیر ص ۴۲۵، مزید دیکھو Purchas His Pilgrimes
"یارقند اور کاشغر کی تجارت کشمیر اور قرب و جوار کے ملکوں سے" کے لیے،

[5] Purchas His Pilgrimes جن کا ذکر جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد ۶ نمبر ۲ ص ۱۴۸ اور جلد ۱ نمبر ۲ ص ۱۲۹ پر ہے،

کشمیر اور ماوراء النہر کا راستہ گلگت سے بھی تھا، گلگت یا چترال سے
کارواں ہندوکش کو پار کر کے دکھان میں داخل ہوتے، اس کے بعد پامیر اور دریائے
جیحوں کو عبور کر کے ماوراء النہر پہنچ جاتے۔[۱] کشمیر اور ایران میں پنجاب کے راستہ
سے آمد و رفت ہوتی تھی، پنجاب اور ایران میں قریبی تجارتی تعلقات تھے۔[۲]

جو کشمیری تاجر اپنا سامان تبت یا نیپال لے جانا چاہتے، ان کو لیہہ سے
گنی جو درے کے ایک سرے پر تھا جانا پڑتا، گنی سے کچھ تاجر تبت چلے جاتے
اور وہاں سے سینگ اور پیکنگ تک چلے جاتے، کیونکہ چین سے کاروبار
کرنے والے تاجروں کی دکانیں لاسہ اور تبت کے دوسرے بڑے
شہروں ہی میں تھیں۔[۳] دوسرے تاجر کھٹمنڈو جاتے، اور نیپال کی وادی سے
ہو کر پٹنہ پہنچ جاتے۔[۴] کشمیری تاجروں کی دکانیں اور دفتر کھٹمنڈو میں تھے،
اور بنگال، نیپال اور تبت کی تجارت میں ان کا کافی ہاتھ ہوتا۔[۵]

درآمد

نمک اور شال کے اون کی خاص طور سے درآمد ہوتی تھی، نمک زیادہ
تر پنجاب سے پیر پنجال کے راستہ سے[۶] اور کچھ نمک چین تھان سے لداخ کے

۱؎ حدود العالم ص ۵۵، ۱۲، ۱۴۸-۳۶۳ ۲؎ لاہور سے ایران ہر سال بیس ہزار اونٹ جاتے
تھے، (جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی ج ۱، ۱۹۲ ص ۱۷)

۳؎ Markham: Mission of Bogle To Tibet ص ۱۲۵/۱۲

۴؎ ایضاً ۵؎ Markham: Mission of Bogle to Tibet ص ۱۲۷-۲۸

۶؎ اسرار الابرار ورق ۲۲، الف ۱۲۳ الف، تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸، Valley، لارنس
ص ۳۹۳

کے راستہ سے بھی آتا تھا، جنگ کے زمانہ میں جب یہ تجارتی راستے خطرناک ہوجاتے تو نمک کی درآمد مشکل ہوجاتی جس سے عوام کو بہت تکلیف ہوتی،[1]

شال کا اون رودوک اور چن تھان[2] کے علاوہ لداخ اور یارقند سے بھی آتا تھا،[3] ایک قدیم اقرارنامہ (صلح نامہ) کے رو سے تبت کا شال کا اون صرف لداخ کو برآمد کیا جاتا تھا، اسی طرح قدیم روایات کے مطابق لداخ سے اس کی درآمد صرف کشمیر تک محدود تھی، کسی دوسرے ملک کو لیجانے والا اون ضبط کرلیا جاتا تھا،[4] شال کا اون کشمیر کے لیے بہت اہم تھا کیونکہ اسی پر شال بافوں کی روزی اور تاجروں کی فارغ البالی کا انحصار تھا،[5]

شال کے اون کے علاوہ کشمیر میں تبت سے سونا اور مشک آتا تھا،[6] اور لداخ سے اونی کپڑوں کی درآمد ہوتی جو خود لداخی تاجر لاکر فروخت کرتے تھے،[7]

---

[1] شری ور ص ۲۳، [2] یہ دونوں تبت کے محکوم تھے، جو مشرق اور جنوب مشرق میں واقع تھے [3] جرنل آف رائل سوسائٹی آف بنگال ج ۶ ۱۸۴۳ء ص ۲۸۳ وغیرہ، ایضاً ج ۱۲ ۱۸۵۰ء ص ۱۳۷ اس کے علاوہ ... Kashmir and its shawls ص ۳۷-۳۱-

[4] ملاحظہ ہو ازمورکرافٹ ج ۱ ص ۳۴۷، [5] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۶ ص ۲۰۹، یہ نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں کتنا اون برآمد کیا جاتا تھا لیکن مورکرافٹ کے زمانہ میں ہر سال ۸۰۰ گھوڑوں پر اون لادکر برآمد کیا جاتا تھا اور ہر گھوڑے پر ۲۸ ٹرک کا وزن ہوتا تھا، [6] Markham: Mission of Bogle to Tibet

[7] یون راج ص ۱۸،

کشمیر میں پنجاب سے نمک کے علاوہ مراقشی چمڑا، بانات، کشیدہ کاری کے کپڑے اور لاکھ آتی تھی، ان میں سے کچھ سامان کشمیر کے راستے سے لداخ اور یارقند بھیج دیا جاتا تھا،[۱] گلگت اور بلتستان سے ریشمی کپڑوں کے انڈے لائے جاتے تھے،[۲] ختن سے یشب آتا تھا جس کے لیے ختن مشہور تھا، مشرق کے تمام ممالک کو یشب وہیں سے برآمد کیا جاتا تھا،[۳] ختن ریشم، وری، کاغذ، مٹی کے برتن، پیتل اور تانبے کے برتنوں کے لیے بھی مشہور تھا، اور یہ سب سامان کشمیر میں درآمد کیا جاتا تھا،[۴] عقیق، دودھیا، فیروزہ اور دوسرے قیمتی پتھر بدخشان، بخارا اور یارقند سے درآمد کیے جاتے تھے،[۵] یارقند سے کشمیر اور شمالی ہندوستان میں کپڑے، اونی نمدے اور ریشم آتا تھا، جو اپنی پائداری اور رنگ کے لیے مشہور تھا،[۶] کاشغر سے کشمیر میں مشک اور ریشم برآمد ہوتا تھا، عراق اور ترکستان سے گھوڑے

---

۱ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۱۲ (۱۸۵۶ء) ص ۳۷۷

۲ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳،

۳ Abel Remusat: Histoire de Ville de Khatan

ص ۱۱۹ وغیرہ پر یشب کے اوصاف وغیرہ کی تفصیل درج ہے، مزید دیکھو ختن از اسٹائن ج ۱ ص ۱۳۲-۳۳

۴ ایضاً کشمیر اور ختن کے درمیان تجارتی تعلقات زمانہ قدیم تھے، ختن میں کشمیر کے راجاؤں اور سلاطین کے سکے دریافت ہوئے ہیں، (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج LXVIII ص ۲۸ تا ۳۲، ۵ ویلی از لارنس ص ۶۵،

۶ L'Art des oeuvres Anciens au cachemere از Faley ص ۲۲ حاشیہ

آتے تھے، کیونکہ کشمیری گھوڑوں کی نسل اچھی نہ تھی[1] اور چین سے کارواں مشک چوب چینی، ریوند چینی، چینی کے برتن، ریشم اور چائے لاتے تھے[2]

برآمد

کشمیر کی برآمدی تجارت میں سے زیادہ اہمیت شال کو حاصل تھی، جو ہندوستان اور وسط ایشیا، تبت چین اور ابوالفضل کے بیان کے مطابق دنیا کے ہر ملک کو بھیجی جاتی تھی[3] کشمیر سے باہر بھیجے جانے والے ساماں میں مشک، بلور، ریشم، اونی کپڑے، چینی، زعفران، کشمش، اخروٹ، کاغذ، تازہ پھل، لکڑی اور گھوڑے خاص طور سے قابل ذکر ہیں[4] خود کشمیر میں تیار شدہ مال کے علاوہ دوسرے ملکوں سے آنے والی بہت سی چیزیں یہاں سے باہر بھیجی جاتی تھیں اور یہ ذکر آچکا ہے، کہ کشمیر ہی کے راستہ سے پنجاب کے تجارتی تعلقات لداخ، بلتستان، مشرقی ترکستان اور تبت سے قائم تھے، کشمیر کی راجدھانی سری نگر بڑا تجارتی مرکز تھا، جہاں ترکی، تبتی، لداخی، بلتی، ہندوستانی اور کشمیری تاجر ایک

---

[1] تزک جہانگیری جلد ۲ ص ۱۴۸، [2] Travels از برنیر ص ۴۲۵ و ۴۲۶ Purchas His Pilgrimes ج ا کتاب ۴ باب ۴ جس کا اقتباس جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی میں ج ۲ ص ۱۴۴ Account of Finch میں ہے، چین میں چائے کا استعمال زمانہ قدیم سے ہوتا تھا، نویں صدی کے وسط میں اس کے استعمال کا ثبوت عرب ذرائع سے بھی ملتا ہے (Reinaud ... Voyages) ص ۴۰ کشمیر میں چائے چین ہی سے آئی، ایک روایت کے مطابق وادی میں چائے کو سب سے پہلے مرزا حیدر لایا تھا،

[3] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳ [4] تزک جہانگیری ج ا ص ۹۲-۹۳ آئین اکبری (بلاخمن) ص ۶۸، ۹۹، ۴۰۰ مزید دیکھو Pelsaert ii Remonstrantie ص ۳۴، ۳۵ پام پور میں زعفران کی ... [illegible]

دوسرے سے ملتے تھے، ان تاجروں کی نہ صرف قیام گاہیں کشمیر میں تھیں، بلکہ ادن کے مذہبی معابد بھی تھے،

مصنوعات

کشمیری تاریخوں میں سلاطین کے عہد میں وادی کی صنعتوں کے بارے میں بہت کم لکھا ہے، صرف یہ معلوم ہو سکا ہے، کہ سلطان زین العابدین نے شال بافی، ریشم کے کپڑے، کاغذ اور شیشہ سازی کی ہمت افزائی کی لیکن اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہوتی، مغلوں کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سلاطین کے عہد میں شال بافی بڑے پیمانہ پر ہوتی تھی، اور دنیا کے مختلف ملکوں کو بھیجی جاتی تھی،

شال، ریشم اور کاغذ کے علاوہ کشمیر میں اونی کپڑے بھی بنتے تھے، جو آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی پائداری اور گرمی کے لیے مشہور تھے[1]، ان کے علاوہ دریاں، تانبے اور پیتل کے برتن اور شیشے کے بھی برتن بنتے تھے،

ریشم کے کپڑے کشمیر میں زمانہ قدیم سے بنتے آرہے تھے، لیکن زین العابدین نے اس کے بنانے کے طریقے اور ڈیزائین میں مزید ترقی دی، ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے، اور ان کی غذا کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے تھے، لوگ شہتوت کا پھل نہیں کھاتے تھے[2]، زین العابدین ہی نے سب سے پہلے کشمیر میں کاغذ سازی کی ابتدا کی، یہ صنعت حکومت کے ہاتھ میں تھی، اور سلطان اس میں خاص

---

[1] شاہنامہ میں فردوسی نے لکھا ہے کہ ایران کے آخری ساسانی حکمران یزدگرد کی فوج کا لباس کشمیر کے اونی کپڑے سے تیار کیا جاتا تھا، (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۸۸ ص ۱۴۹) [2] تاریخ رشیدی ص ۴۳۵ آئین اکبری (جلد ۲) ص ۳۴۰

دلچسپی لیتا تھا، کشمیر کا بنا ہوا کاغذ ریشم کی طرح نرم اور دیکھنے میں چمکدار ہوتا تھا، ہندوستان میں اس کی بہت مانگ تھی، جہاں یہ مصوری اور لکھنے کے کام میں آتا تھا، مغلوں کے عہد میں بھی کشمیر ہندوستان کو سب سے بہتر کاغذ فراہم کرتا تھا، ۱۷۸۳ء میں جارج فارسٹر نے لکھا تھا، مشرق میں لکھنے کے لیے سب سے اچھا کاغذ کشمیر ہی میں بنتا ہے" اور ماضی میں اس کی بہت زیادہ کھپت تھی[1] کشمیری کاغذ میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ لکھے ہوئے کاغذ کی روشنائی کو دھوکر اس کو دوبارہ استعمال کیا جا سکتا تھا،[2]

تاریخوں میں کارخانوں اور ان کے مزدوروں کی تعداد درج نہیں ہے، صرف شال کی صنعت کے متعلق معلوم ہو سکا، کہ اکبر کے عہد میں وہاں دو ہزار کارخانوں میں شال بنتی تھی[3] چونکہ مغلوں کے عہد میں شال کی صنعت میں کوئی تنزل نہیں ہوا تھا، اس لیے یقین غالب ہے، کہ سلاطین کے عہد میں بھی شال کے کارخانوں کی یہی تعداد رہی ہوگی، لیکن اس سے دوسرے سامان بنانے والے کارخانوں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا،

زراعت

سلطنت کی تاسیس کے دو سو سال پہلے ہی سے زراعت آہستہ آہستہ رو بہ انحطاط تھی[4] زولجو کے حملہ سے تنزل کی رفتار اور تیز ہو گئی تھی، لوگ گانوں

---

[1] Journey from Bangal to England از فارسٹر ج ۲ ص ۱۹

[2] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۲۰۲، [3] ہفت اقلیم از رازی ورق ۱۵۷ الف،

[4] الخائن ج ۱ دیباچہ ص ۱۳۰

چھوڑ کر چلے گئے تھے، اور کھیت بنجر رہ گئے تھے، خاندان شاہ میر کے حکمرانوں نے اس رجحان کو روکنے اور زراعت کو ترقی دینے کی انتہائی کوشش کی، گاؤں پھر سے آباد کیے، لگان کی شرح گھٹائی، بہت سے زاید محصول ختم کر دیئے، دلدلوں کو پاٹ دیا، اور آب پاشی کے لیے نئے انتظامات کیے، ان کوششوں سے مزروعہ زمین اتنی بڑھ گئی کہ ملک اناج میں خود کفیل ہو گیا، خاندان چک کے عہد کے آخری حصہ کو چھوڑ کر زراعت نے کافی ترقی کی[1]

موسم بہار میں گیہوں، جو، مٹر، سیم اور سرسوں (رائی) کی پیداوار ہوتی تھی خزان میں چاول، مونگ، ماش، موٹھ، اور باجرہ[2] ہوتا تھا، چاول جو ہمیشہ سے سے عوام کی خاص غذا رہی ہے، بہت زیادہ پیدا ہوتا تھا، لیکن اچھے قسم کا چاول کم ہی پیدا ہوتا تھا[3] چھوٹے دانے والے سیاہ رنگ کا گیہوں محدود پیمانہ پر بویا جاتا تھا[4]، گن مارتنڈ میں بویا جاتا تھا[5] زعفران، پامپور کریوہ[6] کے علاوہ

---

[1] جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۳۲ ص ۱۱۶

[2] اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۳۸ آجکل کی فصلوں کے لیے دیکھو Valley از لارنس ص ۳۴۰ کچھ خاص فصلوں کو چھوڑ کر یہی فصلیں اس زمانہ میں بھی ہوتی تھیں

[3] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳ اچھے قسم کا چاول اسلیئے نہیں بویا جاتا تھا، کہ عام چاول کے مقابلہ میں اس کی پیداوار کم ہوتی تھی، جو کسانوں کے لیے سود مند نہیں تھی، یہی حالت کچھ سال پہلے بھی تھی، (دیکھو Valley از لارنس ص ۳۳۲، ۳۳۵)

[4] آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۳، [5] شری ور ص ۲۴۷، مزید دیکھو ص ۵۸ کتاب ہذا، [6] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۹۰

تھوڑا بہت برس پور پرگنہ میں بھی پیدا ہوتا تھا،[۱] وادی میں زعفران کی کل پیداوار چار سو سے پانسو ہندوستانی من کے درمیان ہوتی تھی،[۲] ایک سیر زعفران کی قیمت دس روپیے تھی،[۳]

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر میں باغبانی کی ابتدا مغل بادشاہوں نے کی لیکن حقیقت یہ ہے، کہ شالیمار، نشاط اور دوسرے مغل باغوں سے بہت پہلے ہی خاندان شاہ میر کے حکمرانوں نے وادی میں خوبصورت باغات لگا رکھے تھے، سلاطین کے علاوہ تاجروں اور دوسرے دولت مند باشندوں کو بھی پھولوں اور باغوں سے شغف تھا، اور ان کے مکانوں میں ملحق باغ ہوتے تھے، اس کے علاوہ رشی فرقہ کے لوگوں کی یہ عادت تھی، کہ وہ جہاں بھی جاتے، سایہ دار اور پھل دار درخت لگاتے، سلاطین، امراء، تاجروں، اور رشی فرقہ کے لگائے ہوئے باغوں میں مختلف قسم کے پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے، جن میں خوبانی، شفتالو، آلوچہ، انگور، بادام، اور شاہ دانہ خاص پھل تھے، جنگلوں اور باغوں میں اگنے والے پھولوں میں نرگس، گلاب، چنبیلی، کنول، سوسن، سنبل، بنفشہ اور Sharwock خاص پھول تھے،[۴]

---

[۱] آئین اکبری (بلاخ من) ص ۹۰

[۲] تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۷۸ - ۱۷۷، ایضاً جلد اص ۹۳ - ۹۲

[۳] ایضاً ج اص ۹۳ - ۹۲

[۴] تاریخ رشیدی ص ۴۲۵، فرشتہ ص ۳۴۰ - ۳۴۱، ظفر نامہ از شرف الدین ج ۲ ص ۱۷۹ میں لکھا ہے، کہ نارنگی اور لیمو کو چھوڑ کر ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے، نارنگی اور لیمو وادی کی ٹھنڈی آب وہوا کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتے تھے،

کسانوں کی حالت

خاندان لوہر کے عہدِ حکومت میں وادی کے کسانوں کی حالت اچھی نہ تھی، اس کے کئی اسباب تھے، پہلا سبب یہ تھا، کہ اس عرصہ میں جو بھی حکمراں ہوئے، وہ کمزور تھے، اور انھوں نے نظم ونسق کی طرف توجہ نہ دی، دوسرا سبب مستقل خانہ جنگیاں تھیں، جن سے دیہاتوں کے رہنے والے مصیبت میں مبتلا رہے، تیسرا سبب یہ تھا کہ لگان کی بھاری شرح کے علاوہ کسانوں کو کئی طرح کے ٹیکس اور جرمانے ادا کرنے ہوتے تھے[1] لیکن ان سب سے بڑھ کر ان سے سامان کے نقل وحمل کے لیے بیگار لی جاتی تھی، گاؤں والوں کو اپنے نام کا سامان ڈھونے کے لیے حاضر ہونا پڑتا تھا، اور وہ حاضری سے قاصر رہتے تو ان سے سامان کی قیمت کے برابر یا اس سے بھی زیادہ جرمانہ وصول کیا جاتا، صرف مندروں کے پجاری بیگار سے بری تھے، کسانوں کو اس قانون پر سخت اعتراض تھا، کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں بہت طویل عرصہ تک اپنے دھان کے کھیتوں سے دور رہنا پڑتا، اور ان کی نہ تو وقت پر نرائی کر پاتے نہ پانی دے پاتے اور نہ مستقل دیکھ بھال کر پاتے[2]۔

خاندان شاہ میر کے استحکام سے کسانوں کی حالت یقیناً سدھری، کیونکہ حکومت نے انہیں سرکاری عمال کے استحصال سے بچایا، اور زراعت کی ترقی کی کوشش کی، یہ سچ ہے کہ حسن شاہ کی موت کے بعد سے اس خاندان

---

[1] اسٹائن ج، ص نمبر ۲، ۴ جلد ۸ نمبر ۲۸ ۱۴۲

[2] ایضاً ج ۵ نمبر ۲، ادغیرہ اور حواشی

کے خاتمہ تک کسانوں کو خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے سخت نقصانات اٹھانے پڑے، لیکن خاندان چک کی مضبوط حکومت کے قیام سے گاؤں میں خوش حالی دوبارہ واپس آگئی[۱]، اس کے بعد یعقوب شاہ کے عہد میں مغلوں کے حملہ کی وجہ سے کاشتکاری پر زوال آیا، اور کسانوں کے سر پر غربت منڈلانے لگی،

بہر حال کسانوں کی حالت سلاطین کے عہد میں اُن کے پیش رَوں یا ان کے بعد میں آنے والے حکمرانوں کے عہد کے مقابلہ میں بہر صورت بہتر تھی، لیکن تاریخوں میں اس کی جو تصویر ملتی ہے، وہ مبالغہ آمیز ہے، پہلے تو یہ کہ کسانوں کو سخت ٹیکسوں اور بیگاری سے مکمل چھٹکارا نہ مل پایا، حالانکہ یکے بعد دیگرے سلاطین نے ان ٹیکسوں وغیرہ کے ختم کرنے کا دعویٰ کیا ہے، دوسرے یہ کہ خاندانِ شاہ میر کے حکمرانوں نے بیگار کو ختم نہیں کیا، اور شہاب الدین کے عہد سے تو ہانجیوں سے بھی بیگاری جانے لگی جنھیں مہینہ میں صرف سات دن سلطان کی خدمت کے لیے حاضر ہونا پڑتا تھا[۲]، سامان کے نقل وحمل کے علاوہ ان سے زعفران اکٹھا کرنے کا کام بھی زبردستی لیا جاتا، خاندان شاہ میر کے عہد میں کسانوں کو پتیوں اور پھولوں سے زعفران نکالنے کے لیے زبردستی کام پر لگایا جاتا، اور اس کے لیے ان کو اجرت میں تھوڑا سا نمک دیا جاتا، لیکن غازی شاہ چک کے زمانہ سے انہیں گیارہ ترک زعفران کے پھول ملنے لگے،

---

[۱] جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۲۳ ص ۱۱۷

[۲] دیکھو ص ۵۰ کتاب ہذا، علی شاہ چک نے اس رواج کو ختم کردیا تھا (بہارستان شاہی ورق ۱۹ الف)

جس میں ایک ترک ان کی اجرت ہوتی، اور بقیہ دس ترک میں سے چوتھائی ترک حکومت کو دینا پڑتا، اکبر نے کشمیر کے چوتھے سفر میں اس رواج کو ختم کر دیا، جس سے کسانوں کو بہت فائدہ ہوا[1]،

بیگار اور ٹیکسوں کے علاوہ کسانوں کے لیے سیلاب اور قحط بھی مصیبت کا سامان تھے، کشمیر میں سیلاب پہاڑوں پر گرم اور مستقل بارش سے آتا تھا جس سے برف پگھل کر وادی کو زیر آب کر دیتی تھی اس سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا علاقہ سری نگر کے نیچے کا حصہ تھا، جہاں پر زمین گہری ہے،

سیلاب کے بعد ہمیشہ قحط پڑتا تھا لیکن قحط کا سبب برف کا پہلے پڑنا، زیادہ بارش جو موسم خزاں کی فصل تیار ہونے کے وقت ہو جاتی جس سے فصل کو نقصان ہوتا، اور ملک میں قلت کے حالات پیدا ہو جاتے، قحط کے زمانہ میں سلاطین غلہ کی دکانیں کھول کر اور دوسری امدادی تدابیر کر کے عوام کی مصیبت دور کرنے کی انتہائی کوشش کرتے، پھر بھی لوگوں کو کافی مصیبت اٹھانی پڑتی، اور بہت سی جانیں تلف ہو جاتیں، قحط اور سیلاب کے بار بار آنے سے سلاطین کے عہد کی خوشحالی کو کافی دھکا لگا،

آبادی

ازمنۂ وسطیٰ میں کشمیر کی آبادی کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس موضوع پر تاریخیں خاموش ہیں، تاریخوں میں صرف اتنا درج ہے کہ ملک کی آبادی کثیر تھی، ظفر نامہ میں لکھا ہے کہ ملک کی آبادی گھنی تھی[2]، اور اسی طرح ابوالفضل

---

[1] آئین اکبری (بلاخمن ص ۵۰) [2] ظفر نامہ از شرف الدین یزدی ج ۲ ص ۸-۱۷۷

نے ملک کی کثیر آبادی کے متعلق لکھا ہے[۱]، اس کے علاوہ ملک میں اجڑے ہوئے گانوں کے کھنڈرات کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ سلاطین کے عہد میں کشمیر کی آبادی آج کل سے زیادہ تھی[۲]،

آبادی زیادہ تر گانوں میں تھی، اور آبادی کا تھوڑا حصہ شہروں میں رہتا تھا، سب سے بڑا شہر سری نگر تھا جس کا نام فارسی کی تاریخوں میں "شہر کشمیر" لکھا ہے، گانوں کی تعداد کے متعلق مختلف اندازے ہیں، مسعودی (متوفی ۹۵۶ھ) لکھتا ہے کہ وادی میں ساٹھ ہزار سے کر ستر ہزار تک گانون تھے[۳]، شرف الدین یزدی کے اندازے کے مطابق سارے صوبہ میں پہاڑی .... علاقہ اور میدان کو لے کر ایک لاکھ گانون تھے[۴]، لوک پرکاش میں گانوں کی تعداد ۶۶۰۶۳ درج ہے[۵]، اور یہی تعداد برہمنوں کی سینہ بسینہ روایت سے بھی ظاہر ہے[۶]، لون راج نے یہ تعداد ساٹھ ہزار بتائی ہے[۷]، دمشقی (متوفی ۱۳۲۷ء) نے سلاطین کے عہد میں اندرونی اور بیرونی کشمیر میں گانوں کی تعداد بالترتیب ۷۰ ہزار اور ایک لاکھ سے زیادہ بتائی ہے[۸]، یہی تعداد مغلوں کے ابتدائی عہد میں بھی تھی، گانوں کی تعداد میں مغلوں کے آخری دور یا افغانوں کے عہد سے کمی واقع ہونی شروع ہوئی،

۱؎ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۵۲ ۲؎ اسٹین ج ۲ ص ۴۳۸، ۳؎ مروج الذہب مسعودی ج ۱ ص ۳۷۳ مرتبہ ترجمہ دی بے نارو ۴؎ تاریخ رشیدی ص ۴۳۰ ۵؎ اسٹین ج ۲ ص ۴۳۸ ۶؎ ایضاً ۷؎ لون راج (بمبئی اڈیشن) نمبر ۱۵۹، ۸؎ حدود العالم ص ۲۵۴، ابن الوردی اور دوسرے مسلمان مصنفین گانو کی تعداد ساٹھ ہزار اور ستر ہزار کے درمیان بتاتے ہیں،

تیرہواں باب (۱۳)

ثقافتی سرگرمیاں

سلاطین کے عہد میں کشمیر میں ثقافت کا معیار بہت بلند تھا، تنری درکا یہ بیان[1] کہ ہر شخص شعر و شاعری سے لطف اندوز ہوتا تھا، اور شعر گوئی کی کوشش کرتا تھا، صریحی طور پر مبالغہ آمیز ہے، لیکن تاریخوں میں اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ وادی میں فنون، ادب اور موسیقی کے لوگ کافی قدرداں تھے، کشمیری نہایت ظباع اور ذہین ہوتے تھے، اور حاضر جوابی میں لاثانی تھے[2]، وہ موسیقی کے بہت دلدادہ تھے، اور فنی شعور ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھا[3]، انہیں علم سے محبت تھی، اور زمانہ قدیم کی طرح کشمیری اپنا گھر بار چھوڑ کر ہندوستان کے دور دراز مقامات اور ترکستان اور ایران حصول علم کی تلاش میں نکل جاتے[4]، سلاطین علوم و فنون کے نہ صرف مربی تھے، بلکہ بعض تو خود شاعر اور فن موسیقی کے ماہر تھے، اہل علم مغنی اور مصور ان کے دربار کی زینت تھے، اور راجدھانی سری نگر عظیم الشان محلوں، مسجدوں، خانقاہوں اور باغوں

---

[1] تنری در ص ۱۴۴ [2] Travels ازبرنیر ص ۲-۴۰۱،۱۵ Lalla Yakyani از گریرسن اور بارنٹ دیباچہ ص ۱ [3] ہفت اقلیم رازی ورق ۱۵۶ الف [4] اس کا مقابلہ ہوان سانگ کے "سی کی" کے بیان ص ۱۴۸ (مترجمہ بیلے) سے ہو سکتا ہے،

سے بھری تھی،

ایرانی اثرات

کشمیر اور ایران کے ثقافتی تعلقات کی تاریخ بہت پرانی ہے، اس کا ثبوت سری نگر کے قریب ہارون، خانقاہوں اور کشمیر کی قدیم سنگ تراشی کے نمونوں سے ملتا ہے، جن میں ساسانی اثر بلا شبہ ظاہر ہے[1]، اسی طرح سرکاری عہدوں کے نام جیسے دبیر یا دوِر (فارسی دبیر کے اتباع میں) اور گنج ور (فارسی گنجور کے اتباع میں)[2] صاف طور پر ساسانی اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں، با این ہمہ چودھویں صدی تک کشمیر کی ثقافت کے حاوی رجحانات ہندوستانی تھے، سلطنت کی تاسیس کے بعد ایرانی ثقافت کے مرکزوں سے زیادہ گہرے اور پائدار تعلقات قائم ہوئے، اس کا انجام یہ ہوا کہ ہندوستانی اثرات کی جگہ ایرانی اسلامی عناصر نے لی، اگرچہ ہندوستانی اثر ایک دم زائل نہ ہو سکا،

عہد سلاطین میں اور زمانوں کے مقابلہ میں کشمیر اور ایران میں زیادہ قریبی ثقافتی تعلقات قائم ہونے کے کئی اسباب تھے، پہلا سبب تو یہ تھا کہ وادی میں اسلام کی اشاعت و ترقی ایران اور وسط ایشیا کے صوفی بزرگ مثلاً بلبل شاہ، سید علی ہمدانی، اور ان کے بیٹے محمد ہمدانی، میر شمس الدین اور دوسرے بزرگوں کی تبلیغی سرگرمیوں کی مرہون منت تھی، ان صوفیہ نے کشمیر کی ثقافت پر ایرانی رنگ چڑھایا، کیونکہ یہ بزرگ نہ صرف اسلام کے مبلغ تھے، بلکہ ایرانی

۱؎ Handbook of Pratap Singh museum Srinagar

از کاک ص ۶۵ - ۶۴، ۲؎ اسٹین ترجمہ ۵ ص ۱۷۷،

زبان وثقافت کے پُرجوش حامی تھے، دوسرا سبب یہ تھا کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ یہ بات بھی فطری تھی کہ مسلمان باشندے اپنے ذہنی اور روحانی سرچشموں کی آبیاری کے لیے ان ملکوں سے دلچسپی لیتے، جو اسلامی ثقافت کا مرکز[1] بن گئے تھے، کشمیری علماء نے ہرات، مرو، سمرقند اور بخارا جو ایران کی ثقافتی سلطنت کا جزو تھے، کی سیاحت کی، ممتاز فقیہوں اور بزرگ صوفیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور ایرانی ثقافت کے سرچشمہ سے جی بھر کے سیراب ہوئے، تیسرا سبب یہ تھا کہ شہاب الدین کے عہد سے ایرانی اور ایرانی تہذیب سے متاثر ہونے والے ترک سلاطین کی سرپرستی سے متاثر ہو کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں کشمیر کا رخ کرنے لگے، ان لوگوں نے عوام کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی پر گہرا اثر ڈالا[2]، وادی کا ہندوستان سے بھی گہرا ثقافتی تعلق تھا، لیکن ہندوستان کا ثقافتی اثر ایران اور ترکستان کے مقابلہ میں بہت کم تھا،

ایرانی زبان

ایران اور وسط ایشیا سے مذہبی اور ثقافتی تعلقات کے نتیجہ میں کشمیر میں فارسی ایرانی زبان پھیلی، ہندو راجاؤں اور خاندان شاہ میر کے ابتدائی دور میں سنسکرت دربار کی زبان تھی لیکن شہاب الدین کے عہد سے فارسی نے اس کی جگہ لینی شروع کر دی، جو کہ تعلیم یافتہ طبقوں کی زبان بن گئی تھی، اور اس کا اثر گانوں میں بھی بڑھا، حافظ شیرازی نے تخیل کی بلند پروازی کے ساتھ ساتھ کتنی

---

[1] یہ مراکز موجودہ ایران کے جغرافیائی حدود کے باہر وسط ایشیا، شمالی ہندوستان اور ایشیائے کوچک تک پھیلے تھے [2] یون راج ص ۵۸-۵۷،

حقیقت افروز بات کہی ہے،[1]

بہ شعر حافظ شیراز می گویند و می رقصند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

کشمیر میں فارسی کی توسیع و ترقی میں سب سے نمایاں کارنامہ زین العابدین کا ہے، وہ خود شاعر تھا، اور فارسی نثر میں دو کتابوں کا مصنف بھی تھا، اس نے فارسی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا، شعراء اور اہلِ علم کی سرپرستی کی، اور سنسکرت کی تاریخی اور علمی کتابوں کے فارسی تراجم کی ہمت افزائی کی،[2] چنانچہ اوس کے عہد میں علم و ادب کا کافی کام ہوا، لیکن ان کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، سلطان اور اس کے درباری شعراء کے کلام کے جو نمونے تاریخوں میں ملتے ہیں، اگر وہ کسوٹی کا کام دے سکتے ہیں، تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سلطان کے عہد میں کشمیر میں فارسی شاعری کا معیار کافی بلند ہوگا، زین العابدین کا لڑکا اور جانشین حیدر شاہ بھی شاعر تھا، اور اس نے نظموں کی ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعد حسن شاہ جو خود تو شاعر نہ تھا، لیکن علم و ادب کا مربی تھا اور شعراء اور اہل علم کی سرپرستی کرتا تھا، سلاطین کے نقش قدم پر امراء بھی چلے، جن کے اردگرد عالموں کا جمگھٹ رہتا تھا، اور علمی ادارے اپنے خرچ سے قائم کرتے بلکہ..... اونچے طبقہ کی خواتین بھی علم و ادب کی ترقی میں جوش و خروش سے حصہ لینے میں کسی سے پیچھے نہیں تھیں،

---

[1] Literary History of Persia از براؤن ج ۳ ص ۲۸۳

[2] دیکھو ص ۹۰ کتاب ہذا، مزید تفصیل کے لیے دیکھو میرا مقالہ انڈو ایرانیکا جلد ۷، نمبر ۳،

خاندان شاہ میر کے آخری دور میں مستقل خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے علم و ادب کی رفتار سست رہی لیکن مرزا حیدر کی تھوڑے عرصہ کی حکومت میں اور خاندان چک کے عہد میں اس کا پھر احیاء ہوا، مرزا حیدر خود ادیب تھا، اس لیے علم و ادب کی سرپرستی کرتا تھا، بدقسمتی سے اس کے دربار سے منسلک اہل علم اور اس کی سرپرستی میں تصنیف شدہ کتابوں کے نام معلوم نہیں ہیں، چک حکمرانوں میں حسن شاہ سب سے زیادہ علم و ادب سے دلچسپی لیتا تھا، وہ خود بھی شاعر تھا اور اس کو شعراء اور اہل علم کی صحبت پسند تھی، شاعر اور خطاط میر علی اسی کے عہد میں ایران سے آیا، اور کشمیر پر ایک طویل قصیدہ لکھا[1]، ملا باقی، ملا نامی اول اور ملا نامی ثانی شعراء تھے، اور حسین شاہ کے دربار سے منسلک تھے[2] علی شاہ کے دربار کے سب سے اہم شاعر کا نام تھا ملا مہری، محمد امین مستغنی کشمیری تھا، یوسف شاہ کا درباری تھا، اور اچھا شاعر تھا، اس کے دربار کے دوسرے شاعر کا نام تھا مرزا علی خان جو یعقوب شاہ اور بھگوان داس[3] کی جنگ میں مارا گیا، بابا طالب اصفہانی کشمیر میں غازی شاہ کے عہد میں آئے تھے، وہ اچھے شاعر تھے، اور تمام چک حکمران ان کی عزت کرتے تھے، جب اکبر نے کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کیا، تو بابا طالب

---

[1] واقعات کشمیر ورق ۱۶۱ الف، تاریخ حسن جلد ۴ ورق ۸۰، ۲ ب،

[2] حیدر ملک ورق ۱۶۰ الف تاریخ حسن جلد ۴ ورق ۸۰، ۲ ب ۲۷۵، الف،

[3] حیدر ملک ورق ۱۸۰ الف تاریخ حسن جلد ۴ ورق ۲۷۹ الف ب،

آگرہ گیے اور اکبر کے ملازم ہو گیے[1]

خاندان چک کے عہد حکومت کے دو خاص شاعر اور اہل علم تھے، بابا داؤد خاکی اور شیخ یعقوب صرفی، بابا داؤد مشہور کاتب شیخ حسن گنائی کا لڑکا تھا، اس کی پیدائش ۱۵۲۱ء میں ہوئی، اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ تک نازک شاہ کے لڑکے کا اتالیق رہا، پھر وہ شیخ مخدوم حمزہ کا شاگرد ہو گیا یعقوب شاہ کے عہد میں وہ یعقوب صرفی کے ساتھ اکبر کے دربار میں کشمیری حکمراں کے خلاف مدد مانگنے کے لیے حاضر ہوا تھا، واپسی پر بیمار پڑا، اور اننت ناگ میں ۱۵۸۵ء میں اس کا انتقال ہوا، وہ عالم صوفی تھا، اور اس کا کلام مذہبی اور عارفانہ ہے، اس نے بہت سی تصنیفات کیں، جن میں دستور السالکین، ورد المریدین اور قصیدۂ جلالیہ وغیرہ اہم ہیں[2]

شیخ یعقوب صرفی کے باپ کا نام شیخ حسن گنائی تھا، شیخ یعقوب کی پیدائش ۱۵۲۸ء میں ہوئی، اور انتقال ۵ ۲ر جولائی ۱۵۹۴ء میں ہوا، صرف سات سال کی عمر میں اس نے حفظ قرآن کر لیا تھا، اور اسی عمر میں فارسی میں شاعری بھی شروع کی تھی، اس نے لاہور، سیالکوٹ، سمرقند، مشہد، مکہ اور مدینہ میں مشہور اساتذہ سے فیض علم حاصل کیا[3]، وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تھا، اور ابو الفضل کے قول کے مطابق مذہبی امور میں سب سے مستند عالم تھا[4]، اس نے عربی میں فیضی

---

[1] آئین اکبری (بلاخ من)، ص ۷، ۶ اور حاشیہ [2] واقعات کشمیر ورق ۶۳ ب صوفی جلد ۲ ص ۵۰۷، ۵۴ [3] آئین اکبری (بلاخ من) ص ۶۱۵ اور حاشیہ مزید تاریخ کبیر از مسکین ص ۷۰۷۸

[4] آئین اکبر (بلاخ من) ص ۶۱۱ اور منتخب التواریخ ج ۳ ص ۲۶۶، ۲۷۱

کی تفسیر سواطع الالہام کا مقدمہ لکھا تھا، اس نے صحیح بخاری شریف کی ایک شرح لکھی، اور موت سے پہلے اس نے قرآن کی ایک تفسیر بھی تقریباً مکمل کر لی تھی[۱] بدایونی اس تفسیر کو "اس کی فطانت کا بڑا حیرت انگیز کارنامہ"[۲] کہتا ہے، یعقوب صرفی اچھا شاعر بھی تھا، اس نے بہت سی غزلیں اور قصیدے لکھے، اس نے ایک خمسہ بھی لکھا، اس کے علاوہ نظامی کے تتبع میں اس نے کئی مثنویاں بھی تصنیف کیں[۳]، اس کی طبیعت جیسا کہ بدایونی نے لکھا ہے، "بلاغت آثار شاعری کے لیے نہایت ہی موزوں تھی"[۴]

سنسکرت

یوں تو بارھویں صدی کے نصف سے ہی کشمیر میں سنسکرت علم و ادب زوال پذیر ہو گئے تھے، لیکن فارسی کے نظم و نسق اور ثقافت کی زبان بن جانے سے سنسکرت کی اہمیت روز افزوں کم ہوتی گئی، سنسکرت سرکاری زبان نہ رہ گئی، لیکن سلاطین اس کی سرپرستی سے دست کش نہ ہوئے، اور کشمیر کئی بڑے سنسکرت عالموں کے نام پر فخر کر سکتا ہے[۵]، سلاطین کے عہد میں یون راج، شری ور، پراجیہ بھٹ اور شک نے اپنی اپنی تاریخیں لکھیں، تاریخ کی ایک کتاب کے علاوہ شری ور نے جامی کی تصنیف یوسف زلیخا کا سنسکرت میں ترجمہ بھی کیا، اور کشمیر اور ہندوستان کے ۳۵۰ شعراء کے کلام کا انتخاب بعنوان "سبھاشتا ولی" بھی مرتب کیا[۶]، اس عہد

---

[۱] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۲۰۰۔۱ صوفی ج ۲ ص ۳۲۰ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۲۰۱ [۳] ایضاً ص ۲۰۰ اور حاشیہ ۱، [۴] ایضاً جلد ۳ ص ۳۲۰ [۵] لوگاکشی گرہ سوتر، از شاستری دیباچہ ص ۳ Kashmir Series of Texts And Studies XLIX

[۶] Report on Tour از بولہر ص ۶۱

کی اہم تصنیفات میں جگدھر بھٹ کی تصنیف "استتی کسمانجلی،، (۱۴۵۰ء) اور ستیا کنٹھ کی تصنیف بال بودھنی،، (۱۴۷۵ء)[1] اور پندرہویں صدی میں تصنیف شدہ درو راج کی "شیو سوتر ودرتکا،، کا ذکر کرنا ضروری ہے[2] یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ فارسی کی روز افزوں مقبولیت کے باوجود نجی اور سرکاری کاموں میں سنسکرت کا استعمال بالکل ختم نہ ہوا تھا، درحقیقت اکثر تو فارسی کے شانہ بہ شانہ استعمال ہوتی رہی، پندرہویں اور سولہویں صدی کی متعدد قبریں سری نگر اور بیج بہار میں آج بھی موجود ہیں، جن پر دونوں زبانوں میں کتبے ہیں اوپر سنسکرت میں اور نیچے فارسی میں،، اسٹائن نے ۱۶۸۲ء کے ایک بیع نامہ کا حوالہ دیا ہے، جو سنسکرت اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا گیا تھا،[3] اسی طرح سری نگر کے میوزیم میں کشمیر کے مشہور صوفی بزرگ شیخ مخدوم حمزہ کا وصیت نامہ موجود ہے، یہ دونوں زبانوں میں بھرجا پتر پر تحریر ہے، اور اس کا سنہ تحریر ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۷۶ء ہے، دائیں طرف سنسکرت عبارت جو شاردا حروف میں ہے، پڑھی نہیں جا سکتی، لیکن فارسی کا متن جو بائیں طرف ہے کچھ پڑھا جا سکتا ہے، ان مثالوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وادی میں سنسکرت کے قدم زیادہ دن نہ جم سکے، اور سترہویں صدی کے آخر تک تو اس کا استعمال اور مطالعہ چند برہمن خاندانوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا، فارسی کے فروغ کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ

---

[1] یہ معلومات ریسرچ اینڈ پبلیکیشن ڈپارٹمنٹ سری نگر نے فراہم کی تھیں،

[2] Kashmir Series of Texts and Studies XLIII

[3] جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۹ء ص ۱۸۷ وغیرہ

بہت سے غیر ملکی الفاظ سنسکرت میں داخل ہو گئے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ساسانیوں کے اثر سے ہندوؤں کے عہد میں دبیر، ادر، گنج در جیسے الفاظ کشمیر کے سرکاری استعمال میں آ چکے تھے، خاندان شاہ میر کی تاسیس سے فارسی الفاظ کی بہت بڑی تعداد سنسکرت زبان میں شامل ہو گئی، چنانچہ "لوک پر کاش" کے ان حصوں میں جو سلاطین کے عہد میں لکھے گئے تھے، فارسی کے بہت سے نئے الفاظ مثلاً شاہی، خواص، سرترانا (سلطان) اور صلح دار شامل ہیں، یہ الفاظ لوک پر کاش کے اُن حصوں میں نہیں پائے جاتے، جو شمیندر کی تصنیف بتائے جاتے ہیں، یا کلہن کی راج ترنگنی[1] میں بھی ان کا وجود نہیں ہے، اسی طرح یون راج، شری ور، پراجیہ بھٹ اور شک کی سنسکرت تاریخوں میں عربی فارسی اور ترکی کے بہت الفاظ مثلاً خاتونہ (خاتون[2]) کھان گاہ (خانقاہ، تک، ملک) مسجیدہ یا مسیدا (مسجد) مدرسہ[3]، رواد ر باب[4]) ملتے ہیں،

کشمیری شاعری

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ راجاؤں کے زمانہ میں سنسکرت ثقافت کی زبان تھی، لیکن سلاطین کے عہد میں اس کا مقام فارسی نے لے لیا لیکن کشمیری، معتدبہ اکثریت کی مادری زبان رہی، فارسی کے اثر سے یہ اور پھلی پھولی، اور سلاطین کی سرپرستی سے اس کا اپنا موقر شعری ادب پیدا ہو سکا،

---

[1] Indiscne Studiene ج ۱۸ ص ۲۹۴، ۳۴۷، ۳۵۰

[2] شری ور ص ۱۵۷

[3] ایضاً ص ۱۷۰ - ۲۶۵، [4] ایضاً ص ۱۳۶

کشمیری زبان کی سب سے پرانی مصنفہ للہ دید[1] ہے، کیونکہ تاریخوں میں اس سے پہلے کسی مصنف کا ذکر نہیں آیا، وہ ایک عظیم شاعرہ تھی، اور اس کی نظموں میں عمیق فلسفیانہ معانی پائے جاتے ہیں، اس نے اپنے خیالات کا اظہار عام فہم زبان میں کیا، یہی وجہ ہے کہ آج بھی وادی میں اس کی نظمیں زبان زد ہیں، اور بات چیت، کہاوتوں اور ضرب الامثال میں استعمال ہوتی ہیں، اس کی نظموں میں سنسکرت کے بہت سے الفاظ ملتے ہیں[2] لیکن بعد کے شعراء خاص طور سے مسلمان شعراء فارسی کے الفاظ زیادہ استعمال کرتے تھے[3]، ان کی شاعری فارسی عروض میں ہے، اور انھوں نے فارسی تشبیہیں، استعارے اور تمثیلیں استعمال کی ہیں، لیکن انھوں نے مقامی اساطیر اور کہانیوں اور ماحول کی اپیل سے یکسر چشم پوشی نہیں کی[4]،

للہ دید کا ہم عصر اور وادی کا مقبول عام بزرگ نورالدین رشی بھی شاعر تھا اور اس نے کشمیری ادب کو مالا مال کیا، اس کے مقولے جن پر مذہب اور تبلیغ کا رنگ غالب ہے، للہ دید کی کہاوتوں کی طرح، ہر کشمیری کی زبان پر ہیں،[5]

---

[1] Linguistic Survey of India (از گریرسن ج ۸، ح ۲، ص ۲۳۶

[2] اس نے کبھی کبھی فارسی کے الفاظ مثلاً شکار استعمال کیا ہے، (نظم ۱۵)

[3] نورالدین نے عاشخ (فارسی عاشق) اور لامکان جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں (کول نظم نمبر ۱) حبہ خاتون نے پیالہ، شیشہ، سنبل، گل، بلبل، دل، دیدار وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں، (ایضاً نمبر ۴۳، ۴۵، ۸، ۱۵، ۲۰)

[4] Kashmiri Lyrics از کول دیباچہ ص ۱۵

[5] ایضاً

سب سے پہلی غیر مذہبی نظم "بان سر ودہ" سلطان زین العابدین کے عہد میں لکھی گئی تھی جو نہ صرف فارسی بلکہ کشمیری زبان کا بھی سرپرست تھا[1] اس کے عہد کی دوسری تصنیف "ستیا کنتھ" کی "دھانیہ پرکاش" ہے، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پندرہویں صدی کی تصنیف ہے، زین العابدین کے عہد کی دو اور تصنیفیں ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، ناتھ سوم پنڈت کی "جین چرت" اور بودھ بھٹ کی "جین پرکاش" ہے[2]

خاندان چک کے عہد حکومت میں ایک مشہور شاعرہ حبہ خاتون تھی، وہ یوسف شاہ کی ملکہ تھی، کشمیری شاعری میں لول[3] یا عشقیہ شاعری کی ابتدا اسی نے کی تھی، اور ایک صوفی بزرگ سید مبارک کے مشورہ پر اس نے فارسی عروض استعمال کیے، جبکہ للہ دید اور نورالدین رشی کی نظمیں عارفانہ اور ناصحانہ ہیں، حبہ خاتون کے نغموں میں انسانی محبت، اس کی ناامیدیاں، اس کی تڑپ، اس کی کامیابی کا ذکر ہے، ان میں جذبات کی فراوانی، موسیقی اور نغمگی ہوتی ہے، اور آج بھی دستکار، کسان اور ملاح اس کو گاکر لطف اندوز ہوتے ہیں،

تعلیم

کشمیر میں سلاطین کے عہد میں تعلیم عام تھی، سلاطین اور امراء نئے نئے مدارس کھولنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے، وہ ان پر جاگیریں وقف کرتے جس کی وجہ سے ہر گانوں میں ایک مدرسہ تھا، اس کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی

---

[1] Kashmiri Lyrics از کول [2] ایضاً [3] "لول" کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں "محبت، تمنا اور دل کی آرزو" (Kashmiri Lyrics از کول دیباچہ ص ۱۱)

طرف بھی توجہ تھی، اور سری نگر میں ایک یونیورسٹی تھی، خانقاہیں بھی علم کا مرکز تھیں جہاں قابل اساتذہ طلبہ کو درس دیتے تھے[1]

ان مدرسوں کا نظام اور نصاب تعلیم ہندوستان، ترکستان اور ایران کے مدرسوں کا سا تھا، عام طور پر پانچ سال کی عمر میں بچہ کو مدرسہ میں بٹھایا جاتا، جہاں وہ عربی حروف تہجی سے روشناس ہو کر قرآن پڑھنا سیکھتا[2] اس کے بعد اس کو علوم متداولہ مثلاً علم الکلام، علم التوحید، تفسیر، حدیث، فقہ کا مطالعہ کرنا پڑتا، طبیعی علوم بھی پڑھائے جاتے، اور تیر اندازی، شمشیر زنی اور گھوڑ سواری بھی سکھائی جاتی، اداروں کے صدر، سربرآوردہ علمار ہوتے، اور ہندوستان، ہرات، ترکستان سے طلبہ آکر ان سے فیض حاصل کرتے[3]

شہاب الدین کشمیر کے سلاطین میں پہلا سلطان تھا جس نے وادی کے مختلف حصوں میں مدارس قائم کیے[4]، اس کے علاوہ سری نگر میں قرآن وحدیث کے مطالعہ کے لیے اس نے ایک کالج بھی قائم کیا تھا، قطب الدین نے تخت نشین ہونے پر اپنی نئی راجدھانی قطب الدین پور میں ایک کالج قائم کیا، اور میر حاجی محمد قاری کو اس کا پرنسپل مقرر کیا، اس کالج سے متعلق ایک دارالاقامہ بھی تھا جس میں اساتذہ اور طلبہ کے قیام وطعام کا مفت انتظام تھا، یہ کالج سکھوں کے عہدِ حکومت تک

---

[1] خوارق السالکین ورق ۵۵ اب واقعات کشمیر ورق ۱۸ الف

[2] تذکرہ ملا رینا ورق ۱۱۵ الف، ب، [3] ایضاً ورق ۱۲ ۵ الف

[4] حیدر ملک ورق ۱۰۸ اب واقعات کشمیر ورق ۱۸ الف

[5] نوادر الاخبار ورق ۲۹ ب، گوہر عالم ورق ۱۱۰ ب مزید دیکھو سید علی ص ۱۰

قائم رہا لیکن سرکاری سرپرستی کی کمی کی وجہ سے اس کو بند کرنا پڑا، قطب الدین کے عہد میں ایک اور مدرسہ تھا جس کا نام عروۃ الوثقیٰ تھا، اس کی بنیاد سید جمال الدین محدث نے رکھی تھی، سید صاحب کشمیر میں سید علی ہمدانی کے ساتھ آئے تھے، اور قطب الدین کے اصرار پر قیام کرنے پر رضامند ہو گئے تھے، قطب الدین کے لڑکے اور جانشین سکندر نے بہت سے اسکول کھولے اور اپنی تعمیر کردہ جامع مسجد کے ساتھ ایک کالج اور دار الاقامہ کی بنیاد رکھی تھی، ملا افضل بخاری اسی کالج میں درس دیتے تھے، اور ناگام کا گانوں بطور جاگیر ملا تھا[1]

لیکن وادی میں توسیع تعلیم کے لیے جس سلطان نے سب سے زیادہ کام کیے، وہ زین العابدین تھا، اس نے نوشہر میں اپنے محل کے پاس ایک اسکول کھولا، اور مولانا کبیر کو اس کا ناظم بنایا، خود سلطان کبھی کبھی مولانا کا درس سننے آیا کرتا تھا، اسکول کے خرچ اور غیر مستطیع طلبہ کو وظائف دینے کے لیے اس نے ایک وقف قائم کیا تھا، جس کے متولی مولانا کبیر تھے، یہ ادارہ سترہویں صدی کے نصف تک قائم رہا، اس کے علاوہ سلطان نے زین گیر میں ایک کالج اور اسلام آباد کے قریب دھیجن پور کی سیر پر ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا جس کے مدرس اعلیٰ ملا غازی خان تھے، بابا اسماعیل کبروی کی خانقاہ میں بھی تعلیم کا انتظام تھا، بابا اسماعیل حسن شاہ کے عہد میں شیخ الاسلام ہوئے تھے، ان کے علم کا اتنا شہرہ تھا کہ ہرات ہندوستان اور ماوراء النہر سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے،

زین العابدین کو تعلیم سے اتنی دلچسپی تھی، کہ وادی کے باہر بھی تعلیمی اداروں کو مالی امداد دینے سے احتراز نہ کرتا تھا، چنانچہ سیالکوٹ کے مدرسۃ العلوم کو اس نے ۲ لاکھ روپیے کا

---

[1] تاریخ کبیر از مسکین ص ۲۹۰

چندہ دیا تھا، اور اس کی ملکہ نے اپنا بیش قیمت گلوبند دیا تھا، مدرسوں کے علاوہ سلطان نے ٹیکنیکی اسکول بھی کھولے، جہاں عوام کو کاغذ سازی، جلد بندی، اور دوسرے فنون جن کی داغ بیل سلطان نے ملک میں ڈالی تھی سکھائے جاتے،

حسن شاہ کے دورِ حکومت میں بہت سے مدرسے کھولے گئے، سلطان کی ماں گل خاتون اور اس کی ملکہ شاہ بیگم اور اس کے وزیر اعظم ملک احمد کی بیوی اور نور نو اور تازی بٹ جیسے امراء تعلیم سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، اور اپنے خرچ سے مدرسے قائم کرتے تھے، سلطان حسن شاہ نے ڈل جھیل کے کنارے پکھری پل میں مدرسہ دار الشفا قائم کیا تھا، اور بابا اسماعیل کبروی کو اس کا صدر مدرس بنایا تھا، نوھٹہ اور ڈل کے درمیان واقع "باغاتِ مال خانہ"، اور لار پرگنہ میں برھم کا گانوں اس مدرسہ پر وقف تھے،

خاندان شاہ میر کی طرح چک حکمران بھی تعلیم کے بہت بڑے سرپرست تھے، چنانچہ حسین شاہ نے حسن شاہ کے قائم کردہ مدرسۂ دار الشفا میں کافی ترمیم و اضافہ کیا، اور اس کے علاوہ ایک کالج بھی کھولا جس پر زین پور کی لگان وقف کر دی، کالج میں کتب خانہ اور دار الاقامہ تھا، ان پر بھی جائداد وقف تھی، اس کالج کے پرنسپل فتح اللہ حقانی اور ان کے نائب اخوند ملا درویش تھے،

صنعت وحرفت

سلاطین کے عہد کا ایک خاص کارنامہ چھوٹے فنون کی ترقی ہے، لیکن بدقسمتی سے ان کی نشو ونما کی تاریخ کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے عہد کے فنی نمونے بہت کم دستیاب ہوئے ہیں، کشمیر میں تو زمانہ قدیم سے پارچہ بافی کا فن ترقی پر تھا،

کشمیر کا اونی کپڑا گرمی اور پائداری کے لیے مشہور تھا، اور ساسانی فوج بطور لباس اس کو استعمال کرتی تھی۔[۱] کشمیریوں نے ہندو راجاؤں کے عہد میں چینیوں سے ریشم کے کیڑے پالنا سیکھا تھا لیکن زین العابدین نے بنائی کے بہتر طریقے اور ایران سے آرائش کا اسلوب لا کر ریشمی کپڑوں کی صنعت کو بہت ترقی دی، اس وجہ سے کشمیر ریشمی کپڑوں کے لیے مشہور ہو گیا۔[۲]

جہاں تک شال کی صنعت کا تعلق ہے، اس کی ابتدار کے متعلق کچھ بھی قطعی طور پر نہیں معلوم، مقامی روایتوں کے مطابق جس کا ریکارڈ انیسویں صدی میں ملتا ہے سب سے پہلے ترکستانی پارچہ بافوں نے کشمیری شال کی بنائی شروع کی تھی، جنھیں زین العابدین نے وادی میں بسنے کی دعوت دی تھی۔[۳] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سید علی ہمدانی نے ۱۳۷۸ء میں شال کی صنعت کی ابتدار کی تھی، بہر حال حقیقت جو بھی ہو، لیکن اتنا ضرور ہے کہ شال کی صنعت تیرہویں صدی سے پہلے موجود نہ تھی، کیونکہ کلہن کی راج ترنگنی یا کسی دوسرے ماخذ میں اس کا حوالہ نہیں ملتا، اور یہ کہ سلاطین کے عہد ہی میں ایران اور ترکستان کے پارچہ بافوں کی مدد سے اس صنعت کی نشو ونما ہوئی، ان مہاجروں نے نہ صرف نئے نمونے کی شال تیار کی بلکہ بنائی کی ایک نئی

---

[۱] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (بمبئی ج ۱۹ ص ۲۴۱)

[۲] سری ور ص ۱۵۱ طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۰۴ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں کشمیر میں ریشم کے بہت عمدہ دھاگے بنتے تھے۔

[۳] Hugel, Travels in Kashmir ص ۱۱۴، ۱۱۶ مزید دیکھو جرنل آف دی رائل سوسائٹی آف آرٹس xxx ص ۳۰۹

[۴] Jammu and Kashmir State Handbook ص ۳۰۹

تکنیک دو سوتی مشجر تکنیک کی ابتدا کی جس کی مثال ایران اور وسط ایشیا میں مل جاتی ہے، لیکن ہندوستان اور پاکستان[۱] میں کہیں نہیں ملتی، بہر حال اس صنعت کی تاریخ کا پتہ لگانا ممکن ہے، کیونکہ سترہویں صدی کے آخری نصف سے پہلے کی کوئی شال اب باقی نہیں رہ گئی ہے، نثری در سے صرف معلوم ہو سکا ہے، کہ زین العابدین کے عہد میں کشمیر اپنی شال کے لیے مشہور تھا،[۲] جب مغلوں نے وادی کو فتح کیا، شال کی صنعت کافی ترقی یافتہ حالت میں تھی، اس کے بعد اس کی ترقی کی رفتار آسانی سے معلوم کیجا سکتی ہے، لیکن یہ اس تصنیف کے باہر کی بات ہے،

دھاتوں پر قلعی کرنے کا فن ہندوستان اور کشمیر میں ایران سے آیا تھا،[۳] مسلمان کھانا پکانے اور کھانے کے لیے تانبہ کے برتن استعمال کرتے ہیں، اس لیے استعمال سے پہلے ان پر قلعی کرنا ضروری ہوتا ہے، کشمیر میں لوٹے عام طور سے سرخ تانبے کے ہوتے ہیں، ان پر نقش ونگار اور مینا کاری اور قلعی ہوتی ہے ان کے دستے مچھلی کے اور چینی اژدہے،[۴] کے سر اور دم کی طرح ہوتے ہیں، اور ان پر بنے ہوئے نقش ونگار اور اشکال ایرانی ہوتے ہیں، یہ نقش ونگار اس بات کی نشان دہی

---

[۱] مزید تفصیل کے لیے دیکھو جان ارون کا مقالہ "کشمیر کی شال" (مطبوعہ مارگ) ج ۶ نمبر ا

ص ۵۰-۴۳ [۲] نثری در ص ۱۵۱، [۳] Indian Art Exhibiteon از

Gorge (دسمبر ۱۹۰۳) ص ۱۶ [۴] L'Art des cuivres Anciens au cachemere

ص ۱۱۰ از Uffaluy لیکن Duhousset اپنی کتاب Les Art decoratifs

Thibet au cachemere au Petit ص ۲۸۶

(Revued Ethnographic Sept oct 1882) لکھتا ہے کہ یہ دستے daulphin

کی شکل کے ہوتے ہیں ... Dragon ...

کرتے ہیں، کہ ان پہ ہندو آرٹ[1] کا اثر باقی ہے، چنانچہ کشمیر کے دھات کے برتنوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وادی کشمیر میں تین قدیم تہذیبیں یعنی ایرانی، چینی اور ہندو ایک دوسرے سے گلے ملیں لیکن ایرانی تہذیب چینی اور ہندو تہذیبوں پر حاوی رہی، اگرچہ ایرانی تہذیب میں مقامی طریق اظہار نے کافی ترمیم و اضافے کیے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کشمیری صرف نقال تھے، وہ غیر ملکی اثرات ضرور قبول کرتے تھے لیکن اس میں اپنا رنگ بھی ملا کر ایک نئی چیز پیدا کر دیتے، چنانچہ ان کے کچھ لوٹے ایرانی ساخت سے بالکل مختلف ہیں، اور کچھ تو ایشیا بھر میں اپنی مثال آپ ہیں، اس کے علاوہ کشمیری میناکاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے، میناکاری کا فن ایران اور دوسرے ملکوں کے مسلمان صناعوں میں مقبول نہ ہو سکا[2] کشمیری اپنے برتنوں پر ایسے نقش و نگار بناتے ہیں، جو ان کے فن کو ہندوستان اور ایران کے فن سے ممتاز کرتا ہے، اس طرح کشمیر کا فن طبع زاد کہلانے کا بھی مستحق ہے، اجفالوی لکھتا ہے "اسلام کے ساتھ کشمیر میں ایرانی عربی فن بھی آیا، کشمیری ساری دنیا میں اور خصوصاً وسط ایشیا میں اپنی اختراع پسندی کے لیے مشہور ہیں، ان کے سامنے فن کے بہت سے خوبصورت نمونے آئے، وہ نقل کرنے اور اس کو تکمیل تک پہونچانے کے فن میں طاق تھے، چنانچہ وہ روزانہ استعمال کی چیزیں بناتے بناتے فن کے اصلی نمونوں سے بھی آگے بڑھ گئے"[3]

دھات کے برتن کے علاوہ سلاطین کے عہد میں لکڑی پر نقاشی کے فن نے بھی

---

[1] Ujfalvy. Art des Cuivres Anciens au Cachemen. ص ۲۷

[2] ایضاً ص ۲۹

[3] Ujfalvy ص ۲۸

بہت ترقی کی، اس کا ثبوت موجود ہے، کہ یہ فن کشمیر میں زمانہ قدیم میں بھی تھا، اور چونکہ ازمنۂ وسطیٰ میں زیادہ تر عمارتیں لکڑی کی ہوتی تھیں، یہ فن ترقی کرتا رہا، اس زمانہ کا صرف ایک نمونہ جو زمانہ کی دست برد سے بچ سکا ہے، وہ مسجد مدنی کا دروازہ اور جھنجری دار جنگلے ہیں، جن پر نقش و نگار بنے ہیں، جامع مسجد اور مسجد مدنی اور ہمدانی کی مسجد میں جالی کے پردے اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ جالی کے پردے پہلے بھی موجود ہوں گے، کیونکہ مغلوں کے عہد میں ان عمارتوں کی دوبارہ تعمیر کے وقت ان کے نقوش کو برقرار رکھا گیا تھا، جہاں تک چھوٹی صنعتوں کا تعلق ہے، روایت یہی کہتی ہے کہ ان کی ابتدا، سلطان زین العابدین کے ہاتھوں ہوئی تھی، لیکن ان کے متعلق کوئی تبصرہ کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ان کا ایک نمونہ بھی زمانہ کی دست برد سے نہیں بچ سکا ہے[1]،

مصوری

کشمیری مصوری کا تفصیلی جائزہ ناممکن ہے، کیونکہ سلاطین کے عہد کی مصوری کا ایک بھی نمونہ خانہ جنگیوں کے طوفان اور بیرونی حملوں سے بچ نہیں سکا ہے، لیکن اس بات کا ثبوت موجود ہے، کہ کشمیر کی فنی روایتیں بہت عظیم تھیں، اور اس کے فن کا ایک جداگانہ اسلوب تھا، زین العابدین کے دربار میں مشہور مصور ملا جمیل رہتا تھا[2]، اکبر کے دربار میں پانچ کشمیری مصور رہتے تھے، لیکن کشمیری طرز کا اثر مغل اسکول پر کیا پڑا، اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جاسکتا[3]، بہرحال جیسا کہ براؤن نے لکھا ہے، "کشمیری مصور اپنے موئے قلم سے بہت نازک تاثر پیدا کرتے تھے، وہ پانی ایک جگہ اکٹھا کرتے اور جب پانی سوکھ جاتا تو اس کے تلچھٹ کو لیکر انسانی شبیہ کے پس منظر کے لیے

---

۱ صوفی ج ۲ ص ۵۵۵ رقم طراز ہے، کہ وکٹوریہ اور البرٹ میوزیم میں مغلوں کی فتح سے پہلے چونتیس تصویروں کا ایک سٹ موجود ہے لیکن ہندوستانی سکشن کے اسسٹنٹ کیپر مسٹر جان اروِن کا کہنا ہے کہ میوزیم میں کشمیری طرز (صرف چند شال کے ٹکڑوں کو چھوڑ کر) کی ۱۹ ویں صدی سے پہلے کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ۲ طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۳۹، ۳ Indian Penting under the mughas از Brown ص ۱۲۱

استعمال کرتے، جو ہلکا لیکن حسین امتیاز شبیہ کے رنگ اور زمین کے رنگ میں پیش کرتا۔[۵۱]

فن خطاطی

سلاطین کشمیر فن خطاطی کی بڑی سرپرستی کرتے تھے لیکن بدقسمتی سے فن خطاطی کے نمونے کے طور پر ایک بھی مسودہ نہیں بچا ہے لیکن کچھ مسجدوں اور مقبروں میں دیدہ زیب خط نسخ اور نستعلیق میں فارسی اور عربی کتبے موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فن خطاطی کشمیر میں نقطۂ عروج تک پہنچ چکا تھا، زین العابدین اور حسن شاہ کے عہد کے کتبوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خط نسخ کا رواج تھا لیکن خاندان شاہ میر اور چک سلاطین کے عہد میں خط نستعلیق کا عام رواج تھا، زین العابدین کے عہد میں ایران اور ترکستان سے بہت سے خطاط وادی میں آئے، اور ان کو جاگیریں بھی عطا ہوئیں سلطان نے ان سے زمخشری کی تفسیر قرآن کی کئی کاپیاں تیار کرائی تھیں[۵۲] چکوں کے عہد کا سب سے ممتاز خطاط محمد حسین تھا، جو کشمیر کے مغل سلطنت میں شامل ہونے پر اکبر کی ملازمت میں آگیا تھا، اکبر نے اس کی خطاطی کی لطافت حسن اور تناسب سے متاثر ہو کر اس کو "زرین قلم" کا خطاب دیا۔[۵۳] چکوں کے عہد کا دوسرا مشہور خطاط علی چمن کشمیری تھا، اس کو بھی اکبر کی سرپرستی حاصل تھی،[۵۴] جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کے ممتاز خطاط بھی کشمیری نسل سے تھے،

سنگ تراشی

اس کتاب میں کہین پر منبت کاری کے نمونے کی ایک تصویر دی گئی ہے،[۵۵] یہ نمونہ

---

۵۱ Indian Painting under the mughals Brown ص ۱۸۹

۵۲ صوفی ج ۲ ص ۵۰۸ ۵۳ آئین اکبری (بلاخ من) ص ۱۰۹ ۵۴ ایضاً،

۵۵ اصل انگریزی کتاب دیکھیے، اردو ترجمہ میں تصویر نہیں دی جا سکی،

ڈاکٹر سونتی کمار چیٹرجی نے میری توجہ یونیورسٹی آف منسلوانیا کے میوزیم میں پتھر کی ایک شبیہ کی طرف دلائی تھی

بارہ مولہ کے قریب اسکر مقام پر چرچ مشن اسکول بارہ مولہ کے فادر دی راتیر کو ملا تھا، اور سلاطین کے عہد کی سنگ تراشی کا یہ واحد نمونہ ہے، جو موجود ہے، اس میں ایک گھوڑ سوار دکھایا گیا ہے، سوار دو لبادے پہنے ہوئے ہے، ایک تو چست کوٹ ہے جس کے اونچے کالر ہک سے بند ہیں، دوسرا اوپر کا کوٹ ہے جس کی آستین چھوٹی منقش ہے اور اس کی کمر پر یہ کوٹ چار تہ کے ٹیکے سے بندھا ہوا ہے، پیر بد قسمتی سے ٹوٹ گئے ہیں لیکن نیچے کا لباس جو شاید سروال ہو نیچے کی طرف زاویہ در زاویہ مڑا ہوا نظر آتا ہے، سوار کے ہاتھ میں کمان ہے، فتراک میں تیر بھرے ہیں، ایک بڑی تلوار، دو خنجر، ایک کٹارہ، ایک تبر، اور ایک ڈھال اس کے پاس ہے، گھوڑا خوبصورت زری کے کپڑے سے ملبوس ہے، جو اس کے جسم پر پٹی سے بندھا ہوا ہے، اس تصویر سے لباس اور مجسمہ سازی کے نقطۂ نظر سے وسط ایشیا کے سواروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اس سے معاصر فوجی ساز و سامان پر بھی روشنی پڑتی ہے، پتھر پر جو کتبہ ہے، وہ شارادا رسم الخط میں ہے، اور اس پر شکروار کا دن ماگھ کے مہینے کی نویں اماوس ۲ ؁ لوکک سال درج ہے، جو ۱۵۲۶ء کے مطابق ہے،

فن تعمیر

عظیم مغلوں کی طرح سلاطین کشمیر بھی زبردست معمار تھے، لیکن بد قسمتی سے چند مقبروں اور مسجدوں کو چھوڑ کر ان کی بنوائی ہوئی تمام عمارتیں تلف ہو گئی ہیں، اس زمانہ کی عمارتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، (۱) معماری طرز، (۲) چوبی طرز، پہلی طرز کی عمارتوں میں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۴) اس میوزیم کے کیوریٹر صاحب نے مجھے اس پتھر کی شبیہ کی تصویر بھیجی ہے، اور یونیورسٹی میوزیم بوسٹن کی ایک کاپی بھیجی ہے جس میں اس شبیہ کی تفصیل دی گئی ہے، میں کلکتہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر ماکے گنگولی کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس شبیہ کی تفصیل بیان کرنے میں میری بڑی مدد کی،

ایک عمارت زین العابدین کی ماں کا مقبرہ سری نگر میں اب بھی موجود ہے، اگرچہ یہ ایک پرانے مندر کی کرسی پر بنا ہے، لیکن کرسی کے اوپر جو انیٹوں کی عمارت ہے مسلمانوں کے مقبرہ کے طرز پر بنی ہے، پھاٹک کے دونوں طرف طاقوں کو چھوڑ کر جو مارتنڈ کی طرح ہیں، دیواروں پر بنے ہوئے نکیلی محراب اور پھاٹک کے اوپر انیٹ کی محراب سب کی سب اسلامی طرز کی ہیں، بیرونی دیواروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر نیلے رنگ کی چمکیلی انیٹیں جڑی ہوئی ہیں، اور عمارت کے اوپری حصہ میں چار چھوٹے چھوٹے گنبد اور بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے لیکن سارے گنبد ایک ہی طرز کے ہیں، بیچ کا گنبد ایک اونچے ستون پر ہے جس کی دیوار میں محرابیں کھلی ہیں، چھوٹے گنبدوں کے نیچے کی دیوار میں چھت دار راستے ہیں، ان کے نیچے ایک گھماؤ دار دندانے دار آرائش ہے، یہ طرز تعمیر یعنی عمارت کے چاروں کونوں پر چھوٹے گنبد اور بیچ میں ایک بڑا گنبد ہندی مسلم فن تعمیر میں پہلی بار نظر آتا ہے، دوسری بار یہ طرز کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ سہسرام میں شیر شاہ کے مقبرہ میں دکھائی پڑتا ہے،

سری نگر میں معماری طرز کی دوسری عمارت سید محمد مدنی کا مقبرہ ہے، سید صاحب سکندر کے عہد حکومت میں مدینہ سے کشمیر بحیثیت سفیر تشریف لائے تھے، اس کی تعمیر ۸۴۸ھ مطابق ۱۴۴۴ء میں ہوئی تھی، لیکن اب یہ کھنڈر ہو گئی ہے لیکن ابھی حال تک اس میں دو خاص باتیں تھیں، پہلی بات تو اس کی رنگین انیٹیں ہیں، جو ایران سے آئی تھیں، اور مغل ٹائلز سے مختلف تھیں[1]، اس مقبرہ میں رنگین انیٹیں مربع شکل کی تھیں،

---

[1] اب اس عمارت میں صرف نصف درجن ٹائلیں باقی ہیں، کچھ سری نگر میوزیم میں ہیں لیکن بقیہ کو لوگ متبرک یادگار سمجھکر اٹھالے گئے، پٹنہ میوزیم میں اس عمارت کی جڑی ٹائلیں ہیں، وہ مغلوں کے عہد کی معلوم ہوتی ہیں،

اور ان کے رنگ نہایت چمکیلے جیسے نیلا، سرخ، بھورا، سبز، زرد ایک ہی ٹکڑے پر تھے، لیکن منقلوں کی ٹائل چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں مختلف رنگوں کی ڈزاین بن جاتی اور موزیک جیسی نظر آتی،

لیکن سب سے اہم بات اس عمارت میں کثیر رنگ کی ٹائل پر بنی ہوئی ایک جانور کی شبیہ تھی، جو مشرق میں سامنے آنے والے محراب دار راستہ کے نصف جنوب میں تھی، جانور کا جسم چیتے کا، دھڑ انسان کا جس کا سر، سینہ اور کندھا غائب ہے، لیکن وہ اپنی ہی دم کو تیر کمان سے مارتا ہوا نظر آتا ہے، جس کی دم کی سرے پر ایک اژدہے کی قسم کے جانور کا سر ہے، اور قریب سے ایک لومڑی بادلوں اور پھولوں کے درمیان سے یہ نظارہ دیکھ رہی ہے، اس تصویر کا پس منظر نیلا ہے، چیتے کا جسم زرد رنگ کا ہے، اور اس پر سبز دھبے ہیں، آدمی کا دھڑ سرخ رنگ کا، اژدہے کا سر اور لومڑی کا رنگ سرخی مائل بھورا ہے، اور پھول مختلف رنگوں کے ہیں، بادلوں کا رنگ اور اژدہے کا سر چینی اور ایرانی اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں[1] لیکن

بہرحال وادی میں چوبی طرز کی عمارتیں زیادہ مقبول تھیں، اگرچہ ہندوؤں کے عہد میں لکڑی کی عمارتوں کا رواج تھا، لیکن سلاطین کے عہد میں یہ زیادہ مقبول تھیں، یہ شاید اس وجہ سے تھا، کہ لکڑی کے ڈھانچہ پر بنی ہوئی عمارتیں زلزلہ میں اینٹ اور پتھر کی عمارتوں کے مقابلہ میں کم گرتی تھیں، اس کے علاوہ تبدیلیِ مذہب کی وجہ سے عبادت گاہوں کے لیے زیادہ اور تیزی سے عمارتیں بنانے کی ضرورت تھی، ہندو طرز تعمیر کی عبادت گاہوں کی زیادہ ضرورت نہ تھی، لکڑی وافر تھی، اور

۱؎ Archaelogical Survey of India Report (۱۹۰۶-۷ء)

آسانی سے عمارت بن جاتی تھی، اس لیے لکڑی نے پتھر کی جگہ لے لی، اور جب یہ طرز چل پڑا تو پھر کہاں رکنے والا تھا[1]

مسجدیں اور مقبرے سب کے سب ایک ہی طرز کے تھے، سب کی شکل چوکور ہے، لیکن جب کہ مسجد مدنی اور مسجد ہمدانی ایک ہی مقام پر چوکور عمارتیں ہیں، تو سری نگر کی جامع مسجد میں کئی چوکور عمارتیں ہیں، جس میں ایک کشادہ صحن بھی ہے، جس کو ستونوں کی ایک قطار آپس میں ملاتی ہے، دیواریں کبھی اینٹوں کی بنتیں، اور کبھی لکڑی کی، لکڑی کے لٹھوں کو ایک دوسرے کو خلاف سمت میں رکھ دیتے اور لٹھوں کے بیچ میں جو جگہ بچ جاتی، اس کو اینٹوں سے بھر دیتے، چونکہ کشمیری لکڑی جوڑنے کے فن سے ناواقف تھے، اسلیے لٹھوں کو مضبوطی کے ساتھ ایک پتلی اور نوکیلی لکڑی سے باندھ دیا جاتا، انہیں اور دوسرے طریقے مثلاً بیل یا پٹی اور لکڑی کو ترچھے رکھ کر باندھنے کا فن بھی نہیں معلوم تھا جس سے بغل کی جھکاؤ کی لچک محفوظ کیجاتی، ان عمارتوں کی چھت بھرجے سے بنائی جاتی جس پر بارش یا برف کا اثر نہیں ہوتا، بھرجے کو تختہ پر لگا کر لکڑیوں کے سہارے رکھ جاتا، کمرے کی چھت دیوار کے اونچے کھمبوں پر کھڑی ہوتی، جس سے عمارت کی زیبائش بڑھ جاتی، اہرام کی شکل کی چھت پر مینار ہوتا، اور کلس پر دھات چسپاں ہوتی، جو کھلی ہوئی چھتری کی طرح نظر آتی، مینار میں ڈھالو چھجے دونوں طرف سے نکلے ہوتے، جنگلوں اور کٹہروں میں عمدہ جالی لگی ہوتی، اولتی کے زاویہ میں لکڑی کے خوبصورت جھومر لٹکے ہوتے، اور اولتی کے بالکل نیچے بھاری کارنس ہوتیں، جو دیوار کے

---

[1] کلکتہ ریویو سنہ ۱۸۶۳ء ص ۳

لٹھوں سے صلیب کی شکل میں آدمی کے دانت کی طرح نظر آتیں، کشمیری فن تعمیر کی یہ ہیئت دوسرے پہاڑی ملکوں مثلاً نیپال، ناروے اور اسٹریا کے لکڑی کے مکانوں کی طرح ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کا مبدا ایک ہی ہے کشمیر میں مکانوں کی تعمیر میں جو طریقے استعمال ہوتے تھے، مثلاً زینہ دار چھت، بھرجا اور گھاس کی مدد سے چھت کو ڈھانپنا اور کچھ دوسری باتیں خاص طور سے کشمیر کی اپج ہیں، ان چیزوں پر آب و ہوا اور لکڑی کے افراط سے ملنے کا اثر پڑا ہے یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ ان عمارتوں کا طرز تعمیر بودھوں کے پگوڈا سے مستعار لیا گیا تھا کیونکہ پہلے تو سلاطین کے عہد میں وادی میں ایک بھی پگوڈا نہیں تھا، اور دوسرے یہ کہ پگوڈا اور ان لکڑی کی عمارتوں کے طرز تعمیر میں کافی فرق پایا جاتا ہے،

وادی میں چوبی فن تعمیر کی ایک اچھی مثال سری نگر میں ہمدانی کی مسجد ہے، جو خانقاہ معلّے کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجد جہلم کے داہنے کنارے پر اینٹوں کی ایک غیر مسطح بنیاد پر واقع ہے، یہ آمد دل اور اس سے ملے ہوئے حصّوں کو چھوڑ کر اس کی لمبائی چوڑائی ۷۰ فٹ ہے، اس کی عمارت دو منزلہ ہے، جو زمین سے اولتی تک ۵۰ فٹ ہے اس کی اہرامی چھت تین تہوں میں بنی ہے، اور اس کے اوپر موذن کے لیے ایک شہ نشین ہے، اور شہ نشین کے اوپر گنبد ہے، اور اس پر کلس ہے، جس کی اونچائی زمین سے ۱۲۵ فٹ ہے، عمارت کے چاروں طرف چھت دار راستے اور برآمدے اور سائبان ہیں جن میں جا بجا جالیاں لگی ہوئی ہیں نچلی منزل میں ایک مستطیل بڑا کمرہ ہے جس کی لمبائی ۶۳ اور چوڑائی ۴۳ فٹ ہے، یہ کمرہ پہلے مربع تھا لیکن شمال اور جنوب میں چھوٹے چھوٹے کمروں کے بن جانے

کی وجہ سے اس کا اصل رقبہ چھوٹا ہو گیا ہے، بناوٹ کے لحاظ سے اندر کا کمرہ زیادہ اہم نہیں ہے لیکن اس ہشت پہل گاؤدم کھمبے طاقدار محراب لکڑی کی چھت اور دیواروں پر خوبصورت رنگوں کے نقش ونگار اور فرش پر بچھے ہوئے قیمتی اور مختلف رنگوں کی جائے نماز اس کو حسن اور عظمت بخشتے ہیں،

سری نگر میں ۱۴۰۰ء میں سکندر کی بنوائی ہوئی جامع مسجد میں کشمیری چوبی فن تعمیر کے وہ تمام اوصاف موجود ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس کے علاوہ اس مسجد کی تعمیر میں مذہب کے رو سے جو باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں، وہ بھی موجود ہیں، یہ مسجد کئی مرتبہ آگ سے تباہ ہوئی لیکن ہر بار اس کو از سر نو تعمیر کرایا گیا، آخری بار اس کی تعمیر اورنگزیب نے کرائی جس نے اس کا ابتدائی نقشہ برقرار رکھا، اس میں ۲۴۰ فٹ کا ایک صحن ہے جس کے چاروں طرف چوڑی دالان ہے، باہر کی دیوار اینٹ کی ہے جس میں صرف مغرب کی طرف چھوڑ کر ہر تین طرف راستے ہیں اصل دروازہ جنوب میں ہے، جس میں ایک طاق دار برساتی ہے جس سے ہو کر راستہ صحن میں جاتا ہے صحن کے چاروں طرف محراب دار دالانیں ہیں، جن کے اوپر کھڑکیاں ہیں لیکن بیچ میں سامنے کا رخ مربع نما ہے، جس کے اوپر محراب دار راستہ ہے، اور اس کے اوپر چھت اور گنبد ہیں، جس کا بیان پہلے آچکا ہے، مغرب کی جانب منبر ہے، اس میں بڑے محراب دار راستے سے داخل ہو سکتے ہیں، جس میں دو طرفہ لکڑی کے کھمبے لگے ہیں، اور محرابیں بنی ہیں، جس سے عمارت کے اس حصہ میں کشادگی اور وسعت آگئی ہے، لیکن سب سے بڑی چیز اس مسجد کے چاروں طرف اونچی فصیل ہے، یہ فصیل دیوار کے اونچے اور

خولصورت ۲۵ سے ۵۰ فٹ اونچے کھمبوں سے بنی ہے، کل کھمبوں کی تعداد ۸۰، ۳ ہے، ساری عمارت اس کی کشادگی اور وسعت، اس کے شاہانہ کھمبے، اس کی شان کو دوبالا کر دیتے ہیں،

مسجد مدنی بھی لکڑی کی عمارت ہے، اور مدنی کے مقبرہ سے ملحق ہے، اس کا بیان آچکا ہے، اس کی بھاری کارنس ہمدانی کی مسجد کی طرح ہے، مسجد کی حالت بہت خستہ ہے، پھاٹک پر ایک کتبہ میں لکھا ہے، کہ دونوں عمارتیں ایک ہی ساتھ یعنی ۸۴۸ھ مطابق ۱۴۴۴ء میں تعمیر ہوئیں، مقبرہ کی طرح مسجد بھی ایک پرانے ہندو مندر کی جگہ پر بنی تھی، اور جس طرح مقبرہ کے اندر منقش پتھر کے کھمبے ہیں، اسی طرح کے کھمبے مسجد کی برساتی میں بھی ہیں،

کشمیر کے پل توڑے دار بلوں کے اصول پر بنائے گئے تھے، پل کے پشتے دیودار کے لٹھوں کو جوڑ کر بنائے جاتے ہیں، جو پتھروں کی بنیاد کے ایک مستطیل نما سانچہ پر کھڑے ہوتے ہیں، دیودار کی ان لکڑیوں کو لمبان اور چوڑان میں اس طرح رکھا جاتا ہے، کہ نیچے کی ہر لکڑی ذرا باہر نکلی رہے، اس سے پشتہ کی شکل الٹے اہرام کی سی بن جاتی ہے، جو پل کے کھمبوں کے درمیان کے فاصلہ کو کم کر کے ایک پائر سے دوسرے پائر پر لٹھے کو رکھنے اور سٹرک بنانے میں مددگار ہوتی ہے، یہ اسنے نمونے کے دو پل ۱۹۵۲ء تک سری نگر میں موجود تھے، لیکن ان میں ایک پل جس کا نام فتح کدل ہے، اسی سال سیلاب کی نذر ہو گیا، اور

اس کی جگہ پر ایک تیسرا اور نیا پل تعمیر ہوا، چھٹا پل جس کا نام نوکدل ہے ۱۹۵۴ء میں دوبارہ تعمیر ہوا[1]

موسیقی

ازمنۂ وسطیٰ میں کشمیر میں موسیقی نے بہت ترقی کی، سلاطین موسیقی کے دلدادہ تھے، اور اون کے دربار میں ہندوستان کے مختلف حصوں، وسط ایشیا اور ایران کے موسیقاروں کا جمگھٹا تھا، سلطان زین العابدین کو موسیقی خاص شوق تھا، اور وہ اکثر موسیقی کی محفلیں منعقد کرتا، اس کا لڑکا اور جانشین حیدر ساز بجانے میں ماہر تھا، اور اس کا پوتا حسن شاہ جو خود بھی فن موسیقی کا ماہر تھا، اوس نے دکن سے مغنی بلوائے، تاکہ کشمیری موسیقی میں نئے عناصر شامل کرکے اس کو مالامال کرسکیں، حسن شاہ کے عہد میں ایک شعبہ موسیقی کا تھا، جس کا ناظم تہری در تھا[2]، مرزا حیدر دوغلت نے وادی میں موسیقی کی ترقی کے سلسلہ میں کافی کام کیے، لیکن ازمنۂ وسطیٰ کے تمام کشمیری حکمرانوں میں یوسف شاہ کو موسیقی کے سب سے بڑے مربی اور ماہر فن ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس کی ملکہ حبہ خاتون ایک عظیم موسیقار تھی، اور "راست کشمیری" راگ اسی کی ایجاد ہے، خاندان چک کے زوال کے بعد دربار کی سرپرستی کے فقدان کی وجہ سے کشمیری موسیقی کی ترقی مسدود ہوگئی،

کشمیری موسیقی میں مختلف النوع عناصر شامل ہیں، جو ایک دوسرے

---

[1] نہروں پر پرانے نمونے کے کچھ پل اب بھی موجود ہیں،

[2] تہری در ص ۱۳۱

میں مدغم ہو گئے ہیں، لیکن ان عناصر میں سب سے اہم ایرانی اور ترکستانی اثرات ہیں[1]، حقیقت تو یہ ہے کہ وادی میں موسیقی کے خاص و ... ں کی بنیاد زین العابدین کے عہد میں ایرانی اور تورانی ماہرین فن نے رکھی تھی[2]، کشمیر کی کلاسیکی موسیقی "صوفیہ کلام" کے نام سے مشہور ہے، جو فارسی موسیقی سے مستعار ہے[3]، اس میں ۵۴ سُر ہیں، جن میں سے کچھ تو ہندوستانی راگوں کی طرح ہیں، اور ان کے نام بھی ہندوستانی ہیں، جیسے بھیرویں، للت اور کلیان اور دوسروں کے ایرانی نام ہیں، جیسے اصفہانی، دوگاہ، پنج گاہ، عراق، راست فارسی اور سہ گاہ[4]، جن تالوں کا عام رواج ہے، وہ سہ تال، نیم دور، دور خفیف اور ترکی ضرب ہیں، یہ تال ہندوستانی تالوں سے مختلف ہیں، ان کے بول بھی مختلف ہیں، ان کے علاوہ ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے برخلاف صوفیانہ کلام کورس میں گایا جاتا ہے[5]، اس لحاظ سے کشمیری موسیقی اپنا جواب نہیں رکھتی، پہلے زمانہ میں گانے کے ساتھ ایک طرح کا رقص "حافظ نامہ" بھی ہوتا، یہ رقص جسم کی حرکت (مدرا) سے گانے کا مطلب ظاہر کرتا، ساتھ میں ڈھکرا،

---

[1] کشمیر ج ۴ نمبر ۶ ص ۱۳۵

[2] آئین اکبری (بلاخ من) ص ۶۸۰ حاشیہ۔ [3] کشمیر ج ۴ نمبر ۶ ص ۷-۱۳۵

[4] مرزا ناصر، بحور الالحان ص ۵ اور یہ سب مقامے ایرانی موسیقی کے مقامات میں شامل ہیں، دیکھو تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸، جہاں پر ہندوستانی موسیقی کے سُر کا ذکر ہے، مزید دیکھو زمانہ ج ۲، نمبر ۴ ص ۶ ۱۹۴-۹۵ [5] کشمیر ج ۴ نمبر ۶ تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸،

سنتور، ساز اور ستار[1] بجائے جاتے، دوسرے سازوں میں مزمار (ایک قسم کی بانسری) اور طنبور تھے[2]، سب سے زیادہ مقبول ساز جو لوک موسیقی میں استعمال ہوتا، رباب تھا، جو ایران سے مستعار تھا، عود کا استعمال زین العابدین کے عہد میں شروع ہوا تھا، یہ اب بھی مقبول ہے[3]، لوک موسیقی میں سب سے مقبول چھکری، طنبور، نغمہ اور بچہ نغمہ ہیں جو کورس ناچ کے ساتھ گائے جاتے ہیں، ان میں چھکری سب سے زیادہ مرغوب ہے، یہ رباب کے ساتھ موسم بہار میں گایا جاتا ہے[4]،

---

[1] کشمیر ج ۲ ص ۴۹۰ ایضاً ج ۱ ص ۱۴۳۔ [2] بہارستان شاہی ورق ۱۲۷ الف تزک جہانگیری ج ۲ ص ۱۴۸۔ [3] نہری در ص ۱۴۷، عود غالباً ایرانی ساز تھا، حجاز میں یہ حیرہ سے آیا تھا، جو ایران کے زیر اثر تھا،

[4] کشمیر ج ۱ ص ۱۴۴ اور جلد ۲ ص ۴۹۰ رباب خراسان کا خاص ساز تھا، اور کشمیر میں زین العابدین کے عہد میں یقیناً وہیں سے آیا ہوگا، یہ عربوں کا قومی ساز تھا

(دیکھو Farmer's History of Arabian music ص ۲۱۰)

چودھواں باب[14]

اختتامیہ

ہم لکھ چکے ہیں کہ کشمیر میں سلطنت کی تاسیس کا سبب بیرونی حملہ نہ تھا، بلکہ ملک کے اندر فوجی انقلاب تھا، وادی میں خاندانِ شاہ میر کے عروج سے دو سو سال پہلے ہی سے ہندو حکومت روبانحطاط تھی، ہندو راجہ کمزور اور اُن کے وزیر غیر دیانت دار تھے، برہمن حکمراں طبقہ سے غیر مطمئن تھے، ملک میں مستقل خانہ جنگی کی صورت تھی، تجارت سرد تھی، اور زراعت نہ ہونے کے برابر تھی، ان حالات کی بنا پر شاہ میر غیر ملکی اور کشمیر کے باشندوں سے مختلف مذہب اور ثقافت کا پیرو ہونے کے باوجود، کشمیر پر قبضہ کر کے اپنے خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈال سکا، کشمیر کے عوام خانہ جنگی اور انتشار سے تنگ آچکے تھے، انھوں نے شاہ میر کی کوئی مدافعت نہیں کی، بلکہ اس کو اپنا محافظ سمجھ کر اس کا استقبال کیا، اور اس امید پر کہ انھیں اس کی ذات سے امن و سکون اور اچھی حکومت نصیب ہوگی، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا، اسی وجہ سے شاہ میر کے جانشینوں کو بھی عوام کی حمایت حاصل رہی، اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش عوام نے نہیں کی،

شاہ میر اور اس کے جانشینوں نے کشمیریوں کی امیدیں بڑی حد تک پوری کیں، کیونکہ نئے حکمرانوں کے عہد میں تجارت نے نئی کروٹ لی، زراعت کی ترقی ہوئی، ٹکسوں

کا بوجھ کم ہوا، اور زندگی اور جائداد محفوظ ہوئی، ان حکمرانوں کے زیر اثر کشمیر میں ایران اور ترکستان کے اثرات کے لیے ایک بار دروازے کھل گئے، اس سے ثقافتوں میں ٹکراؤ ہوا، جس سے ملک میں ایک نشاۃ ثانیہ کی شروعات ہوئی، پرانے اور نئے عناصر کے انضمام سے ایک نیا فن تعمیر اور نیا فن موسیقی وجود میں آیا، کشمیری زبان مالا مال ہوئی، اور مصوری اور چھوٹی صنعتوں میں بڑی ترقی ہوئی، اس بیرونی ثقافت کا اثر اتنا گہرا اور دور رس تھا کہ آج بھی کشمیر کے عوام میں اس کی جھلک نظر آتی ہے، غذا اور لباس، شادی بیاہ اور اخلاقی طور طریقہ اور رسم و رواج، فن اور ادب سب پر ایران اور ترکستان کا گہرا اثر پڑا، لیکن کئی لحاظ سے یہ تبدیلیاں سطحی تھیں، ان کا اثر ظاہری شکل و صورت پر تو ہوا، لیکن یہ تبدیلیاں روح کی گہرائیوں میں پیوست نہ ہو سکیں، کیونکہ یہ تبدیلیاں صرف تبدیلیاں رہیں، کوئی بڑا انقلاب نہ ہو سکا، رسم و رواج زبان، عقائد اور عمل نے عوام کے دلوں میں اس طرح گھر کر لیا تھا کہ ان کی بیخکنی ناممکن تھی، کشمیریوں نے نئی قدروں کو تسلیم ضرور کیا، لیکن ماضی سے یکسر روگردانی نہیں کی، ان نئی قدروں اور پرانی قدروں کا امتزاج ہوا، اس طرح ایک نیا سماج پیدا ہوا، جو پرانے سماج سے مختلف ضرور تھا، لیکن اس کی جڑیں ہندی کشمیری روایات میں پیوست تھیں، اس کا ثبوت کشمیری زبان و ادب، فنون لطیفہ اور فن تعمیر، مذہبی عقائد اور سماجی زندگی کے مطالعہ سے ملتا ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ میں کشمیر کی حکومت روشن خیال، غیر مذہبی اور شخصی حکومت تھی، حکمراں زیادہ تر علماء کے مشوروں کی پروا نہ کرتے اور شریعت کے خلاف چلتے، اور پالیسی اختیار کرتے وقت عملی اور سیاسی اہمیت کو ملحوظ رکھتے، نہ کہ مذہبی امور کو، معاصر تاریخوں سے صاف ظاہر ہے کہ سلاطین کے مدنظر اسلامی نصب العین اور افکار نہ تھے، بلکہ وہ ہندوستان، کشمیر اور ایران کی شاہی روایات سے متاثر تھے،

سلاطین کے عہد میں سماج جاگیردارانہ[1] نہ تھا، جو طبقاتی امتیاز پر مبنی تھا، لیکن دوسرے ملکوں کے معاصر سماجوں کی طرح غلامی کی رسم نہ تھی، سلطان اور امراء کی زندگی بڑی مہذب تھی، انھیں ادب سے دلچسپی تھی، وہ شطرنج اور چوگان کھیلتے، انھوں نے موسیقی اور فنون لطیفہ کو ترقی دی، عورتوں کے متعلق ان کا زاویۂ نظر کافی محتاط تھا، انھوں نے حرم کی شادمانیوں اور مسرتوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، اور نہ انھوں نے داشتائیں رکھیں، اور نفس پرستی کی گراوٹوں سے ہمیشہ احتراز کیا، علماء اور صوفیہ کا اثر بہت زیادہ تھا، لیکن یہ اثر معاشرتی اور مذہبی امور تک محدود تھا، دستکاروں اور تاجروں کی سماج میں کافی اہمیت تھی، لیکن سیاست میں ان کی کوئی اہمیت نہ تھی، کسان اگرچہ اکثریت میں تھے، انھیں سیلاب اور قحط کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، سرکاری عمال ان کا استحصال کرتے لیکن ان کی جفاکشی کا بدلہ خوشحالی کی صورت میں نہ ملتا جس کے وہ مستحق تھے، زمانہ بہت زیادہ مذہبی بے تعصبی اور رواداری کا تھا، یہ ضرور ہے کہ اس عہد میں سکندر نے ہندوؤں کو تنگ کیا، مرزا حیدر نے نوربخشیہ فرقہ اور شیعوں پر ظلم ڈھائے، اور یعقوب شاہ نے سنیوں سے تعصب برتا، لیکن ان چند فرمانرواؤں کو چھوڑ کر سارے حکمرانوں کی پالیسی وسعت خیالی اور رواداری پر مبنی تھی، کشمیری توہم پرست تھے، چنانچہ ملا اور پنڈت دونوں ہی انھیں لوٹتے، آج کی طرح کشمیری اُس وقت بھی بذلہ سنج، طباع، ذہین، مستعد، محنتی اور فیاض تھے، ان کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ مہمان کے بغیر کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، وہ غیر ملکیوں کو نہ صرف شبہہ کی نظروں سے دیکھتے، بلکہ ان کے مخالف بھی تھے، شبہہ اور مخالفت

---

[1] جاگیرداری کی اصطلاح ہم نے اس معنی میں استعمال کی ہے، کہ زمین ہی کشمیر میں حکومت کا ذریعہ تھی اور جاگیر ایک اہم سماجی اور سیاسی ادارہ کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن اس جاگیرداری اور مغربی یورپ کی جاگیرداری کو مماثل نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ مغربی یورپ کی جاگیرداری بالکل مختلف طرز کی تھی۔

کو اعتماد اور دوستی میں تبدیل ہونے میں ایک عرصہ لگا کشمیری بہادر اور اچھے سپاہی تھے اور غیرملکیوں کا یہ قول کہ ان کے اندر فوجی جوش اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے اندر ہمت کی فطری کمی تھی، بلکہ اس کا سبب طویل عرصہ کی سیاسی غلامی تھی۔

حدودِ مملکت

زیادہ تر بادشاہوں کی طرح سلاطینِ کشمیر کو بھی حدودِ مملکت بڑھانے کا شوق تھا، لیکن ان کا یہ شوق دو وجوہ سے پورا نہ ہو سکا، پہلے تو اس زمانہ میں شمالی ہندوستان پر سلاطین دہلی کی حکومت تھی، اور بعد میں مغلوں کی حکومت ہوئی، جو کشمیر کے حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھے، ان حالات میں سلاطینِ کشمیر فاتح کی حیثیت سے ادھر قدم نہ بڑھا سکتے تھے، صرف شہاب الدین نے ستلج کے آگے قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کو سخت مدافعت کی بنا پر واپس لوٹنا پڑا، اس کے بعد کسی کشمیری حکمراں نے بھی اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش نہیں کی، سلاطین کی توسیع پسندی کی حکمت عملی کو ناکام بنانے میں کشمیر کے جغرافیائی محلِ وقوع کا بھی دخل تھا، وادی اونچی اونچی پہاڑی دیواروں سے گھری ہوئی ہے، اس لیے ان دیواروں کے آگے کے علاقوں پر حملہ کرنا دشوار کام تھا، اگر حملہ کیا بھی گیا، جیسا کہ شہاب الدین نے کیا، تو اس پر مستقل قبضہ رکھا نہ جاسکا، کیونکہ دور دراز علاقوں کو قبضہ میں رکھنا، وادی کشمیر سے جو پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی تھی، ناممکن تھا، اسلیے سلاطینِ کشمیر کا دائرۂ عمل کشمیر کے مغرب جنوب کے ملحقہ پہاڑی علاقوں تک محدود رہا،

سلاطین کی مملکت کے حدود عہد بہ عہد بدلتے رہے، شاہ میر اور اس کے لڑکے علاء الدین کی حکومت وادی کشمیر تک محدود تھی، یہ دونوں اندرونی امن وامان کے مسائل سے دوچار رہے، چنانچہ انھوں نے حدود مملکت کی توسیع کی کوئی کوشش نہیں کی، علاء الدین کے لڑکے

شہاب الدین نے البتہ ملک میں اپنا اقتدار جمانے کے بعد دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کی طرف قدم بڑھایا، اس کی حدود مملکت کو اس کے جانشینوں اور خاندانِ چک کے حکمرانوں نے تھوڑے بہت تغیر و تبدل کے ساتھ برقرار رکھا، اس طرح انکی مملکت میں یہ علاقے شامل تھے:

(۱) وادی کشمیر جو تمام مملکت کی جان تھی، (۲) بیرونی پہاڑیوں کا علاقہ جو مشرق میں راوی سے لیکر مغرب میں جہلم تک پھیلا تھا، اس علاقہ میں جموں، رجوری، اور پونچھ شامل تھے، (۳) بھدرواہ، وادی جناب اور کشتوار کا علاقہ جو بیرونی پہاڑیوں اور وادی کشمیر کے اونچے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہے (۴) لداخ اور بلتستان (۵) وادی کشن گنگا اور پکھلی کا علاقہ جو جہلم اور سندھ کے اوپری راستہ کے درمیان واقع ہے،

اس مملکت میں صرف وادی کشمیر اور بعد میں لوہر (پونچھ) سری نگر کے ماتحت تھا، بقیہ علاقہ پر راجہ حکمرانی کرتے تھے، جو سلطان کے باج گذار تھے، یہ یاد رہے کہ سلاطین کشمیر کی ہمیشہ یہ پالیسی تھی کہ وادی کے ارد گرد کے معاشی اور فوجی اہمیت کے علاقوں پر کچھ اقتدار رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ کشمیر کے لیے لداخ کی اہمیت بہت زیادہ تھی، کیونکہ لداخ ہی سے کشمیری شال کے لیے اون آتا تھا، اس کے علاوہ یہی تبت، چین اور ترکستان سے کشمیر کی تجارت کا مرکز تھا،[۱] پونچھ، رجوری، اور جموں پر کنٹرول ضروری تھا، کیونکہ ان ہی مقامات سے کشمیر پر حملہ ہوتا تھا، اس کے علاوہ پونچھ اور کشمیر کے گرد پہاڑی علاقوں پر قبضہ کرنا بھی ضروری تھا، کیونکہ ان علاقوں میں باغی قبائل بستے تھے، جو وادی پر اکثر چھاپہ مارتے باشندوں کو لوٹتے اور عورتوں اور بچوں کو اٹھا لیجاتے،[۲] لیکن اس کے باوجود ان پہاڑی علاقوں پر آمد و رفت کے ذرائع کی کمی کی وجہ سے سلاطین کا اثر و اقتدار ہمیشہ کمزور اور

---

[۱] دیکھو حصہ متعلق تجارت بارہواں باب [۲] اسٹائن ج ا نمبر ۲۱ حاشیہ شہری ور ص ۸، ۲، ۳۵-۳۲۲

ڈھیلا رہا، اور وادی میں خانہ جنگی یا کمزور سلاطین کے عہد حکومت میں یہ اقتدار تو بالکل ختم ہو جاتا،

سلطنت کے زوال کے اسباب

خاندان شاہ میر میں شمس الدین سے لیکر زین العابدین تک قابل حکمرانوں کا طویل سلسلہ رہا، جنھوں نے عوام کو جابرانہ ٹیکسوں سے نجات دلائی، ملک میں مستقل نظم و نسق کا بندوبست کیا اور خاندان لوہر کے دور حکومت کی بد اعمالیوں اور انتشار سے چھٹکارا دلا کر عوام کو امن و سکون بخشا، لیکن زین العابدین کے کمزور اور نا اہل جانشینوں کے ہاتھ میں تھوڑے عرصہ کے استحکام کے بعد ملک پھر سلطنت کے قیام سے پہلے کی حالت کو پہنچ گیا، زین العابدین کے لڑکے حیدر شاہ اور پوتے حسن شاہ شراب و شاہد اور طاؤس و رباب میں مشغول رہتے اور ملک کے نظم و نسق سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں تھی، نظام سلطنت بے ایمان اور حریص درباریوں کے ہاتھ میں تھا، جو عوام کو لوٹ کر اپنی جیب بھرتے تھے، ان کے بعد محمد شاہ اور فتح شاہ کا دار دورہ ہوا، یہ دونوں اوباش اور بدچلن نہ تھے، لیکن وہ بھی ان تمام عناصر کو جو مملکت کو زوال کی طرف لے جا رہے تھے، کنٹرول کرنے میں نا اہل ثابت ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان شاہ میر کو تخت و تاج کو خیرباد کہنا پڑا، اس کے بعد خاندان چک کی حکومت ہوئی، ابتدا میں تو اس خاندان نے دانشمندی اور استقلال سے حکومت کی، لیکن اس کے چوتھے حکمراں یعنی یوسف شاہ نے عیش و عشرت کی زندگی گذارانی اور امور مملکت سے چشم پوشی شروع کر دی، اس کا لڑکا اور جانشین یعقوب ہمت اور استقلال کے باوجود اپنی ضد اور تعصب کی بنا پر اندرونی اور بیرونی خطروں کا مقابلہ نہ کر سکا،

ہندوؤں کی حکومت کے زوال کا ایک سبب ڈامروں کے کچلنے میں راجاؤں کی

ناکامی تھی، للہ دید کا اصول تھا کہ گانوں کے رہنے والوں کے پاس ایک سال سے زیادہ کھانے کے لیے غلہ اور زرعی ضروریات سے زیادہ بیل نہ چھوڑے جائیں،[1] اس سے جاگیرداروں کو فروغ نہ ہو پاتا اور نہ وہ آمادۂ شر ہو سکتے، لیکن اس کے جانشین اسکے اصول پر کاربند نہ رہ سکے، اور نہ جاگیرداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے روکنے کی کوئی دوسری تدبیر کر سکے، شاہ میر اور اس کے جانشینوں نے بھی جاگیرداری نظام کی بیخکنی کی کوشش کی، اس کیلئے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شورش پسند سرداروں کو کچل دیتے اور ان خاندانوں کو جاگیر عطا کرتے جو اطاعت گذاری کے لیے تیار ہوتے، انھوں نے سرداروں کو "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی سے جاگیرداروں کو کمزور اور تابع بنانے کی کوشش کی، جب تک سلاطین طاقتور تھے، یہ پالیسی کامیاب رہی لیکن زین العابدین کی موت کے بعد تخت پر کمزور سلاطین بیٹھے تو اس پالیسی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، کیونکہ آپس کی دشمنی رنگ لائی، اور ملک تخت کے دعوی دار خاندانوں کی جنگ میں الجھ کر رہ گیا، آخر کار اس انتشار اور غیر مستحکم حالت میں خاندان چک نے اپنے حریف ماگرے اور رینا خاندانوں کو شکست دیکر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی، شروع میں تو انھوں نے خاندان شاہ میر کے سلاطین کے نام پر حکومت کی لیکن جلد ہی انھوں نے خود مطلق العنان ہوکر اپنے خاندان کی داغ بیل ڈالی،

یہ نہ بھولنا چاہیے کہ خاندان چک کی حکومت کا دارومدار چک قبیلہ کی قیادت پر تھا، چکوں نے خاندان شاہ میر کے حکمرانوں کے خلاف اپنے خاندان کے افراد کو چھوڑ کر کسی اور خاندان کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا، اسی طرح انھوں نے اپنی حکومت کو مضبوط

---

[1] اسٹائن ج ۲ نمبر ۵۲۔ ۳۴۷

اور مستحکم بنانے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے یہ سلسلہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا، کیونکہ جلد ہی آپس کے جھگڑے اور رقابتوں نے سر اٹھایا اور حکمران خاندان کو اپنے ہی رشتہ داروں کے خلاف ان کے مخالفوں سے دوستی کرنے میں کوئی تامل نہ رہا، اس نے ایک مستقل تنازعہ کی صورت اختیار کرلی، جس سے سارے ملک میں ایک بار پھر انتشار اور نراج کی کیفیت پھیل گئی، اب مغل شاہنشاہ اکبر نے جاگیرداری نظام کو ختم کرکے مغل حکام کے ہاتھوں اس ملک میں امن وامان قائم کیا،

کشمیر میں جانشینی کا کوئی مقررشدہ اصول نہ ہونے کی وجہ سے بھی مملکت کو زبردست سماجی اور سیاسی انتشار اور عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا، شمس الدین نے اپنے بڑے لڑکے جمشید کو اپنا جانشین نامزد کرکے ایک مثال ضرور قائم کی تھی، لیکن اس کے چھوٹے لڑکے علاء الدین نے جمشید کو سلطان تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور تخت کا خود دعویدار ہوگیا، اس سے خانہ جنگی چھڑ گئی، شہاب الدین نے اپنے بھائی قطب الدین کے حق میں اپنے لڑکوں کو تخت سے دست بردار کرکے اس سلسلہ میں ایک اور قدم آگے بڑھایا، اسی طرح زین العابدین نے بھی اپنے چھوٹے بھائی محمود کو تخت کا وارث نامزد کیا، لیکن محمود کے انتقال کے بعد اس نے اپنے دوسرے لڑکے حاجی خاں کی جانشینی کا اعلان کردیا، جب کہ اس کا بڑا بھائی ادہم خاں موجود تھا، لیکن اعلان کے فوراً بعد ہی حاجی خاں نے علم بغاوت بلند کیا تو اس نے ادہم خاں کو اپنا جانشین بنادیا، آخرکار اپنے لڑکوں سے تنگ آکر اس نے دونوں کو جانشین بنانے سے انکار کردیا، اور دعویداروں کو تخت کے حق کا فیصلہ بزور شمشیر کرنے کے لیے چھوڑ دیا، لیکن زین العابدین کے پوتے حسن شاہ نے اس سے مختلف روش اختیار کی، اس نے اپنی موت کے بعد حکمراں چننے کا حق اپنی ملکہ کو دیدیا تھا، حالانکہ وہ ادہم خاں کے لڑکے

فتح خاں کو جانشین بنانا چاہتا تھا، کیونکہ اس کے لڑکے نابالغ تھے، اس کے انتقال پر وزیر اور ملکہ کے بھائی سید حسن نے حسن شاہ کے لڑکے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا، لیکن یہ فتح خاں کو تخت کا دعویٰ کرنے سے باز نہ رکھ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تیس سال تک ملک میں مستقل خانہ جنگی ہوتی رہی،

خاندان چک کے عہد میں بھی جانشینی کا کوئی مقررہ اصول نہیں تھا، اس خاندان کے بانی غازی شاہ نے اپنے بھائی حسین شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، لیکن جب حسین شاہ سلطان ہوا تو اس نے اپنے لڑکے کو جانشین بنانا چاہا، لیکن اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، کیونکہ اس کے بھائی علی شاہ نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور تخت پر قبضہ کر لیا، اور اپنے انتقال سے پہلے علی شاہ نے اپنے لڑکے یوسف کے سر پر تاج رکھدیا لیکن اسکے بھائی ابدال نے بھی تخت شاہی پر اپنا حق جتایا، کیونکہ شاہی خاندان میں یہ رسم چلی آرہی تھی کہ سلطان کے مرنے کے بعد اس کا بھائی جانشین ہوا کرتا تھا، لیکن اس بات کو لیکر ابدال اور یوسف میں جنگ ہوئی، ابدال مارا گیا اور یوسف کو فتح نصیب ہوئی لیکن خاندان چک کی ضمنی شاخ کے افراد تخت پر اپنے حق سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے، یوسف شاہ کے لڑکے اور جانشین یعقوب کو تخت کے دعویداروں کے خلاف لڑنا پڑا، اور یہی وجہ تھی کہ مغلوں کے خلاف وادی کی مدافعت کے لیے فوج اکٹھا کرنے میں اس کو ناکامی ہوئی،

شیعہ سنی کی آپس کی نااتفاقی بھی سلطنت کے زوال کا موجب ہوئی، پندرھویں صدی کے آخر تک کشمیر کی مسلمان آبادی میں سنی ہی تھے، شیعہ تعداد میں کم تھے، اور سیاست میں ان کی اہمیت بالکل نہ تھی، لیکن ۱۵۰۲ء میں میر شمس الدین کی آمد سے شیعوں کی تعداد

آہستہ آہستہ بڑھی، اور سیاست میں ان کا اثر و اقتدار بڑھا، اس سے سنی سرداروں میں دشمنی کی آگ بھڑکی اور راسخ العقیدہ علماء کے اشتعال پر سنی سردار اور شیعہ امرا میں کشمکش شروع ہوئی، یہاں مذہبی عناصر کی اہمیت پر زیادہ زور دینے میں ہمیں محتاط رہنا چاہیے، کیونکہ مذہبی نااتفاقی سے وادی میں انتشار ضرور پھیلا تھا لیکن خانہ جنگی کے اصل اسباب جاگیرداروں کی آپس کی حسد اور جاہ پسندی تھی، لیکن مذہبی نااتفاقی کے باوجود فوج اکثر متحد رہتی، چنانچہ مرزا حیدر کے عہد میں پہلے تو شیعہ سنی سردار ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے، لیکن بعد میں انھوں نے محسوس کیا کہ ان کو ایک دوسرے سے لڑا کر مرزا حیدر اپنی حیثیت مستحکم کر رہا ہے، وہ متحد ہو گئے اور مرزا حیدر کا تختہ الٹ دیا،[۱]

چک حکمرانوں کے عہد میں بھی یوسف شاہ کے زمانہ تک فراخدلی کی پالیسی کی وجہ سے آپس کے جھگڑوں میں مذہبی اثرات نہ ہونے کے برابر تھے،[۲] یہ سچ ہے کہ یوسف عنید اور اور قاضی حبیب کے معاملہ سے دونوں فرقوں کے تعلقات خراب ہو گئے تھے،[۳] جب یوسف کو پھانسی ہوئی تو شیعوں نے سنیوں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا، اور یوسف کو پھانسی دلانے کی وجہ سے قاضی الماس اور قاضی گنائی کو پھانسی دی گئی، سنی بھی اس پر برہم ہو گئے، لیکن کوئی مسلح جنگ نہیں ہوئی، یہ باتیں لوگ بھول گئے ہوتے، لیکن یعقوب شاہ کی سنیوں کے خلاف غلط پالیسی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا، پہلے تو اس نے قاضی موسیٰ کو مجبور کیا کہ جمعہ کی نماز میں حضرت علیؓ کا بھی نام لیا جائے، قاضی کے انکار پر اس نے یوسف کی پھانسی کا سوال پھر اٹھایا اور موسیٰ کو قتل کر دیا، اس سے سنی علماء یعقوب کے خلاف ہو گئے اور انھوں نے اکبر کے دربار میں حاضر ہو کر اس سے کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی درخواست کی

---

[۱] اکبر نامہ ج ۳ ص ۳، ۷، [۲] ایضاً [۳] شانگ ص ۳۴، ۴۴ نے یعقوب شاہ کے عہد میں شیعہ سنی اختلافات کا ذکر کیا ہے،

اور جب اکبر نے حملہ کے لیے فوج کشی کی تو انھوں نے راہ بری کی خدمت انجام دی،

آپس کی نااتفاقی اور مستقل خانہ جنگی کی وجہ سے نظم ونسق میں رخنے پڑ گئے، تجارت اور زراعت پر برا اثر پڑا، اور وادی کی عام خوشحالی میں کمی آئی، اس کا ایک اور برا نتیجہ وادی پر حملہ اور فتح کی صورت میں رونما ہوا حسن شاہ کی موت پر امراء کے ایک گروہ نے اس کے لڑکے محمد شاہ کو تخت نشین کیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ایک دوسرے گروہ کی مدد سے فتح شاہ نے اس کی جگہ لے لی۔ محمد شاہ تین بار تخت پر بیٹھا، اور تین بار اس کو معزول ہونا پڑا، آخر کار ۱۵۱۷ء کے شروع میں وہ سکندر لودی (۱۴۸۹ء۔ ۱۵۱۷ء) کے دربار میں حاضر ہوا، اور اس کی مدد کا طالب ہوا، اس کے بعد تو یہ عام رسم سی ہو گئی کہ جو بھی کشمیری شہزادہ اپنے حریف سے شکست کھاتا، شہنشاہ دہلی کے حضور میں پیش ہو کر دادرسی کرتا، ۱۵۴۰ء میں ابدال ماگرے پنجاب سے مرزا حیدر کی سرکردگی میں مغل فوج لایا، اسکے حریف کاجی نے شیر شاہ سے مدد حاصل کی، بیرونی فوج کی آمد کشمیر کی آزادی کے حق میں تباہ کن ثابت ہوئی، کیونکہ مرزا حیدر یہاں تو نجات دہندہ بن کر آیا تھا، وہ خود ہی ملک کی قسمت کا مالک بن بیٹھا، مرزا حیدر کے زوال کے بعد خاندان چک برسراقتدار ہوا، تو کشمیر کو از سر نو بیرونی حملوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ حملہ آور غیر مطمئن امراء اور شہزادے تھے، لیکن عیدی زینا، دولت چک اور غازی چک نے ہمت اور سوجھ بوجھ سے ان حملوں کو پسپا کر دیا، ملک بدر ہونے پر ۱۵۸۰ء میں یوسف شاہ فتح پور سیکری گیا، اور اکبر سے مدد مانگی، مدد اس کو فوراً مل گئی، اگرچہ یہ مدد کام نہ آئی، لیکن اکبر کو کشمیر پر حملہ کا ایک اچھا جواز مل گیا، یوسف کے جانشین یعقوب نے مغل فوج کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے وہ حملہ آوروں کو ملک سے نکال نہ سکا، چنانچہ کشمیر کو آزادی کی قربانی دینی پڑی، دوجارک (Du Jarric)

نے لکھا تھا، لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مملکت ان اطراف میں بہت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھی، اور اگر ملک کے اندر گروہ بندی اور نا اتفاقی نہ ہوتی، تو اکبر شاید ہی اس کو فتح کر سکتا،

صدیوں سے کشمیر اپنے پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے خارجی اثرات سے بے بہرہ، الگ تھلگ زندگی گذار رہا تھا، عربوں، محمود غزنوی اور تیمور کے حملوں کا ملک پر کوئی اثر نہ پڑا، اور ہندوستان میں خاندانوں کے عروج و زوال نے بھی ملک کی تاریخ پر کوئی اثر نہ ڈالا لیکن مغل حملہ کے بعد اس کی علیحدگی ختم ہوئی، اور وہ ہندوستانی سیاست کے زمرہ میں آگیا، پھر کشمیر کی انفرادی حیثیت ختم ہو گئی، اور وہ مغل سلطنت کا ایک صوبہ ہو کر رہ گیا اور سری نگر کی حیثیت ایک صوبہ جاتی شہر کی ہو کر رہ گئی،

سلطنت کے زوال کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ کشمیر کے حکمراں خاندان چک، ماگرے، رینا اور ڈار کی جگہ مغل حکام کے خاندانوں نے لے لی، اور انھوں نے ملک کا نظم و نسق سنبھالا، اسکے علاوہ وادی کے دفاع کا انتظام بھی مغلوں نے اپنے ذمہ لے لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیریوں کا فوجی جوش اور جنگی صلاحیت جس کا وہ بارہا حملہ آوروں کے خلاف مظاہرہ کر چکے تھے، آہستہ آہستہ زائل ہو گئی، اس کے علاوہ سلاطین کے عہد میں کشمیر کا ثقافتی معیار بہت بلند ہو گیا تھا، لیکن باتھ سے آزادی جاتے ہی ثقافت کا انحطاط شروع ہو گیا، سری نگر ان سارے شاعروں، مصوروں، اور عالموں سے جو سلاطین کے دربار کی زینت تھے، خالی ہو گیا، کیونکہ سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے انھیں وادی کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں تلاش معاش کے لیے جانا پڑا، انھوں نے مغل بادشاہوں کی ملازمت کر لی، اور ان کے شاہی دربار کی زینت بن گئے، اس طرح کشمیر کا ثقافتی زوال ہو گیا،

ضمیمہ (الف)

کشمیر کا نوربخشیہ فرقہ

نوربخشیہ فرقہ کے بانی سید محمد بن محمد بن عبداللہ تھے، وہ کوہستان کے مقام قاعین میں ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۳ء میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ خواجہ اسحاق ختلانی کے مرید ہو گئے، خواجہ بذات خود سید علی ہمدانی کے مرید تھے،[1] خواجہ صاحب نے ان کو "نوربخش" کا لقب دیا، اور سید علی ہمدانی کا خرقہ دے کر ان کے مہدی اور امام ہونے کا اعلان کیا، اس بات سے تیمور کے لڑکے اور جانشین شاہ رخ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی، شاہ رخ نے سید محمد نوربخش کو قید کر دیا، چونکہ انھوں نے مکمل طور پر اپنا دعویٰ ترک نہ کیا، انھیں تین بار طویل سزائیں بھگتنی پڑیں، ۸۵۰ھ مطابق ۱۴۴۷ء میں شاہ رخ کی موت پر انھیں آزادی نصیب ہو سکی، اس کے بعد انھوں نے رے میں قیام کیا، جہاں ۸۶۹ھ مطابق ۱۴۶۴ء میں ۷۳ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا، ان کا لڑکا شاہ قاسم ان کا خلیفہ ہوا، (متوفی ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء)[2]

---

[1] دیکھو سید علی ہمدانی کی سوانح کے لیے Les voyages d'un mystique Persan de Hamaden au Kashmir از A.A. Hekmat (La journal Asiatique CCXI ص ۵۴) مزید دیکھو "یغما" ج ۴ نمبر ۸ ص ۳۳۷

[2] سید محمد نوربخش کی مفصل سوانح کیلئے دیکھو طرائق الحقائق از مرزا معصوم ص ۴۴-۱۴۳ اور مجالس المومنین از نوراللہ شوستری ص ۳۱۳ مزید دیکھو "نوربخشیہ" از محمد شفیع (اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۲۵ء) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ میں

نوربخشیہ تحریک کا میلان صوفیانہ تھا، سید محمد نوربخش کو خدا کا جلوہ دیکھنے اور امام جعفر صادق سے حضرت علیؓ کی تعلیمات حاصل کرنے کا دعویٰ تھا، وہ صوفیہ کے فلسفۂ ہمہ اوست اور دنیا کی تمام شان و شوکت سے کنارہ کشی پر یقین رکھتے تھے، "فنا" حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو مالک کی مرضی پر چھوڑ کر طاعت و عزلت نشینی و استغراق اور مرشد کی رفاقت کی ضرورت تھی، نوربخشیہ خانقاہوں کا نظام دوسرے صوفی سلسلوں کی خانقاہوں کی طرح تھا، اور نوربخشیہ فرقہ کے ذکر کی رسمیں بھی قادری، کبروی، اور نقشبندی سلسلوں کی طرح ہوتی تھیں، لیکن ان کی سب سے زیادہ اہم رسم "اربعین" کے زمانہ میں منائی جاتی تھی، جب نئے لوگ نوربخشیہ فرقہ میں شامل ہوتے، تمام رات رت جگا منایا جاتا، عبادت اور وعظ ہوتے، جنہیں غزالی، بسطامی اور جنید کی کتابوں اور ملفوظات کے اقتباسات سنائے جاتے، اس زمانہ میں غزلیں بھی سنائی جاتیں، اور اس کا اثر صوفیہ پر یہ ہوتا کہ ان پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوتی، اور وہ ناچنے لگتے، [1]

سید محمد نوربخش کی تعلیمات پر شیعہ مذہب کا بھی اثر تھا، شیعوں کی طرح وہ بھی مانتے تھے کہ امام کو پاک، منصف، جری، ہمہ داں اور حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی نسل سے ہونا چاہیے، وہ حبِّ اہل بیت کی ... ... تلقین کرتے اور ہمیشہ اس بات پر زور دیکر کہتے کہ ان کا مقصد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بارہ اماموں کے مذہب کو پھیلانا ہے [2]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۷) جو مقالہ نوربخشیہ فرقہ پر ہے وہ "مجالس المومنین" سے ماخوذ ہے۔

[1] تحفۃ الاحباب ص ۲۴-۱۲۰ قلمی نسخہ پر صفحہ لکھا ہے، ورق نہیں، میں نے صفحات کے نمبر لکھے ہیں،

[2] مجالس المومنین از نوراللہ شوستری ص ۳۱۵، تحفۃ الاحباب ص ۲۴-۲۰، نوراللہ شوستری سید علی ہمدانی کو شیعہ بتاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سید علی ہمدانی کا ہمہ اوست کے فلسفہ کو ماننا اور اپنے آپ کو مہدی اور امام بتانا شیعہ تعلیمات کی ضد ہے،

نوربخشیہ کے لوگ محرم مناتے اور ان میں سے کچھ لوگ شہادت حسینؑ کے غم میں سیاہ لباس بھی پہنتے، وہ متعہ کرتے، زوجہ رسول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور پہلے تینوں خلفاء پر تبرا کرتے لیکن سنیوں کی طرح وہ اجماع کے قائل تھے، حالانکہ حکمرانوں کے زبردستی اجماع پر عمل درآمد کرنے کے وہ خلاف تھے، وہ تعلیمات رسول کا احیا چاہتے، شریعت کو نافذ کرکے اسلام سے اجتہاد و استنباط کو ختم کرنا چاہتے تھے[2]، ان کے خیالات و افکار "فقہ احوط" میں درج ہیں۔[3]

کشمیر میں نوربخشیہ فرقہ کی بنیاد شمس الدین نے ڈالی تھی، وہ سولگھن کے قریب کنڈ گانوں میں پیدا ہوئے تھے، ان کے والد موسوی سید تھے، اور ان کی والدہ قزوین[4] کے ایک سید خاندان سے تھیں، ان کی ابتدائی زندگی کے حالات معلوم نہیں، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس طرح نوربخشی ہوئے، بہرحال ان کی زندگی کے کارناموں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اچھی تعلیم حاصل کی تھی، کیونکہ وہ بہت اچھے خطیب اور عالم تھے، ان اوصاف کی بنا پر ہرات کے سلطان حسین مرزا بایقرا (۱۵۰۶ء - ۱۴۶۹ء) کی مردم شناس نظریں ان پر پڑیں، سلطان نے اپنی ملازمت میں لے لیا، اور ۱۴۸۰ء میں کشمیر کے سلطان حسن شاہ کے دربار میں سفیر بناکر بھیجدیا[5]، ان کا قیام وادی میں ۸ سال رہا، سفیر ہونے کی وجہ سے وہ کھل کر تبلیغی کام نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا وہ خفیہ طور پر تبلیغ

---

[1] مجالس المومنین ص ۳۱۱، [2] ایضاً ص ۳۱۵ و تحفۃ الاحباب ص ۲۰، مزید دیکھو تاریخ رشیدی لیکن مرزا حیدر نوربخشیہ فرقہ کا ذکر کرتے وقت ہمیشہ انصاف سے کام نہیں لیتا [3] جکوں کا خیال تھا کہ اس کتاب کا مصنف شمس الدین نہیں ہے، لیکن یہ غلط ہے، دیکھو فرشتہ ص ۳۴۲ (بمبئی اڈیشن) [4] بہارستان شاہی ورق ۷۰ الف [5] تحفۃ الاحباب ص ۱۳ مزید دیکھو واقعات کشمیر ورق ۲۳ و بہارستان شاہی ورق ۶۰ الف ب

کرتے رہے، اور انھوں نے بابا اسمٰعیل کبروی اور بابا علی نجار کو اپنے مسلک کا موید و حامی بنا لیا، لیکن ان کی خفیہ سرگرمیوں کا پتہ چل گیا، اور راسخ العقیدہ علماء کی مخالفت کی بنا پر انھیں مجبوراً کشمیر چھوڑنا پڑا، [1] ہرات کی واپسی پر سلطان حسین مرزا کو بھی ان کے مذہبی نظریات پر شبہہ ہوا، شمس الدین نے خطرہ محسوس کیا، اور سلطان کی ملازمت ترک کر کے سید محمد نوربخش کے لڑکے شاہ قاسم کے پاس رے میں قیام کیا، اسی دوران میں کشمیر سے یہ اطلاع آئی کہ بابا اسمٰعیل نے جنھیں انھوں نے اپنا نمایندہ مقرر کیا تھا، نوربخشیہ اعتقادات کو چھوڑ کر پھر سے اپنے پرانے مذہب کو اختیار کر لیا ہے، [2] شمس الدین کو وادی کے سارے حالات کا پتہ تھا، شاہ قاسم نے انھیں کشمیر جانے اور نوربخشیہ مذہب کو پھر سے زندہ کرنے اور پھیلانے کا مشورہ دیا، [3] خود شمس الدین بغداد جا کر مولانا برہان الدین کی جگہ لینا چاہتے تھے، جن کا انتقال ہو گیا تھا، لیکن شاہ قاسم کے مشورہ اور اصرار پر وہ کشمیر جانے پر رضامند ہو گئے، [4]

شمس الدین نے اخیر ستمبر ۱۵۰۱ء میں رے سے کچھ صوفیہ اور ان کے خاندانوں کے ساتھ رخت سفر باندھا، [5] راستہ میں مشہد میں امام رضا کے مزار کی زیارت کے لیے بھی گئے، وہاں سے قندھار اور پھر ملتان گئے، ملتان کے نمک کے پہاڑ کی طرف کوچ کیا، اور سردی کا موسم وہاں گذار کر پونچھ بارہ مولا کے راستہ ۱۵۰۲ء کے موسم بہار کے شروع میں کشمیر میں داخل ہوئے، [6]

سری نگر پہنچنے پر انھیں بابا علی نجار کا اعتماد حاصل ہو گیا، اور بابا صاحب نے اپنے تمام مرید انھیں دیدیے، [7] لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم آدمی موسیٰ رینا ہے، جو ان کے مریدوں کے زمرہ

---

[1] تحفۃ الاحباب ص ۴ [2] ایضاً ص ۶ [3] ایضاً ص ۸ [4] ایضاً ص ۱۰-۱۴ [5] ایضاً ص ۲۳ [6] ایضاً ص ۲۴-۲۵

[7] شمس الدین کی عدم موجودگی کے زمانہ میں بابا علی نجار، بابا اسمٰعیل کبروی کے بخلاف اپنے مذہب پر قائم رہے، (دیکھو مجالس المومنین قلمی نسخہ ورق ۷۶ ب)

میں شامل ہوا، موسیٰ رینا کشمیر کے بہت طاقت ور امرا میں سے تھا، اس نے انھیں تبلیغ کیلیے روپیہ دیا اور خانقاہ کی تعمیر کے لیے جڈی بل میں زمین دی، اس خانقاہ کی بنیاد ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء میں رکھی گئی، اور دوسرے سال یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی[1]۔ لیکن ابتدائی کامیابیوں کے باوجود آگے چل کر شمس الدین کو پے در پے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، محمد شاہ کے وزیر اعظم سید محمد بیہقی[2] اور راسخ العقیدہ علما، ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، علماء کے مشورہ پر سید محمد نے خانقاہ نوربخشیہ کی تعمیر کی تھی[3]، لیکن موسیٰ رینا کے دباؤ میں آکر اجازت دے دی تھی، بہرحال سید محمد نے شمس الدین کے راستہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں ڈالیں، اور ان کے مریدوں کو تنگ کرنا بھی شروع کیا، چنانچہ ۵۰ مریدوں کے ساتھ شمس الدین نے کشمیر کو خیرباد کہا، اور بلتستان جاکر تبلیغ کرنے لگے، اور بہت سے بودھ باشندوں کو اپنے مسلک میں شامل کر لیا[4]، وہ وہاں دو مہینے تک مقیم رہے، لیکن ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء میں سید محمد کی شکست اور وفات[5] کے بعد موسیٰ رینا کے بلانے پر وہ سری نگر لوٹ آئے، شمس چک کے زوال کے بعد جب موسیٰ رینا وزیر اعظم بنا تو شمس الدین کو اچھا موقع ہاتھ آیا، موسیٰ رینا نے اپنے زمانۂ اقتدار میں شمس الدین کی پوری حمایت کی، تازی چک اور دوسرے چک امرا، کے مرید ہو جانے کے بعد شمس الدین کے ہاتھ اور مضبوط ہو گئے، چنانچہ شمس الدین کے انتقال کے وقت[6] نوربخشیہ فرقہ نے وادی میں اچھی طرح قدم جما لیے تھے، ان کے انتقال کے بعد

---

[1] تحفۃ الاحباب ص ۴۴ [2] بیہقی سید کشمیر میں سلطان سکندر (۱۳۸۹ء ۔ ۱۴۱۳ء) کے عہد میں آئے تھے، انھوں نے شاہی خاندان میں شادی بیاہ کیا اور وادی کے سیاسی امور میں اہم حصہ لیا، [3] تحفۃ الاحباب ص ۵۵ - ۵۴) [4] ایضاً ص ۶۲ - ۶۱ [5] شمس الدین کو جب سید محمد کی موت کی خبر ملی تو انھیں اتنا غصہ آیا کہ انھوں نے خبر لانے والے کو اتنی بری خبر لانے پر زدوکوب کیا، خلاف توقع شمس الدین کو دکھ ہوا اور انھوں نے سید محمد کے لڑکوں کیلیے جو خانہ جنگی کے دست برد سے بچ رہے تھے، درازی عمر کی دعا مانگی، (بہارستان شاہی ورق ۷۶ ب، ۷۷ الف تحفۃ الاحباب ص ۷۰) [6] تحفۃ الاحباب میں شمس الدین کی تاریخ وفات درج نہیں ہے لیکن اسکے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

ان کے لڑکے دانیال اور ان کے دوسرے خلفاء نے ان کا کام جاری رکھا،

لیکن مرزا حیدر دوغلت کے زمانہ میں نوربخشیوں کو بڑی مصیبت اٹھانی پڑی، مرزا کا خیال تھا کہ مذہبی یکسانیت سے ملک میں امن و امان قائم ہوگا[1]، اس لیے وہ نوربخشیوں پر ظلم و تشدد کرتا تھا۔ ۱۵۵۱ء میں مرزا حیدر کے زوال اور انتقال کے بعد وادی میں خاندان چک کا دار دورہ ہوا، اس طرح نوربخشیوں کو ایک بار پھر اپنے اعتقادات کی آزادی سے تبلیغ اور ان پر عمل کرنے کی اجازت مل گئی، ایران کے زیر اثر جہاں خاندان صفوی (۱۵۰۲ء تا ۱۷۳۶ء) کے بانی شاہ اسمٰعیل نے شیعی مذہب یا اثنا عشری اصولوں کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا، نوربخشیہ تحریک شیعہ مذہب میں تیزی سے تبدیل ہونے لگی، اس تحریک نے آہستہ آہستہ اُن تمام اصولوں کو ختم کر دیا جو شیعہ مذہب سے میل نہیں کھاتے تھے اور نوربخشیہ اور شیعہ مذہب میں کوئی فرق نہ رہ گیا، چنانچہ خاندان چک کے افراد اپنے کو شیعہ کہنے لگے[2]، یہ خاندان نوربخشیہ تھا، اور کشمیر پر تھوڑے عرصہ کے لیے برسر اقتدار رہا، ۱۵۸۶ء میں جب اکبر نے وادی کو فتح کیا تو کچھ نوربخشیہ باقی رہ گئے تھے[3]، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ وہ بھی ختم ہو گئے، کچھ تو ان میں سے سنی ہو گئے اور کچھ نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا، دور دراز کے علاقوں میں جہاں بیرونی اثرات پہنچ نہ سکے، نوربخشیہ باقی رہے، لیکن ان کے اعتقادات اور عمل مقامی سنیوں کے اثر میں آکر مل گئے[4]،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۱) شمس الدین کا انتقال ۱۵۳۳ء میں مرزا حیدر کے کشمیر پر پہلے حملہ سے قبل ہوا ہوگا (مزید دیکھو نوادر الاخبار ورق ۶۲ ب)

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۱۱ ب، دیکھو ص ۱۳۰، کتاب ہٰذا ظلم و تشدد کی تفصیل کے لیے

[2] فرشتہ لکھتا ہے کہ اسکے زمانہ میں زیادہ تر سپاہی شیعہ تھے، چک شیعہ تھے، اور شمس الدین کو بھی شیعہ جانتے تھے،

[3] آئین اکبری ج ۱ ص ۳۵۴ [4] آجکل کے نوربخشیہ کیلیے دیکھو ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۱۱ء ج ۲۰ کشمیر حصہ ۱ ص ۱۰۵ اور Biddulph's Tribes of Hindu Kush ص ۱۲۰

ضمیمہ (ب)

سکے، سکہ سازی، ناپ اور تول

سکے

کشمیر کی فارسی تاریخوں میں خاندانِ شاہ میر اور خاندانِ چک کے نظامِ زر کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، بس تھوڑی بہت معلومات ابوالفضل کی تصنیف آئین اکبری اور سنسکرت کی تاریخوں سے معلوم ہو سکی ہیں، سلاطین کے عہد میں کشمیر کے نظامِ زر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی اور کم و بیش وہی نظام راجہ راجاؤں کے زمانہ میں تھا،[1] سلاطین کے سکے زیادہ تر تانبہ کے ہوتے اور انھیں کیسرہ یا پونچھ کہا جاتا،[2] کشمیری سکہ کی اکائی کوڑی میں تقسیم تھی، جو چھوٹی موٹی خریداری کی قیمت کی ادائگی میں کام آتی،[3] زین العابدین نے جستہ اور پیتل کے سکے ڈھالے، چاندی کے سکے عام طور پر استعمال میں نہ تھے اور سونے کے سکے تو کمیاب تھے حقیقت میں سونے اور چاندی کے سکے کشمیر کے سکوں میں اہم مقام نہیں رکھتے تھے، بہر حال اتنا ضرور ہے کہ خاندانِ چک کے عہد میں خاندانِ شاہ میر کے مقابلہ میں سونے اور چاندی کے سکے زیادہ استعمال ہوتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ سلاطین کشمیر شاید مغل سلطنت سے قریبی تعلق رکھتے تھے،[4]

کشمیر کے سکوں میں دینار، باہگنی، پونچھ، ہتھ، ساسن، لاکھ اور کروڑ تھے، ان کی قیمتیں حسبِ ذیل تھیں:[5]

۱۲ دینار = ۱ باہگنی۔ ۴ باہگنی = ۱ پونچھ۔ ۴ پونچھ = ۱ ہتھ۔ ۱۰ ہتھ = ۱ ساسن

۱۰۰ ساسن = ۱ لاکھ۔ ۱۰۰ لاکھ = ۱ کروڑ دینار یا ۱ کوتی (کروڑ)

ان کے علاوہ دوسرے ٹائپ کے سکے بھی استعمال ہوتے تھے، چنانچہ تورمان کے تانبہ کے ٹکڑے حسین شاہ نے پہلے

---

[1] دیکھو اشٹائن ج ۲ ص ۳۰۸-۳۲۸، کشمیر کے نظامِ زر کی تفصیل کیلیے [2] ایضاً ص ۳۱۲-۳۱۵ [3] شری ور ص ۱۰۱ فرید وہ [4] اسٹائن ج ۲ ص ۳۲۴ [5] ایضاً ص ۳۱۸

سلاطین کے عہد میں استعمال ہوتے تھے لیکن حسین شاہ یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ سکے بہت کم استعمال میں ہیں، جستہ کے سکے بنام دیودیناری ڈھالے[1]، تاریخوں میں اشرفیوں اور ٹنکوں کا بھی ذکر آیا ہے، جو محمد شاہ کی ملکہ نے میر شمس الدین کیلیے خانقاہ کے بنوانے میں خرچ کیے تھے[2]، کبھی کبھی سونے اور چاندی کے سکوں کے بجائے سونا استعمال ہوتا، چنانچہ سکندر اور زین العابدین کے عہد میں جزیہ چاندی کی صورت میں لیا جاتا، خاندان چک کے عہد میں جزیہ "پان" کی شکل میں لیا جاتا، لیکن "پان" سے کون سکہ مراد ہے، واضح نہیں ہے[3]، مکان کے کرایے، جرمانے اور سود کی ادائگی میں چاول بھی استعمال ہوتا تھا، تمام اجرتیں اور تنخواہیں چاول کے کھروار میں دیجاتیں، یوں تو کشمیر کا نظام کوڑی کی اکائی پر منحصر تھا، لیکن زیادہ تر تانبہ کے سکے استعمال ہوتے اور عام لین دین اور نجی زندگی میں چاول کے کھروار ہی استعمال ہوتے تھے[4]۔

سکہ سازی

سلاطین کشمیر کے جو سکے ابھی تک دستیاب ہو سکے، ان سے راجرس لین پول اور رائٹ اور کچھ دوسروں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں، وہ ابھی تک مسلّم ہیں، اسلیے سوائے ان مضامین کا خلاصہ پیش کرنے کے اس موضوع پر کچھ مزید روشنی ڈالنا اسوقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کچھ نئے اور مختلف سکے دریافت نہ ہوجائیں،

سلاطین کشمیر کا کوئی بھی سکہ سلطان سکندر سے پہلے کا موجود نہیں ہے، چاندی کے وہ سکے جن پر شمس شاہ کا نام کندہ ہے، سلطنت کے بانی شمس الدین اول کے نہیں، بلکہ شمس الدین ثانی کے ہیں[5]، کشمیری سکے سلاطین دہلی کے سکوں سے الگ ہیں، پہلے تو کشمیری سکے بھدے ہیں، جیسا کہ راجرس نے لکھا ہے، "کشمیری دنیا کے بدترین ٹھپہ ساز تھے[6]"، اسکے علاوہ ایک دوسرے سے بہت کم مختلف ہیں اور انکے اندر کسی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، دوسرے ان سکوں سے حکمرانوں کی تخت نشینی اور دور حکومت مقرر کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی، اسکا ایک سبب یہ ہے کہ زیادہ تر سکوں پر کندہ تاریخیں پڑھی نہیں جا سکتی ہیں، اور دوسرے یہ کہ ایک ہی تاریخ بار بار استعمال ہوئی ہے، سلاطین نے اپنے پیش روؤں کے نام سے سکہ ڈھالنے میں سنین کا کوئی لحاظ نہیں رکھا،

---

[1] شری ور ص ۲۲۸ [2] سید علی ص ۴۰ [3] اسٹائن ج ۲ ص ۳۱۸ اور حاشیہ [4] اسٹائن ص ۳۲۸ [5] J.R.N.S (۵۱ ویں سریز) ص ۲۹۱ [6] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۲۷ x ۱ (۱۸۹۶ء) ص ۲۲۳ ایضاً ج ۵۲ (۱۸۸۵ء) ص ۹۷-۹۵

تانبے کے سکّے

تانبے کے سکّے عام طور پر ملتے ہیں، لیکن چونکہ ان پر کندہ تحریریں ناصاف ہیں، ان سے کشمیر کے سنین کا تعین نہیں ہو سکتا، ان کی شکل گول ہے، اور قطر اوسطاً ۸ انچ اور وزن ۷۱ سے لیکر ۸۰ گرام تک ہے، سکے کے سیدھے رخ پر بیچوں بیچ ایک مرکزی پٹی سی ہے، جس کے گرد حرف طغری کا ایک جھالر ہے، کچھ سکوں پر یہ جھالر خاصا واضح ہے، اور کچھ پر لاپروائی کے ساتھ صرف دائرے سے بنے ہیں، سلطان کا نام پٹی کے نیچے لکھا ہے لیکن اسکے اوپر "سلطان الاعظم" لکھا ہے، صرف زین العابدین کو چھوڑ کر ہر ایک کے نام کے ساتھ "شاہ" ضرور لگا ہے، صرف زین العابدین کے نام کے ساتھ نائب امیر المومنین لکھا ہے، پچھلے رخ پر صرف "ضرب کشمیر" اور عربی حروف میں سنہ درج ہے، حسین شاہ، علی شاہ اور یوسف شاہ کے سکوں پر عربی کے بجائے فارسی میں سنہ دیا ہوا ہے[1]

اگرچہ زین العابدین کے کچھ سکوں پر بیچ کی پٹی اور جھالر بنا ہے، لیکن تمام سلاطین میں اُسی نے نئے طرز کے سکے ڈھالے، اس نے نہ صرف تانبے بلکہ پیتل کے سکے بھی ڈھالے، اسکے سکوں پر لفظ "ضرب" لکھا ہے، جس کو "کشمیر" کا لفظ بیچ سے کاٹتا ہے، ان حرفوں کے گرد ایک چھوٹا سا قرص بنا ہے، جس کے باہری کناروں پر خوبصورت جھالر بنے ہیں[2]، کچھ سکوں کے سیدھے رخ پر نام اور لقب دُہرے دائرے میں ہیں، جن کے گرد لفظوں کا ایک اور دائرہ ہے[3]، زین العابدین کے چاندی کے سکوں پر ۸۴۲ھ لکھا ہے، لیکن تانبے کے سکوں پر ۸۴۱ھ اور ۸۴۵ھ کندہ ہے[4]، ان سنین کی اہمیت کے متعلق کچھ نہیں معلوم، محمد شاہ اور فتح شاہ کے

---

[1] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۱۸ (۱۸۷۹ء) ص ۲۸۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۸۴

[4] Coins of Mohammaden state of India از لین پول، ص ۶۲-۶۱

ایک تانبے کے سکہ پر ۸۶۴ھ مطابق ۱۴۶۰ء لکھا ہے،[1] یہ سکہ حیدر شاہ کے اعزاز میں بنا ہوگا، جس نے ۱۴۷۰ء سے لیکر ۱۴۷۲ء تک حکومت کی، حسین شاہ کے ایک سکہ پر ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء کندہ ہے جو یقیناً اس کے عہد حکومت کے اخیر میں بنا ہوگا، یوسف شاہ کا سکہ جس پر ۹۸۶ھ مطابق ۱۵۷۸-۷۹ء لکھا ہے، یقیناً ۱۵۷۹ء میں اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد ڈھالا گیا ہوگا،[2]

چاندی کے سکے

چاندی کے سکے مربع شکل کے ہیں، ان کا وزن ۹۱ سے ۹۶ رتی ہے، اور چوڑائی ۰،۶ انچ سے ۰،۶۵ انچ ہے، سب سے ہلکا سکہ شمس الدین ثانی اور سب سے وزنی یوسف شاہ کا ہے،[3] ان سکوں میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے، انکی شکلیں چوکور ہیں اور پیچھے کے رخ پر ایک طرح کا طرہ کندہ ہے،[4] چاندی کے سکے تانبے کے سکوں کی طرح عام نہیں ہیں،

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلاطین کشمیر کے سکے سنین کے تعین میں ممد و معاون نہیں ہیں، چنانچہ زین العابدین نے اگرچہ پچاس سال تک حکومت کی، لیکن اس کے تمام سکوں پر ۸۴۲ سنہ حرفوں اور اعداد میں کندہ ہے، اعداد سیدھے رخ پر ہیں، اور حروف پیچھے کے رخ کے حاشیہ پر عربی میں لکھے ہیں، یہ سنہ اُن حکمرانوں کے سکوں پر کندہ ہے جنھوں نے ۸۴۲ھ کے بعد بھی طویل عرصہ تک حکومت کی، اسی لیے ان سے سنین متعین نہیں کیے جا سکتے اور اس سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے،[5] ابراہیم شاہ (بار اول) اور ابراہیم شاہ (بار دوم) کے چاندی

---

[1] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۵۶ (۱۸۸۵ء) ص ۹۶ [2] ایضاً جلد XVIII (۱۸۶۹ء) ص ۲۰۵

[3] Catalogue of Coins in The India museum Calcutta ص ۱۹۰ مزید دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد LIV (۱۸۸۵ء) ص ۹۰ [4] ایضاً [5] J.R.N.S ج ۱۴ (۵ ویں سیریز) ص ۲۵۰

کے سکوں پر بھی ۸۴۲ھ عربی حروف میں کندہ ہے[1]، اسی طرح محمد شاہ کے چاندی کے سکوں پر جو اب نایاب ہیں، ۸۴۲ھ درج ہے[2]، اس کے ایک سکہ پر ۸۹۵ھ مطابق ۱۴۹۰ء لکھا ہے، اور فتح شاہ کے سکوں پر ۸۹۶ھ کندہ ہے[3]، یہ سکے بہت اہم ہیں، محمد شاہ کا سکہ جس پر ۸۹۵ھ لکھا ہے، اس کی پہلی تخت نشینی کے آخری ایام میں ڈھالا گیا ہوگا، اور فتح شاہ نے اپنے برسر اقتدار آتے ہی ۱۴ر نومبر ۱۴۸۹ء کے بعد یہ سکہ ڈھالا ہوگا، کیونکہ اسی وقت ۸۹۵ھ شروع ہوا تھا، حیدر شاہ کے سکوں پر ۸۷۴ھ مطابق ۱۴۷۰ء لکھا ہے، اس سال وہ تخت نشین ہوا تھا، لیکن یہ سکے ۱۲ر مئی ۱۴۷۰ء کے بعد یعنی زین العابدین کی موت کے بعد اور ۸۷۵ھ شروع ہونے سے پہلے ڈھالے گئے ہونگے، ۸۷۵ھ ۳۰ر جون ۱۴۷۰ء کو شروع ہوا تھا، اگرچہ حسن شاہ کے سکوں پر ۸۴۲ھ عربی حروف میں لکھا ہے، لیکن سیدھے رخ پر ۸۷۶ھ مطابق ۱۴۷۲ء لکھا ہے، جو اس کا سنہ تاج پوشی ہے[4]، حسین شاہ چک کے سکوں پر ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲-۶۳ء درج ہے، اس سال اس کی تاج پوشی ہوئی تھی، اس کے ایک دوسرے سکہ پر ۹۷۲ھ کندہ ہے، جن سکوں پر علی شاہ چک کا نام لکھا ہے اپنے باپ کی یاد میں اس کے لڑکے یوسف شاہ نے ڈھلوائے ہوں گے، لیکن جس سکہ پر ۹۸۰ھ لکھا ہے، وہ خود علی شاہ نے ڈھالا تھا، ایک اور سکہ جس پر ۹۸۶ھ مطابق ۱۵۷۸-۷۹ء درج ہے، علی شاہ نے اپنی حکومت کے آخری ایام میں ڈھالا ہوگا، یوسف شاہ کے ایک سکہ پر جو یقیناً اس کی تاج پوشی کے فوراً بعد ڈھالا گیا ہوگا، ۹۸۷ھ درج ہے، تانبے کے

---

[1] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال Liv (۱۸۸۹ء) ص ۱۲۵ [2] ایضاً ص ۱۱۰

[3] Coins of Muhammadan Law State of India از لین پول ص ۸-۷۶

[4] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال Liv (۱۸۸۵ء) ص ۹۶، ۹۷

سکوں کی طرح حسین شاہ، علی شاہ اور یوسف شاہ کے چاندی کے سکوں پر فارسی میں سنہ درج ہیں، چاندی کے سکوں کے سیدھے رخ پر "ضرب کشمیر" لکھا ہے، جس کے گرد قرص کی شکل کا حاشیہ ہے، اور سنہ قرص کے باہر کنارے پر لکھا ہے، پیچھے رخ پر سلطان اور اس کے القاب کندہ ہیں، خاندان شاہ میر کے تمام سلاطین زین العابدین کو چھوڑ کر "سلطان الاعظم" اور "شاہ" کا لقب استعمال کرتے تھے، زین العابدین صرف "سلطان الاعظم" لکھتا تھا، چک حکمراں اپنے کو "بادشاہ" اور "غازی" کہتے، اسکے علاوہ ہر حکمراں ایک علٰحدہ لقب بھی اختیار کرتا تھا،

نازک شاہ کے زمانہ میں جب اصل زمام حکومت حیدر شاہ کے ہاتھ میں تھی، سکے ہمایوں کے نام سے ڈھالے گئے تھے، ان سکوں کی ساخت پیشرو سلاطین کے سکوں کی سی تھی، ایک سکہ پر "ح" لکھا ہے، جو مرزا حیدر کے نام کا ایک حرف ہے، ان سکوں پر سنہ بھی وہی لکھے ہیں جب مرزا حیدر کی کشمیر پر حکومت تھی[1]، چاندی کے ایک سکہ پر نادر شاہ کا نام اور ۹۵۵ھ مطابق ۱۵۴۸ء ہے، اس نام کا کوئی سلطان کشمیر میں نہیں ہوا، ہو سکتا ہے کہ یہ نازک شاہ کا لقب یا دوسرا نام رہا ہو، اور مرزا حیدر کے دور حکومت کے آخری ایام میں ڈھالا گیا ہوگا، نادر شاہ کے دوسرے سکے بھی ہیں، لیکن ان کے حروف پڑھے نہیں جاتے[2]، کچھ سکے ایسے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن پر اسلام شاہ کا نام اور ۹۵۵ھ ہے، اسلام شاہ نے کشمیر پر کبھی حکومت نہیں کی، اس لیے ملک کے امرا نے مرزا حیدر کے خلاف اس کی مدد اور اس کو خوش کرنے کے لیے یہ سکے ڈھالے ہوں گے[3]،

سونے کے سکوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، ہر ایک کا وزن ۱۷۵ رتی ہے، سیدھے رخ پر دائرہ میں کلمہ لکھا ہے، ٹکسال کا نام عربی میں "دارالسلطنت" ہے (جس کا مطلب ہے راج دھانی)، یا اس پر یہ عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "یہ برباد ہونے سے محفوظ ہے"، پیچھے رخ پر سلطان کا نام اور اسکے القاب

---

[1] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۷۰ا دسمبر ۱۸۸۸ء ص ۱۱۷ [2] ایضاً ص ۱۱۹ [3] ایضاً ص ۱۱۹

لکھے ہیں لیکن پیچھے لکھی ہوئی تحریریں کافی فرق ہے، زین العابدین کے ساتھ "نائب امیر المومنین" قطب الدین ابو المجاہد العادل السلطان" حیدر شاہ کے سونے کے سکوں کے پیچھے رخ پر "نائب خلیفۃ الرحمن السلطان" لکھا ہے، کشمیر کے تمام سلاطین میں صرف زین العابدین اور حیدر شاہ اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا نائب سمجھتے تھے، حسن شاہ کے سونے کے ایک سکہ پر "نگین ملک خاتم سلیمان" لکھا ہے، ہمایوں اور ابراہیم شاہ اور مبارک شاہ کے سکوں پر مختلف تحریریں لکھی ہیں۔[1]

وزن اور ناپ تول

۱۶ ماشہ	=	۱ تولہ	۸۰ تولہ	=	۱ سیر[2]
۷½ پل	=	۱ سیر	۴ سیر	=	۱ من = ۱ ترک (آج کے ۵ سیر کے برابر)
۱۶ ترک	=	۱ کھروار	۱ کھروار	=	.... پونڈ یا آج کے ۳۰ سیر کے برابر)
۱ گرہ	=	۲¼ انچ	۱۶ گرہ	=	۱ گز
۲۰ گرہ	=	۱ گز (یہ ناپ پشمینہ میں استعمال ہوتا تھا)			

ہندوستان میں اراضی مختلف قطعوں میں تقسیم ہوتی اور ہر قطعہ کو بیگہ کہتے لیکن کشمیر میں ہر قطعہ کو پٹہ کہتے تھے، الٰہی گز کے ناپ سے جو آج ۳۳ انچ کے برابر ہے، ہر پٹہ ایک بیگہ ایک بسوہ کے برابر ہوتا، بہر حال کشمیری ۲½ پٹہ کو ایک بیگہ (کشمیری) کے برابر سمجھتے تھے[2] زین العابدین کے عہد میں جریب کی لمبائی بڑھادی گئی تھی،[3] لیکن اس کی تفصیل نہیں معلوم،

---

[1] J.R.N.S ج ۱۳ (۵ ویں سیریز ص ۲۶۱ وغیرہ)

[2] اکبر نامہ ج ۳ ص ۸۳۰-۳۱

[3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۳۶

ضمیمہ (ج)

سلاطین کشمیر کے سنین اور شجرۂ ہائے نسب

سلاطین کشمیر کے سنین گوشۂ تاریک میں ہونے کے دو خاص اسباب ہیں، پہلے تو تاریخوں میں سلاطین کی تاج پوشی اور عہدِ حکومت کے الگ الگ سنہ درج ہیں، دوسرے سکوں سے سنین کے تعین میں بہت زیادہ مدد نہیں ملتی،

سلاطین کشمیر کے سنین کے تعین کے سلسلہ میں سب سے پہلی سنجیدہ کوشش سر ولزلی ہیگ نے کی تھی[1] لیکن اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ اس نے خاصکر طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ اور آئین اکبری سے استفادہ کیا اور سنسکرت کی تاریخوں سے یکسر رجوع نہ کیا، حال ہی میں ڈاکٹر اے. کے. مجمدار نے[2] اس موضوع کا مطالعہ کیا لیکن انھوں نے سنسکرت اور مغلوں کی تاریخوں سے استفادہ کیا اور کشمیر کی فارسی تاریخوں سے استفادہ نہ کیا، ان تمام اسناد سے فائدہ اٹھائے بغیر ازمنۂ وسطیٰ کے سلاطینِ کشمیر کے سنین اور شجرہ ہائے نسب مرتب نہیں کیے جا سکتے،

خاندان شاہ میر کے ابتدائی دور سے لیکر زین العابدین کے عہد حکومت کے ۱۵ ویں سال تک کے لیے سب سے زیادہ قابلِ وثوق سند یون راج ہے، اس کا شاگرد شری ور ۱۴۵۹ء سے ۱۴۸۶ء تک یعنی محمد شاہ کی پہلی تاج پوشی تک معاصر سند ہے، اسی لیے یون راج اور شری ور کی دی ہوئی تاریخ کو صحیح ماننے میں

---

[1] The chronology and genealogy of Muhamaden Kings of Kashmir از ہیگ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۸ء ص ۴۵۱-۶۸)

[2] A note on the chronology of the Sultan of Kashmir in The Ain-e-Akbari از مجمدار (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ج ۲۲ ص ۹۱-۹۶)

کوئی دقت نہیں ہے، حیدر ملک، بہارستان شاہی کے مصنف، ابو الفضل اور نظام الدین نے سنسکرت کی تاریخوں سے اپنے سنین لیے ہیں، اسکے باوجود بھی انکی تاریخیں ایک دوسرے سے مختلف اور انھوں نے یون راج اور شری ور کی تاریخیں بھی غلط لکھی ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے لوکک سنہ جو شمسی سنہ ہیں، ہجری سنہ میں جو قمری ہیں، بدلنے میں غلطی کی ہے،

یون راج اور شری ور کی کچھ تاریخوں کی صراحت سلاطین کے سکوں اور معاصر فارسی تاریخوں سے ہو سکتی ہے، زین العابدین کا سنہ تخت نشینی یون راج کے مطابق ۱۴۲۰ء ہے، تاریخ مبارک شاہی جو معاصر سند ہے، اسکی حمایت میں ہے، [۱] شری ور نے سلطان کی تاریخ وفات ۱۴۷۰ء بتائی ہے، یہ تاریخ حیدر شاہ کی تاریخ تخت نشینی کے عین مطابق ہے جو سکوں پر عبارتوں سے معلوم ہو سکی ہے، [۲] حیدر شاہ کی تاریخ وفات ۱۴۷۲ء ہے، یہ تاریخ اسکے لڑکے اور جانشین حسن شاہ کے سکوں سے صحیح ثابت ہو جاتی ہے، [۳] حسن شاہ کی تاریخ وفات اور اسکے لڑکے محمد شاہ کے پہلے دور حکومت کی تاریخ بھی شری ور نے دی ہے، اور چونکہ شری ور حسن شاہ کے دربار سے وابستہ تھا، اس لیے ہمیں اس کے سنین کو مان لینا چاہیے،

سب سے زیادہ دقت فتح شاہ کے عہد حکومت کے پہلے دور کی تاریخ میں پیش آتی ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ پراجیہ بھٹ کی تاریخ میں ۱۴۸۶ء سے ۱۵۱۶ء تک کے زمانہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، جب شری ور نے اپنا بیان ختم کیا تو فتح شاہ اس وقت تخت نشین تھا لیکن جب شک نے اپنی تاریخ لکھی تو فتح شاہ دوبارہ تخت نشین تھا، جیسا کہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں فتح شاہ کی مستقل حکومت نہیں تھی، اس عرصہ میں محمد شاہ اور اس نے یکے بعد دیگرے حکومت کی تھی، فتح شاہ کی حکومت سات سال (۱۴۸۶ء۔ ۱۴۹۳ء) تھی، اور محمد شاہ کی ۱۲ سال (۱۴۹۳ء۔ ۱۵۰۵ء) ۱۵۰۵ء [۴] میں فتح شاہ نے تخت پر

---

[۱] دیکھو ص ۱۹۹ اور حاشیہ ۸، [۲] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ج ۶۵ (۱۸۹۶ء) ص ۲۲۵ بحوالہ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۹ء ص ۶۵۵، [۳] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۸ء ص ۴۵۰، [۴] بہارستان شاہی ورق ۷۷ ب، بہارستان شاہی میں لوکک سنہ میں تاریخ دی ہے، جو ۱۵۰۵ء/۸۱ ہے، اس کا ہجری ۱۵۰۱ء/۹۰۷ غلط ہے،

دوبارہ قبضہ کیا اور ۹ سال برسرِ اقتدار رہا، (۱۵۱۴ء ۔ ۱۵۰۵ء)[1] شک نے فتح شاہ کے دوسرے دَور کا ذکر کیا ہے، پہلے کا نہیں، اس کے علاوہ جن واقعات کا شک نے ذکر کیا ہے وہ فتح شاہ کے پہلے دور اور نہ دوسرے دور میں رونما ہوئے تھے، یہ بات فارسی تاریخوں کے مطالعہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے، بہرحال نظام الدین اور ابوالفضل فتح شاہ کے دوسرے دور کو اس کا پہلا دور سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے وہ فتح شاہ کا دوبار اور محمد شاہ کا چار بار تخت نشین ہونا بتاتے ہیں، جب کہ فی الواقع فتح شاہ نے تین بار اور محمد شاہ نے پانچ بار حکومت کی،

محمد شاہ نے ۱۵۱۴ء میں تیسری بار تخت پر قبضہ کیا، ابھی اس نے کل نو مہینے حکومت کی تھی کہ فتح شاہ نے وادی پر حملہ کیا اور تیسری بار تخت پر بیٹھا،[2] وادی سے نکالے جانے کے بعد محمد شاہ نے سکندر لودی کے سامنے دستِ طلب پھیلایا، اور اس کو خاطر خواہ مدد ملی، سکندر لودی کا انتقال ۱۲/ نومبر ۱۵۱۷ء کو ہوا، اس لیے محمد شاہ کو مدد اس سال کے وسط کے قریب ملی ہوگی، افغان فوج کی مدد سے محمد شاہ فتح شاہ کو شکست دینے اور تخت نشین ہونے میں کامیاب ہوا، یہ چوتھی بار کی حکومت ۱۲ سال تک رہی (۱۵۲۸ء ۔ ۱۵۱۷ء) اس کو اس کے وزیر کاجی چک نے معزول کرکے اس کے لڑکے ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا، اس اثنا میں کاجی کا مدِمقابل ابدال ماگرے دہلی کیلئے روانہ ہوا، اور بابر سے مدد لے کر وادی کو فتح کرلیا، اس نے ابراہیم شاہ کو تخت سے ہٹا کر فتح شاہ کے لڑکے نازک شاہ کو تخت نشین کیا (۱۵۲۹ء)، لیکن نازک شاہ صرف ایک سال حکومت کرسکا، کیونکہ ۱۵۳۰ء میں محمد شاہ کو قید سے رہا کرکے تخت نشین کیا گیا، محمد شاہ کی پانچویں بار کی تخت نشینی کی تاریخ کو صحیح مان لینا چاہیے، کیونکہ طبقات اکبری کے مطابق اس واقعہ کے فوراً بعد بابر کا انتقال ہوا تھا،[3] محمد شاہ اپنی موت تک یعنی ۱۵۳۷ء تک برسرِ اقتدار رہا،[4] اس کا جانشین

---

[1] شک ص ۳۴۲ [2] ایضاً ص ۳۴۳ [3] طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۴۳ [4] بہارستان شاہی ورق ۱۰۲ الف، ب
شک ص ۳۷۵

اس کا لڑکا شمس الدین ہوا[1]۔ ۱۵۴۰ء میں اس کے انتقال پر کاجی نے اپنے داماد اسمٰعیل کو جو محمد شاہ کا دوسرا لڑکا تھا تخت پر بٹھایا[2]۔ جب مرزا حیدر نے کشمیر پر تسلط جمایا، اسمٰعیل ملک سے فرار ہو گیا، اور نازک شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا، وہ ۱۵۵۲ء تک تخت نشین رہا، لیکن اس کو دولت چک نے معزول کر کے ابراہیم کو جو پہلے بھی حکومت کر چکا تھا، تخت پر بٹھا دیا[3]۔ لیکن لیکن غازی الملک نے برسر اقتدار آکر اسمٰعیل کو پھر سے تخت پر بٹھایا، اور اس کی موت پر ۱۵۵۵ء میں اس کا لڑکا حبیب سلطان بنا لیکن ۱۵۶۱ء میں غازی نے خود ہی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر خاندان چک کی داغ بیل ڈالی[4]،

اس کے بعد کشمیر میں جو حکمراں ہوئے ان کے سنین دقت طلب نہیں ہیں، اور معاصر تاریخوں سے ان کا بآسانی تعین کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] بہارستان شاہی ورق ۱۰۲ ب تنک ص ۳۰۵

[2] دیکھو ص ۱۴۶ اور حاشیہ ۷ کتاب ہٰذا

[3] بہارستان شاہی ورق ۱۰۶ الف، حیدر ملک ورق ۱۴۴ ب

[4] دیکھو ص ۱۵۱ اور حاشیہ ۵-۳ کتاب ہٰذا

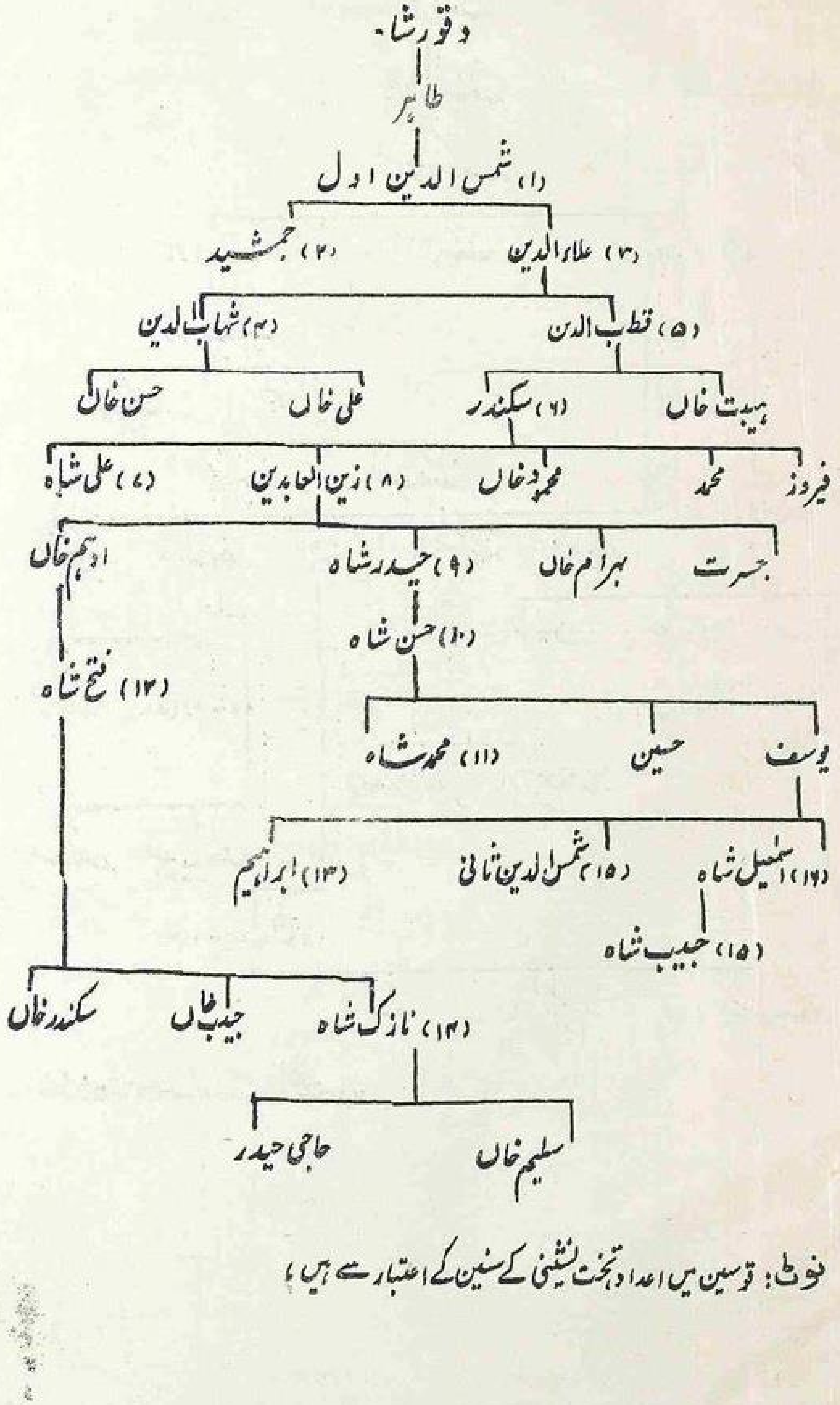
خاندان شاہ میر کے سنین

شمار	نام سلاطین	سنہ عیسوی	شمار	نام سلاطین	سنہ عیسوی
۱	شمس الدین اول	سنہ ۱۳۳۹ء	۲	جمشید	سنہ ۱۳۴۲ء
۳	علاء الدین	سنہ ۱۳۴۳ء	۴	شہاب الدین	سنہ ۱۳۵۴ء
۵	قطب الدین	سنہ ۱۳۷۳ء	۶	سکندر	سنہ ۱۳۸۹ء
۷	علی شاہ	سنہ ۱۴۱۳ء	۸	زین العابدین	سنہ ۱۴۲۰ء
۹	حیدر شاہ	سنہ ۱۴۷۰ء	۱۰	حسن شاہ	سنہ ۱۴۷۲ء
۱۱	محمد شاہ (بار اول)	سنہ ۱۴۸۴ء	۱۲	فتح شاہ (بار اول)	سنہ ۱۴۸۶ء
	محمد شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۴۹۳ء		فتح شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۱۴ء
	محمد شاہ (بار سوم)	سنہ ۱۵۱۴ء		فتح شاہ (بار سوم)	سنہ ۱۵۱۵ء
	محمد شاہ (بار چہارم)	سنہ ۱۵۱۷ء	۱۳	ابراہیم شاہ (بار اول)	سنہ ۱۵۲۸ء
۱۴	نازک شاہ (بار اول)	سنہ ۲۵۲۹ء		محمد شاہ (بار پنجم)	سنہ ۱۵۳۰ء
۱۵	شمس الدین ثانی	سنہ ۱۵۳۷ء	۱۶	اسمٰعیل شاہ (بار اول)	سنہ ۱۵۴۰ء
	نازک شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۴۵ء		ابراہیم شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۵۲ء
	اسمٰعیل شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۵۵ء	۱۷	حبیب شاہ	سنہ ۱۵۵۷ء
					سنہ ۱۵۶۱ء

خاندان چک کے سنین

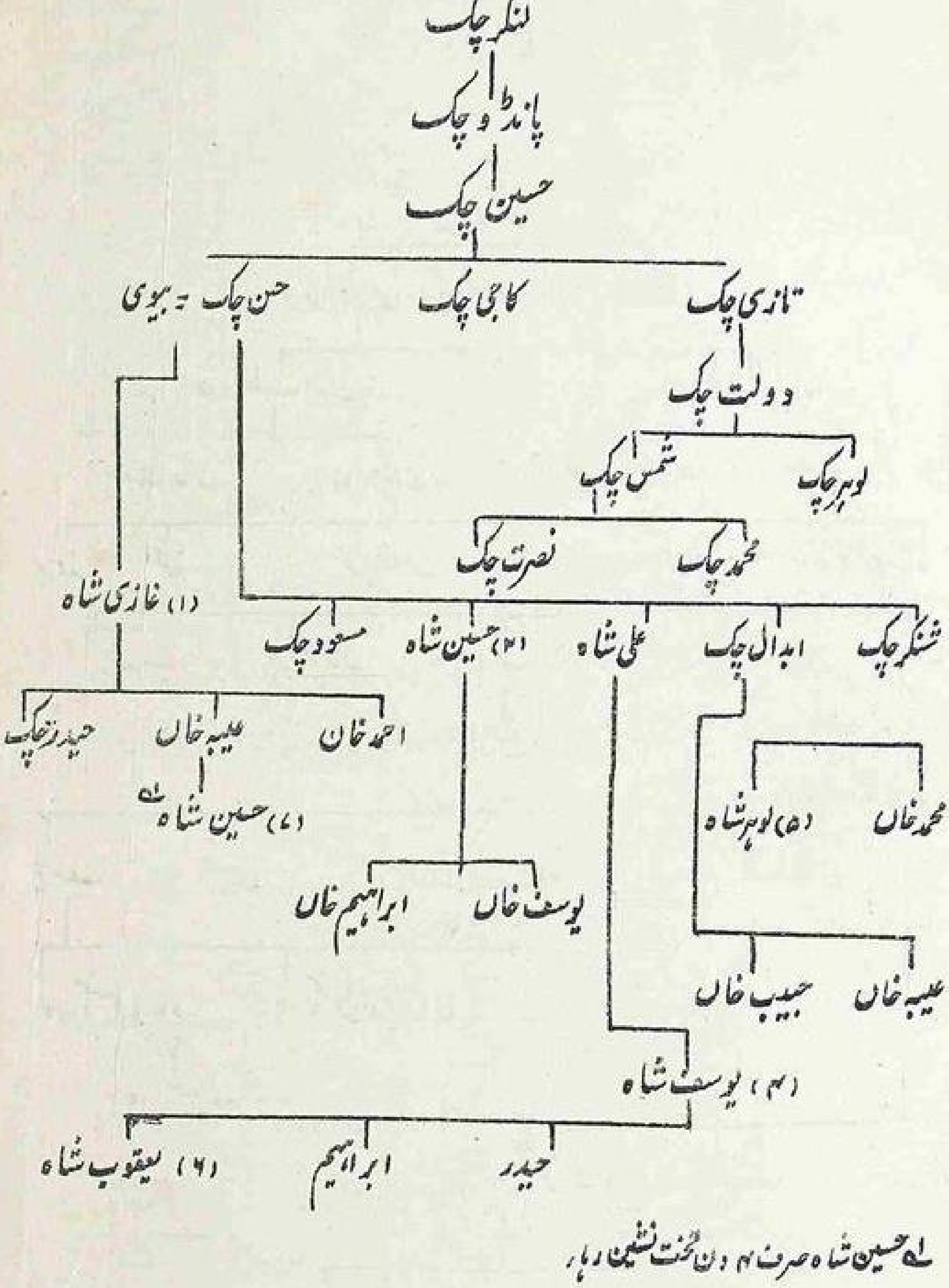
شمار	نام سلاطین	سنہ عیسوی	شمار	نام سلاطین	سنہ عیسوی
۱	غازی شاہ	سنہ ۱۵۶۱ء	۲	حسین شاہ	سنہ ۱۵۶۳ء
۳	علی شاہ	سنہ ۱۵۷۰ء	۴	یوسف شاہ (بار اول)	سنہ ۱۵۷۸-۷۹ء
۵	لوہر شاہ	سنہ ۱۵۷۹ء		یوسف شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۸۰ء
۶	یعقوب شاہ (بار اول)	سنہ ۱۵۸۶ء	۷	حسین شاہ	سنہ ۱۵۸۶ء
	یعقوب شاہ (بار دوم)	سنہ ۱۵۸۶ء			
		سنہ ۱۵۸۸ء			

خاندانِ شاہ میر کا شجرۂ نسب



نوٹ: قوسین میں اعداد تخت نشینی کے سنین کے اعتبار سے ہیں۔

خاندانِ چک کا شجرۂ نسب



۱؎ حسین شاہ صرف ۴ دن تخت نشین رہا۔

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۵	جون راج	جون راج کو ہر جگہ	۴۹	۸	کوبٹھیا	کھوبٹھیا
			یون راج پڑھیے	۵۲	۴	بلتیٹوں	بلتیوں
۱۶	حاشیہ۳	x c c ص ۲۶۰	۲۶۰ ص ۵۳ دیکھیے	۶۳	حاشیہ۲	کر	کر دیا
۱۷	۱۷	آغاز	آغا	۶۶	۱	کامراج	کمراج
۲۴	۳	ڈھانے	ڈھالنے	۷۹	۴	تحفائف	تحائف
۲۵	۵	پیرینجال	پیرپنجال کو ہر جگہ	۸۱	حاشیہ ۱۱،۵	جرنل ایشیاٹک	ژورنل ایشیاتیک
″	″	″	پیرپنجال پڑھیے	۹۳	۱۰	اسٹین	اسٹین کو ہر جگہ
۲۷	۴	کھش لوگ	کھس لوگ				اسٹائن پڑھیے
″	۱۴	آرہ ٹھ	آرہ بیتھ	۹۵	۶	خاشس	کھس
۳۰	۱۱	نس بل	مانس بل	۹۸	۱۴	اودری	اوڑی
″	″	انچرڈل	آنچار ڈل	۱۰۰	۴	وفادا	وفادار
۳۱	۷	اُدر	وُڈر	۱۰۴	۹	دراڈ	ہر جگہ اس لفظ کو
۳۳	۹	ہیرالپور	ہیرالپور کو ہر جگہ	″	″	″	دراوڈ پڑھیے،
			ہیرپور پڑھیے	۱۰۹	۲	زین گیر	زینہ گیر
۳۵	۱۱	اوری	اوڑی	۱۴۰	۱۲	احمد اتیو	احمد تیو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۱	۱۲	سمتا	سمجھتا	۲۲۹	۹	قائم	تاہم
۱۴۳	۶	تازی بھٹ	تازی بٹ، تازی بط	۲۳۰	۶	حملہ کا پہلا	پہلے بھی حملہ کا
۱۵۱	۱۱	دیدھر	دیدہ ھر	۲۳۵	۱۳	غیدار	غیدار کو ہر جگہ غیدار پڑھیے
"	۳	گوس اور	گوس اور کو ہر جگہ	"	۱۵	کوڑے	کوڑے سے
"	"	"	گوس ھوڈر پڑھیے	۲۴۸	۲	چک	چک کی
"	۱۲	دام در ادر	دامو در دڈر	۲۶۳	۹	داچون خودر	داچھین خھثور
۱۶۲	۱	حاجی پدر	حاجی پاڈر	۲۶۷	۵	چک نے	چک
۱۶۴	۱	ذیالدکر	اس لفظ کو ہر	۲۷۸	۴	کوہ کوارست	کوہ کوارمست
			جگہ ذیالڈکر	"	۵	دورہ	دُرّہ
			پڑھیے	۳۸۴	۱	اس	اس کے
"	۱۵	پدر	اس لفظ کو ہر جگہ	۲۹۸	۶	پیر	میر
			پاڈر پڑھیے	۳۲۶	۱۰	ماربنیا	ربنیا
۱۶۹	۴	دنور	دنور کو ہر جگہ	۳۳۶	۱۰	ڈھانے	ڈھانے
			دنوڑ پڑھیے	۳۴۳	۱۵	مارگرے	ماگرے
"	۷	جہانگیر ٹڈر	اس کو ہر جگہ جہانگیر	۳۶۳	۹	باب	ارباب
"	"	"	پاڈر پڑھیے	۳۸۲	۱۶	کراکورم	قراقرم
۱۷۲	۴	لل پو	لل پور	۴۱۰	۷	نفی	افقی
۱۷۳	۱۶	جادورا	جادورا کو	۴۴۴	۵	"یان"	"ین"
			جاڈورا پڑھیے	"	۶	کھردار	خھ فدار

دیباچہ کی سطر ۲ میں مسلمانوں کے بجائے مسلمان پڑھیے۔